جدید فقہی تحقیقات

۶

زکوۃ کے نئے مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار مؤرخہ ۳۰/اکتوبر
تا ۲/نومبر ۱۹۹۲ء منعقدہ ''جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ'' میں
پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

Marfat.com

جدید فقہی تحقیقات

۶

زکوۃ کے نئے مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار مؤرخہ ۳۰/اکتوبر
تا ۲/نومبر ۱۹۹۲ء منعقدہ ''جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ'' میں
پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

1/6

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

Marfat.com

جملہ حقوق بحق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) محفوظ

297.32
1997
ج
95208

نام کتاب	:	زکوۃ کے نئے مسائل
ترتیب	:	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات	:	۱۷۵
قیمت	:	
سن طباعت	:	جنوری ۲۰۰۸ء

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ

دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی)

Marfat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدرالحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مولانا عبید اللہ اسعدی

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

فہرست مضامین

ابتدائیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

پہلا باب : تمہیدی امور

سوال نامہ		۱۵
تجاویز		۲۶

دوسرا باب : تفصیلی مقالات

سوال نامہ کا جواب	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	۳۷
اسلام کا نظام معیشت	مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی	۴۷
اموال زکوۃ سے متعلق مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷۳
جواب سوال نامہ بابت زکاۃ	مولانا محمد عبید اللہ اسعدی	۹۶
زکوۃ کے مسائل	مولانا زبیر احمد قاسمی	۱۱۳
زکوۃ وصدقات واجبہ کی وصولی کا طریقہ	مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	۱۲۶
ادائیگی زکوۃ کے شرائط وارکان	مولانا احمد دیولوی	۱۳۶
جدید مسائل زکوۃ سے متعلق سوالات کے جوابات	مولانا نعمت اللہ قاسمی	۱۴۸
زکاۃ کے شرعی احکام	مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	۱۵۸

Marfat.com

دیون کی زکوۃ کی تفصیل اوران کے احکام	مولانا عبدالجلیل قاسمی	۱٦٦
مسئلہ زکوۃ پر ایک نظر	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۱۷۵
زکوۃ کے چند اہم مسائل	مولانا محمد طیب الرحمٰن	۱۹۰
زکوۃ کے چند مسائل اوران کا شرعی حل	مولانا محی الدین بڑودوی	۲۰۲
اسلام کا نظام زکاۃ اور موجود معاشی مسائل کا حل	مفتی نسیم احمد قاسمی	۲۱۹
حلال وحرام مخلوط مال میں زکوۃ کے احکام	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۲۷۱
مشترک سرمایہ میں زکوۃ کی فرضیت کی نوعیت	مولانا اعجاز احمد اعظمی	۳۰۷
اسلام میں زکاۃ کا مصرف	مفتی شبیر احمد قاسمی	۳۲۸
مبیع قبل القبض کی زکاۃ	مفتی انور علی اعظمی	۳۵۲
زکاۃ سے متعلق بحث وتحقیق	مولانا محمد صدر الحسن ندوی	۳۵۹
زکوۃ سے متعلق چند مسائل کا جائزہ	مولانا عبداللہ قاسمی	۳۷۰
کمیشن پر چندہ	مولانا عبیداللہ اسعدی	۳۹۹
نصاب زکوۃ	مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی	۴۱۱
احکام زکوۃ	مولانا محمد شعیب مفتاحی	۴۱٦
زکوۃ کے کچھ اہم مسائل	مولانا رفیق المنان قاسمی	۴۴۳

تیسرا باب: مختصر جوابات

زکوۃ سے متعلق سوال نامہ کا اجمالی جواب	حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۴٦۵
جوابات بابت سوالات زکاۃ	مولانا محمد رضوان قاسمیؒ	۴۷۲

Marfat.com

زکاۃ کے متعلق سوالات کے جوابات	مولانا افضال الحق	۴۷۸
خلاصہ جوابات	مولانا اختر امام عادل	۴۹۰
ضمیمہ سوالات کے جوابات	مولانا جمیل احمد نذیری	۴۹۷
اسلام میں زکوۃ کی اہمیت	مفتی عزیز الرحمٰن مدنی	۵۰۰
زکوۃ کن اموال میں واجب ہوتی ہے	مفتی عبدالرحمٰن صاحب دہلی	۵۰۷
زکوۃ سے متعلق اہم مسائل	حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی جھابی	۵۱۴
زکوۃ میں ''نما'' کی حقیقت اور صورتیں	مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی	۵۲۲
زکوۃ سے متعلق عصر حاضر کے مسائل	مولانا عبدالقیوم	۵۳۶
زکوۃ	مولانا جعفر علی رحمانی	۵۴۳
مسائل زکوۃ	مفتی عبداللہ	۵۵۳
موجودہ عہد میں مال کی مختلف نوعیت میں زکوۃ	مولانا ابوالکلام قاسمی	۵۶۳
نصاب زکوۃ	مولانا افضل حسین بستی	۵۶۸

Marfat.com

Marfat.com

ابتدائیہ

اسلام کا تیسرا اہم رکن ''زکوۃ'' ہے، زکوۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مواقع پر نماز کے ساتھ ہی زکوۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اگر نماز اللہ تعالی کی بندگی اور اس سے تعلق کا اوج کمال ہے، تو زکوۃ خلق اللہ کی خدمت اور اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا عنوان، سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں سے جہاد فرمایا ہے جنہوں نے زکوۃ کی فرضیت کا انکار کیا، یا زکوۃ کے اجتماعی نظام میں شامل ہونے اور بیت المال میں اپنی زکوۃ جمع کرنے کے روادار نہیں ہوئے، قرآن وحدیث میں سود کی جتنی مذمت کی گئی ہے، زکوۃ کی اسی قدر تبلیغ کی گئی ہے، اور اس کے اجر وثواب کا ذکر آیا ہے، نماز کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کا ثواب دس گنا ہے اور انفاق کا اجر وثواب سات سو گنا بتایا گیا، کیونکہ نماز کے فوائد نماز پڑھنے والوں کی ذات تک محدود ہے، اور زکوۃ کا نفع اللہ کے دوسرے بندوں تک پہنچتا ہے۔

زکوۃ سے متعلق احکام کا بڑا حصہ منصوص ہے، حدیث کی کتابوں میں شرائط زکوۃ، اموال زکوۃ، مقدار زکوۃ اور وصولی زکوۃ سے متعلق احکام تفصیل سے آئے ہیں، زکوۃ کے مصارف کا ذکر قرآن مجید میں واضح طور پر آیا ہے، اور حدیث سے اس کی اور جہتیں سامنے آتی ہیں، احکام زکوۃ کے سلسلہ میں وہ مکتوب نبوی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جو ''کتاب الصدقہ'' کے نام سے کتب حدیث میں مذکور ہے، اسی لئے زکوۃ کے احکام میں فقہاء کے درمیان نسبتاً کم اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

کتب فقہ میں زکوۃ سے متعلق احکام تفصیل کے ساتھ آئے ہیں، اس لئے خاص اس

Marfat.com

موضوع پر مستقل تصنیفات کم ملتی ہیں، لیکن موجودہ دور میں دوسرے ابواب فقہ کی طرح زکوۃ کے سلسلہ میں بھی متعدد نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، اس پس منظر میں اس موضوع پر عالم اسلام میں بھی اور ہندوستان میں بھی مستقل کتابیں تالیف کی گئی ہیں، جن میں بعض جدید مسائل سے بھی تعرض کیا گیا ہے، مگر مسائل کی کثرت اور اس پر گہرے غور وفکر کی ضرورت کے پیش نظر اکیڈمی کا پانچواں فقہی سمینار خاص اسی موضوع پر ''جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ'' میں رکھا گیا، یہ سمینار ممتاز فقیہ اور مصنف حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ کی دعوت پر ان ہی کے قائم کیے ہوئے ادارہ میں منعقد ہوا تھا، اس سمینار میں اموال زکوۃ، نصاب زکوۃ اور مصارف زکوۃ سے متعلق نہایت اہم مسائل زیر بحث آئے اور بہت ہی وقیع مقالات پیش کیے گئے، یہ مجموعہ ان ہی بیش قیمت مقالات پر مشتمل ہے۔

اس مجموعہ میں تین ابواب ہیں: پہلا باب تمہیدی امور یعنی سوالنامہ اور تجاویز ہیں، یہی تجاویز اصل میں سمینار کا خلاصہ ہیں، دوسرا باب موضوع سے متعلق تفصیلی مقالات پر مشتمل ہے، تیسرے باب میں سوالات پر دیے جانے والے مختصر جوابات ہیں، یہ مجموعہ پہلے بھی شائع ہو چکا ہے، مجلس ادارت کے زیر نگرانی نئی ترتیب کے ساتھ اب دوسرا ایڈیشن پریس میں جا رہا ہے، اس کی پروف ریڈنگ اور ایڈیٹنگ کا کام مولانا محمد سراج الدین قاسمی رفیق شعبۂ علمی نے انجام دیا ہے، اللہ تعالی ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے، اس موقع سے حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحبؒ کی یاد آتی ہے، جو ابتداء سے اس کارواں کے رہنماؤں میں تھے، وہ پہلے فقہی سمینار میں بھی شریک ہوئے اور جب تک سفر کے لائق رہے سمیناروں میں شرکت فرماتے رہے اور یہ پانچواں سمینار تو خود ان ہی کی دعوت پر منعقد ہوا، وہ اکیڈمی کی تجاویز بھی اپنے ماہنامہ ''الرشاد'' میں اہتمام سے شائع کرتے تھے، ہمیشہ ان کی محبتیں، مفید مشورے اور نیک تمنائیں اکیڈمی کے شریک حال رہتی تھیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی مغفرت کرے اور ان کے درجات کو بلند

Marfat.com

فرمائے، یہ مجموعہ جہاں بانی اکیڈمی حضرت قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہے، وہیں مولانا ندویؒ کے لئے بھی —— انشاء اللہ —— ذخیرۂ اجر ہے، کہ وہی فکر ونظر کی اس بزم کو آراستہ کرنے کے محرک بنے اور سمینار کی میزبانی قبول کرکے اس فکری سرمایہ کے وجود میں آنے کا باعث ہوئے، فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

۲۵ر اکتوبر ۲۰۰۷ء

خالد سیف اللہ رحمانی
جنرل سکریٹری
(اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

تمہیدی امور

Marfat.com

Marfat.com

سوالنامہ زکوۃ

۱- محوراول

زکوۃ کس قسم کے اموال میں واجب ہے؟

وجوب زکوۃ کی وہ شرطیں جن کا تعلق محل زکوۃ، یعنی اموال سے ہے:

پہلی شرط۔ ملک تام

ملک تام سے کیا مراد ہے؟ اس ذیل میں چند سوالات ہیں:

سوال (۱) مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کر دی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے، وہ قیمت جو ادا کی جا چکی اور وہ مال جو خریدار کے ملک میں آچکا، لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟۔

سوال (۲) کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم، یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے، یا مدت پوری ہو جانے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے، اس نقد کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر، یا مالک مکان پر؟۔

سوال (۳) جس مال کا کوئی مالک متعین نہ ہو، جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم ان پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟۔

سوال (۴) وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بطور حرام آتا ہے، مثلاً رشوت کا مال، بینک کا سود وغیرہ، اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟

Marfat.com

اگر یہ اموال حرام، حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو گئے ہوں کہ ان میں باہم تمیز مشکل ہو، تو اس صورت میں ان مخلوط اموال میں وجوب زکوۃ کا کیا حکم ہے؟۔

سوال (۵) دین کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ دائن پر جس کی ملک ہے، لیکن قبضہ نہیں، یا مدیون پر جس کے قبضہ وتصرف میں ہے، لیکن اس کے ملک میں نہیں، یا دین کی زکاۃ کسی پر واجب نہ ہوگی، کیا اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو اور اس مال کو تجارت میں لگا کر استفادہ کر رہا ہو، ایسی صورت میں اس مدیون پر زکوۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے؟

وصولیابی کی امید، یا ناامیدی کے اعتبار سے دین کی قسمیں اور وجوب زکوۃ کا حکم، اور اگر زکوۃ واجب ہوگی تو کب اور وصولیابی کے بعد سابق کی زکوۃ بھی دینی ہوگی یا وصول ہونے کے بعد مستقبل کی زکوۃ واجب ہوگی؟۔

سوال (۶) سرکاری محکموں اور مختلف پرائیویٹ کمپنیز میں جو لوگ ملازم ہیں ان کی ماہانہ یافت میں سے ایک حصہ وضع کر کے ان کے محفوظ کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے اور کچھ فی صد سرکار، یا کمپنی اپنے ملازم کے مستقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں اضافہ کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت وہ پوری رقم ملازم کو دے دی جاتی ہے، دوران ملازمت بھی بعض خاص قواعد کی پابندی کرتے ہوئے ملازم کو اپنے اس محفوظ فنڈ سے کچھ حصہ نکالنے کا اختیار ہوتا ہے، بعض اوقات ہر دو قسم کی مذکورہ رقوم پر سرکار، یا کمپنی انٹرسٹ کے نام سے بھی کچھ اضافہ جوڑ کر آخر میں وہ مجموعی رقم ملازمین کو ادا کرتی ہے، یہ رقم عام اصطلاح میں پراویڈنٹ فنڈ کہلاتی ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ کی مذکورہ بالا رقوم پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟ اگر ہوگی تو

Marfat.com

کب؟ اور اگر زکوۃ وصولیابی کے وقت واجب ہوگی تو سابق کی بھی واجب ہوگی، یا آئندہ سال گذرنے پر؟۔

دوسری شرط نما: نما کی حقیقت اور اس کی صورتیں۔

تیسری شرط: حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا۔

حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ

۱- کیا حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائے گا؟

چوتھی شرط: دین سے محفوظ ہونا۔

کون سا دین مانع زکوۃ ہے، دین کی قسمیں اور ان کے احکام

۱- دین طویل الاجل، آج کے دور میں زراعتی قرض Agricultural loan تعمیر مکان کے لئے قرض Building Construction Loan اور اس طرح کے مختلف قرض سرکار اپنے شہریوں کو دیتی ہے جن کیلئے ۵ سال سے لے کر ۳۰، ۴۰ سال کی طویل مدت مقرر کی جاتی ہے، اس مدت کے دوران قسط وار قرض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اس قرض کی مقدار بھی عموماً بہت بڑی ہوتی ہے، مثلاً زید نے اپنے کسی تجارتی کاروبار کے لئے پانچ کروڑ روپے قرض لئے جسے پچاس قسطوں میں ادا کرنا ہے، یعنی سالانہ دس لاکھ روپے ادا کرنا ہے، یا کسی شخص نے ٹریکٹر کی خریداری کے لئے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا جسے دس سال میں دس دس ہزار سالانہ کے لحاظ سے ادا کرنا ہے، ان صورتوں میں وجوب زکوۃ کے لئے اموال زکوۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، یا سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال پر زکوۃ واجب قرار دی جائے گی؟۔

اسلام میں کن اموال میں زکوۃ واجب ہے، چند اور سوالات:

Marfat.com

کمپنیز پر زکوۃ

کسی بھی کمپنی میں متعدد شرکاء ہوتے ہیں اور اپنے اپنے حصہ کے مطابق اثاثے اور آمدنی کے مالک ہوتے ہیں، بعض ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جس میں کمپنی کا مجموعی اثاثہ اور مالیت کروڑوں روپئے کو پہنچتا ہو جس میں نصاب وجوب زکوۃ موجود ہے، لیکن اس کے شرکاء اور حصہ داروں کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ کمپنی کی مجموعی مالیت کی تقسیم حصہ داروں پر کی جائے تو ان میں سے کوئی بھی صاحب نصاب نہیں ہوتا، یا کچھ صاحب نصاب نہیں ہوتے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وجوب زکوۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار ہوگا، یا ہر فرد کے انفرادی حصہ کا؟۔

ہیرے اور جواہرات

۱- ہیرے اور جواہرات کی تجارت کی جاتی ہے، جو لوگ ہیرے اور جواہرات کی تجارت کرتے ہیں بہ ظاہر مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر تو زکوۃ واجب ہوگی ہی، لیکن دوسرا سوال یہ ابھرتا ہے کہ جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپئے کے خرید کر محفوظ کردیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہیرے جواہرات حوائج اصلیہ میں نہیں ہیں اور بڑی مالیت رکھتے ہیں، شرعاً ان پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟۔

بعض اوقات خواتین محض تزئین وآرائش کے لئے ہیرے جواہرات استعمال کرتی ہیں ان کا مقصد تمول نہیں ہوتا ہے، وجوب زکوۃ کے بارے میں ان کا کیا حکم ہوگا؟۔

اموال تجارت پر زکوۃ

سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوۃ کے دن ان کی مالیت کا تعین کس

Marfat.com

نرخ سے کیا جائے، اپنی لاگت کے حساب سے کریں، یا اس دن کی قوت خرید کا اعتبار کیا جائے، پھر یہ کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، یا پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا؟۔

جو لوگ اراضی کی خرید وفروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں، سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں ہیں وہ اراضی بھی اموال زکوۃ میں شمار ہوں گی؟ اور ان پر زکوۃ کا وجوب قوت خرید کے اعتبار سے ہوگا، یا متوقع قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا؟۔

شیئرز اور بونڈس کی زکوۃ

مختلف تجارتی کمپنیاں اپنے شیئرز فروخت کرتی ہیں یہ شرکت کی ایک صورت ہے، کمپنی قائم کرتے وقت کچھ اکائیاں طے کر لی جاتی ہیں، ہر یونٹ (اکائی) ایک شیئر ہوتا ہے اور اس کی ایک خاص قیمت ہوتی ہے، کمپنی جو کچھ منافع کمائیگی شیئرز ہولڈرس اس میں اپنے حصے کے تناسب سے نفع کے حق دار ہوں گے، شیئرز دراصل کسی تجارتی کمپنی کے ایک خاص حصہ کی ملکیت ہے، واضح رہے کہ بعد کو ان شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور کمپنی کے نفع ونقصان اور اس کے ساکھ کے پیش نظر ان شیئرز کی قیمت گھٹتی اور بڑھتی ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ ان شیئرز پر ایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے وقت ان شیئرز کی مالیت کا تعین ان کی بنیادی قیمت کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا، یا بہ وقت ادائے زکوۃ مارکیٹ میں اس کا جو نرخ ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا؟۔

بونڈس سے مراد یہ ہے کہ اکثر حکومتیں، یا مختلف کمپنیز لوگوں سے قرضے مانگتی ہیں اور ان قرضوں کی واپسی کے لئے کچھ مدت (۵ سال، دس سال وغیرہ) مقرر کرتی ہیں اور کچھ شرح فیصد

Marfat.com

سود کا بھی اعلان کرتی ہیں اور بہ طور ثبوت قرض دہندہ کو سرٹیفکیٹ ایشو کرتی ہیں وہی بونڈ ہے، سوال یہاں پر صرف اتنا ہے کہ جو کچھ سود کے نام پر دیا جاتا ہے اس کی حرمت میں تو کوئی شبہ نہیں؟ قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈس پر لگایا ہے اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، یا نہیں؟ اور اگر ادا کرنی ہوگی تو سال بہ سال، یا بونڈ کے کیش کرانے کے وقت، سبھی گذرے ہوئے برسوں کی، یا صرف آئندہ کی؟۔

محور ثانی - نصاب زکوۃ

چاندی اور سونے کے نصاب میں سے کون سا نصاب اصل تسلیم کیا جائے؟ آج کے دور میں جب کہ سونے اور چاندی کے نرخ میں زمین وآسمان کا فرق ہے، نصاب حرمت زکوۃ (غنا یعنی کسی شخص کو غنی قرار دے کر اس کے لئے زکوۃ لینا ممنوع قرار دیا جائے) اور اسی طرح نصاب موجب زکوۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے گی، یا سونے کے نصاب سے؟۔

محور ثالث - مصارف زکوۃ

۱- کیا یہ صورت درست ہوگی کہ ایک طالب علم جو مستحق زکوۃ ہے، ادارہ اس کے طعام، قیام، تعلیم اور دوسری سہولتوں کا انتظام کرتا ہے، اس کے طعام پر ماہانہ خرچ سو روپے آتا ہے، اس کی رہائش کے لئے جو مکان فراہم کیا گیا ہے (مکان کی تعمیر عام چندے سے کی گئی ہے) بازار نرخ کے حساب سے اس کا کرایہ ۲۵/روپے ماہانہ ہے، اساتذہ کے شہریہ (ماہانہ تنخواہ) وغیرہ پر جو خرچ آتا ہے اس کو اگر طلبہ کی خدمت، یا متعلق انتظامی امور پر مامور ہے ان کا مجموعی شہریہ تقسیم کئے جانے پر فی طالب علم ۵۲/روپے ماہوار پڑتا ہے، اس طرح ایک طالب علم پر کل اخراجات ماہانہ مثلاً ڈھائی

Marfat.com

سو(۲۵۰) روپے آتے ہیں، مدرسہ یہ نظام بناتا ہے کہ ہر طالب علم سے ڈھائی سو روپے ماہانہ لئے جائیں، مستطیع طلبہ اپنے پاس سے یہ اخراجات ادا کریں اور غیر مستطیع طلبہ کی طرف سے یہ مقررہ فیس مدرسہ مدزکوۃ سے ادا کرے، یا مدرسہ اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دیدے اور وہ چیک وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردے، کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

ذیل میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندگان کا وکیل ہے، یا مستحقین زکوۃ کا؟۔

۲- سوال یہ ہے کہ مدارس کے لئے زکوۃ کی وصولی پر جولوگ مقرر کئے جاتے ہیں وہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ عملہ جو حساب کتاب کے لئے مقرر ہوتا ہے اسے بھی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے، یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ ماہانہ تنخواہ پر مقرر کئے ہوئے سفراء ومحصلین کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے اور ان پر جو خرچ ہوتا ہے اس سے مدرسہ کو نقصان پہنچتا ہے، آمد کا تناسب کم اور خرچ کا تناسب زائد آتا ہے، بعض مدارس میں متعین شرح فی صد کمیشن دیا جاتا ہے، اس صورت میں خرچ کے تناسب کے مقابلہ میں آمد کا تناسب بہتر رہتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا اور اسے **"العاملین علیہا"** کے تحت داخل مانا جائے گا؟ اگر کمیشن کی صورت کو جائز قرار دیا جائے تو کیا شرح فی صد کے تعین کی کوئی خاص حد شرعاً ضروری ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حساب آمد وخرچ کے اندراج پر جو عملہ مقرر ہے، کیا اس کی ماہانہ تنخواہ مدزکوۃ سے ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ وہ لوگ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں؟۔

Marfat.com

ضمیمہ سوالات بابت زکوۃ

سوال (۱) کیا زکوۃ شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت پر ادا کی جائے، یا اس سے ہوئی آمدنی پر؟۔ اگر زکوۃ آمدنی پر واجب الاداء ہے تو یہ غیر صافی آمدنی پر واجب الاداء ہے، یا صافی آمدنی پر، یعنی وہ خالص آمدنی جس میں سے اخراجات منہا کردئے جائیں؟ (میں نے یہ پڑھا ہے کہ اگر شیئرز کو جنس تجارت (خرید وفروخت اور اس کی تجارت) کی طرح استعمال کیا جائے تو زکوۃ ان شیئرز کی بازاری قیمت اور ان کی آمدنی پر واجب الاداء ہوتی ہے، میں اس نکتہ کی وضاحت چاہتا ہوں، مزید یہ کہ ایسی صورت میں کہ شیئرز کو مسلسل خریدا اور بیچا جاتا رہے، نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی، اس لئے زکوۃ کس اساس پر ادا کی جائے؟)

شیئرز کو اگر زیادہ مدت تک پاس رکھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ زکوۃ صرف آمدنی پر واجب الاداء ہے، اگر کسی وجہ سے مالک ان شیئرز کو بیچنے پر مجبور ہو تو اس صورت میں کیا ہوگا؟ کیا اس کو ان کی بازاری قیمت پر ادا کرنا ہوگا، یا ان کے نفع پر، یا ان سے حاصل ہوئی آمدنی پر؟۔

سوال (۲) ایک کاروباری ادارہ میں کیا زکوۃ کاروبار سے ہوئے نفع پر واجب الاداء ہے یا کسی مقررہ خاص طور پر موجودہ اسٹاک پر؟۔

میں نے افزائش جانوروں کے کیس میں پڑھا ہے کہ اگر جانور کی خرید وفروخت ہوتی ہو تو زکوۃ مقررہ خاص تاریخ پر فارم میں موجود جانوروں کی بازاری قیمت (Market rate) پر واجب الاداء ہوگی، البتہ ایسی صورت میں کہ یہ جانوروں (واشیاء) کے فروخت کا ذریعہ ہوں، جیسے دودھ، انڈا، تب زکوۃ دودھ/انڈوں پر عائد ہوگی اور جانوروں پر نہیں۔

۹۵۷۰۸

Marfat.com

سوال (۳) سرمایہ اندوزی، تمسکات کی صورت میں زکوۃ خالص یا صافی آمدنی، یعنی اخراجات کے بعد پہنچنے والی آمدنی پر واجب الاداء ہے، چونکہ شخصی اخراجات، ہر فرد کے جدا اور ہر سماجی طبقہ کے الگ ہوتے ہیں، اس لئے شخصی اخراجات کی تحدید کے لئے کیا کوئی معیار مقرر کیا جا سکتا ہے۔

انٹرسٹ اور یوزری اکثر ہم معنی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں

رنڈم ہاؤس ڈکشنری میں انٹرسٹ کی تعریف یہ کی گئی ہے: ''کسی جائداد کی ملکیت، یا تجارت، یا کاروبار کی ملکیت میں قانونی حصہ، حق یا سند ملکیت، رقم جو ادا کی جائے، یا عائد کی جائے، پیسے کے استعمال پر، یا کسی پراجکٹ، یا کاروبار شروع کرنے، یا جاری رکھنے کے لئے لئے گئے قرض پر''۔

''یوزری'' کی ڈکشنری میں اس طرح تعریف کی گئی ہے: ''ایک حد سے زیادہ بڑھے ہوئے شرح انٹرسٹ پر پیسے قرض دینا، یا قرض دینے کی عادت''۔

اسلام یوزری پر پابندی لگاتا ہے، کیونکہ مجبور افراد کے استحصال کا کھلا ہوا عمل ہے، آج کے معاشی نظام ''انٹرسٹ'' تمام کاروباری دین کے اندر موجود ہے، ایک شخص صرف اپنی بقاء کی ضرورت کے لئے قرض نہیں لیتا، بلکہ اس رقم کو بڑھانے کے لئے، دولت پیدا کرنے کے لئے اور قرض دار کے لئے اور معاشرے کے لئے عام طور پر مواقع پیدا کرنے کے لئے قرض لیتا ہے، قرض دار، قرض دینے والے فرد، یا ادارے کو ایک مقررہ منافع کی طمانیت دیتا ہے، جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اور جہاں ہم کو گزر بسر کرنا ہے ایک شخص مقررہ شرح انٹرسٹ سے کچھ لئے یا دئے بغیر رہ سکتا ہے۔

ہندوستان اسلامی ریاست نہیں ہے، ہر موڑ پر انٹرسٹ دینا پڑتا ہے، یا لینا پڑتا ہے،

Marfat.com

چند مثالیں درج ہیں:

۱- زمینداری کے خاتمہ کے بعد، ان املاک کے مالکوں کو معاوضہ دو فیصد انٹرسٹ کے زمینداری بانڈ زدئے گئے۔

۲- اگر کوئی شخص اپنے اثاثہ کو فروخت کرتا ہے تو اس کو کچل دینے والا کیپٹل کینس Capitally to pay ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، اس ٹیکس سے بچنے کیلئے وہ شخص مجبور ہے کہ اس رقم کو بعض مقررہ سیکورٹیز، تمسکات میں جیسے کیپٹل کینس یونٹ میں لگائے جن پر کم شرح سے، مگر مقررہ شرح سے انٹرسٹ دیا جاتا ہے۔

۳- شخصی آمدنی پر ٹیکس کی شرح ساری دنیا کے مقابلہ میں ہندوستان میں سب سے زیادہ اونچی ہے، کئی صورتوں میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کی پچاس فی صد سے زیادہ آمدنی ٹیکس والوں نے ہضم کرلی، اس ظالمانہ محصول کی زد سے بچنے کا قانونی طریقہ یہ ہے کہ حکومت کے بعض اسٹاکس، یا بانڈز میں رقم لگائی جائے جن پر کم، مگر مقررہ شرح سے انٹرسٹ ملتا ہے۔

۴- پراویڈنٹ فنڈ ہماری آمدنی سے کی جانے والی لازمی منہائیوں پر مشتمل ہوتا ہے جس پر کمپنی کم، مگر مقررہ شرح سے انٹرسٹ ادا کرتی ہے، تنخواہ یاب لوگوں کے لئے پراویڈنٹ فنڈ ہی بڑھاپے میں بچت کا واحد راستہ ہوتا ہے۔

اگر کسی کے پاس پیسہ ہے تو اس کے تغیر پذیر آمدنی پیدا کرنے والے سرمایہ کاری کے مواقع ہیں، جائداد، یا شیئرز میں رقم لگانا سرمایہ کاری کے دو اہم ذرائع میں جن میں تغیر پذیر نفع حاصل ہوتا ہے۔

مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں آج شیئرز مارکیٹ جوئے کا اڈا بن گئی ہے جہاں مارکیٹ پر کنٹرول کرنے والوں کی من مانی سے، یا سیاسی تبدیلیوں سے

Marfat.com

افواہوں سے قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں، شیئرز کی قیمتوں کا کوئی تعلق متعلقہ کمپنی کی مالی حالت سے نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک شخص جائداد خریدنے میں ایک مقررہ حد سے زیادہ کی جائداد نہیں لے سکتا، ورنہ اس حد سے زیادہ کی جائداد سیلنگ (Ceiling) کے تحت حکومت لے لیتی ہے، ان حالات میں کیا حکومت کی سیکورٹیز، یا بانڈز میں اور کمپنیوں کی فکسڈ ڈپازٹس میں سرمایہ کاری جائز قرار دی جاسکتی ہے؟۔

Marfat.com

تجاویز

''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' کے پانچویں سمینار منعقدہ ۳۰/۳۱/اکتوبر، ا/ ۲/نومبر ۱۹۹۲ بمقام ''جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ'' میں زکوۃ سے متعلق چند اہم مسائل پر غور کیا گیا اور فیصلے کئے گئے جو ذیل میں درج ہیں:

تجویز بابت حاجت اصلیہ

وجوب زکوۃ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، حوائج اصلیہ میں جو امور قابل اعتبار ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اپنے اور اپنے اہل وعیال، نیز زیر کفالت رشتہ داروں سے متعلق روزمرہ کے اخراجات۔

۲- رہائشی مکان، کپڑے، سواری، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر وسائل رزق جن کے ذریعہ کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے۔

۳- حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیار زندگی کی روشنی میں ہوگا۔

۴- حوائج اصلیہ کی مد میں ضروریات زندگی اور روزمرہ کے پیش آنے والے اخراجات داخل ہیں اور اعتبار سال بھر کے اخراجات کا ہوگا اور آئندہ سال کی ضرورت کے لئے جو سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا، زکوۃ نکالتے وقت حوائج اصلیہ میں شمار ہو کر اموال زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

دین کی زکوۃ

مقالہ نگاروں کی آراء اور مباحثوں کو سامنے رکھ کر یہ سمینار اس نتیجہ پر پہنچا:

۱- دین کی دو قسمیں ہیں، وہ دین جس کے وصول ہونے کی کوئی امید نہ ہو، جیسے ڈوبی ہوئی رقم اور وہ دین جس کے وصول ہونے کی پوری امید ہو، جس دین کے وصول ہونے کی کسی وجہ سے امید ختم ہوگئی ہو، اگر وہ دین کبھی وصول ہو جائے تو وصولی کے دن سے ایک سال گزرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

۲- مقروض اگر قرض دہندہ کے مطالبہ واصرار کے باوجود اس حد تک ٹال مٹول سے کام لے کہ دائن اس کی وصولیابی سے مایوس ہو جائے تو اس مال کی زکوۃ قرض دہندہ پر واجب نہ ہوگی، اگر ایسا قرضہ کبھی وصول ہو جائے تو اس پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔

۳- جس دین کا وصول ہونا متوقع ہو، اس کی تین صورتیں ہیں:

الف- وہ دین قرض کی صورت میں ہو یا سامان تجارت کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو، ایسے دیون میں وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

ب- وہ دین جو ایسے مال کے عوض ہو جو تجارت کے لئے نہیں تھا اور نہ قرض کے طور پر دیا گیا تھا جیسے مال وراثت یا مال وصیت۔

ج- ایسا دین جو کسی مال کا عوض نہ ہو، جیسے مہر، ان دونوں صورتوں میں دین وصول ہونے کے بعد سال گزر جانے پر زکوۃ واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

۴- سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے لئے جانے والے طویل المیعاد قرضوں کی صورت میں ہر سال جو قرض کی قسط ادا کرنی ہے اموال زکوۃ میں سے منہا کی جائے گی اور باقی اموال زکوۃ پر زکاۃ واجب ہوگی، پورا قرض منہا نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دکان و مکان میں ڈپوزٹ کی رقم پر زکوۃ کا مسئلہ

۱-الف: مال تجارت جس کی مشتری نے پیشگی قیمت ادا کردی ہے، لیکن مبیع پر اس کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو اس ادا کردہ قیمت کی زکوۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی، بلکہ بائع پر واجب ہوگی۔

ب: مبیع کی زکوۃ بیع سلم اور بیع استصناع کی صورت میں مشتری کو مبیع سونپے جانے سے قبل بائع پر واجب ہوگی اور بیع سلم اور بیع استصناع کے علاوہ بیع کی وہ شکل جس میں مبیع کی تعیین ہوچکی ہے، لیکن مشتری کا اس پر قبضہ نہیں ہوا ہے تو اس کی زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی۔

۲-شرکاء سمینار کی عام رائے یہ ہے کہ کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان و دکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم (Security Deposit) پر زکوۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔

شرکاء سمینار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوۃ کسی پر نہیں ہوگی۔

ہیرے جواہرات اور اس کی خاص صورت میں زکوۃ کا مسئلہ جب ہیرے جواہرات بہ طور ذخیرہ اندوزی حاصل کئے گئے ہوں۔

الف- جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوۃ مالک پر واجب ہوگی۔

ب- جو ہیرے جواہرات، زیورات وغیرہ کے لئے خریدے گئے ہوں ان کی زکوۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔

ج-ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ لوگ بڑی بڑی رقوم ہیرے جواہرات کی خرید پر صرف کردیتے ہیں اور اپنی نقد رقوم کو ہیرے جواہرات میں بدل کر مختلف مصالح کے تحت محفوظ کرلیتے ہیں۔

Marfat.com

’’مجمع الفقہ الاسلامی‘‘ کے سمینار میں مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس صورت میں لاکھوں لاکھ کی نقد رقم ہیرے جواہرات کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہو جاتی ہے، جو کسی بھی وقت نقد کی صورت میں منتقل ہو سکتی ہے، بحث کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ اس مسئلہ میں ایک جہت تو یہ ہے کہ ہیرے جواہرات سونا چاندی نہیں ہیں جو خلقۃ نامی تسلیم کئے گئے ہیں اور اس شخص کا کام ہیرے جواہرات کی تجارت بھی نہیں ہے اور نہ فوری طور پر خریدتے وقت باضابطہ تجارت کی نیت کی گئی ہے تاکہ بہ سبب مال تجارت ہونے کے اسے نامی قرار دیا جائے، اس لئے اس جہت کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر زکوۃ واجب نہ ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں، اور اصحاب سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت میں گویا ’’زر نقد‘‘ ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے اور اس کے نتیجہ میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقوم میں زکوۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی۔

سمینار میں شریک علماء واصحاب افتاء میں سے ایک خاصی تعداد نے پہلی جہت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ اس خاص صورت میں محفوظ ہیرے جواہرات کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسری بڑی تعداد ان علماء واصحاب افتاء کی تھی جنہوں نے دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کیا اور اس پر زکوۃ واجب قرار دیا، ہر دو جہت کے مطابق رائے رکھنے والے ممتاز علماء کے اسماء گرامی ذیل میں علیحدہ علیحدہ درج کئے جاتے ہیں:

Marfat.com

وجوب زکوۃ کے قائلین حضرات کے اسماء گرامی

۱۔مولانا مجاہد الاسلام قاسمی	۲۔ مولانا طیب الرحمٰن صاحب امیر شریعت آسام
۳۔مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بمبئی	۴۔ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
۵۔مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ	۶۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب بمبئی
۷۔مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی پٹنہ	۸۔ مولانا عبدالرحیم صاحب بھوپال
۹۔مفتی عبدالرحمٰن صاحب دہلی	۱۰۔ مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی سیتامڑھی
۱۱۔مولانا رفیق السنان صاحب احیاء العلوم مبارکپور	۱۲۔ مفتی نذیر احمد صاحب بارہ بنکی
۱۳۔مولانا شعیب صاحب سرائے میر	۱۴۔ مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی وغیرہم

عدم وجوب زکوۃ کے قائلین کے اسماء گرامی

۱۔مولانا مفتی برہان الدین سنبھلی صاحب لکھنؤ	۲۔ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبند
۳۔مولانا نعمت اللہ صاحب قاسمی دیوبند	۴۔ مولانا عبیداللہ صاحب اسعدی باندہ
۵۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حیدرآباد	۶۔ مفتی نسیم احمد قاسمیؒ پٹنہ
۷۔مولانا صدرالحسن ندوی اورنگ آباد	۸۔ مولانا محی الدین صاحب گجرات وغیرہم

تجویز متعلقہ پراویڈنٹ فنڈ

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جب یہ رقم وصول ہوجائے اور بہ قدر نصاب ہو، اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کرا کر پی ایف (P. F.) جمع کرتے ہیں یہ رقم اگر قدر نصاب کو

Marfat.com

پہنچ جائے تو سال بہ سال زکوۃ ادا کرنی پڑے گی، اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے اور مال ودیعت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

تجویز بابت وظیفہ طلبہ

مدرسہ میں طلبہ کے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الاداء ماہانہ اخراجات کی بقدر مدزکوۃ سے ادا کئے جائیں، یہ ادائیگی بہ صورت نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکوۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کرسکتا ہے بہ شرطیکہ بہ وقت داخلہ فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہوتو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرادی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مدزکوۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا۔

مال حرام کی زکوۃ

۱-مال حرام کسی کی ملکیت میں آجائے اور وہ بعینہ موجود ہو، نیز مال کا اصل مالک معلوم ہوتو اس شخص کو وہ پورا مال لوٹا دینا واجب ہے۔

۲-اگر مال حرام متعین طور پر معلوم نہ ہوسکے یا اس کی مقدار معلوم نہ ہوسکے تو غالب گمان کے مطابق مال حرام کی مقدار متعین کے جائے گی، اگر مالک معلوم ہوتو اتنی مقدار میں رقم اس کے مالک کو واپس کردی جائے اور اگر مالک معلوم نہ ہوتو اسی مقدار میں بلانیت ثواب صدقہ کردی جائے۔

۳-اگر مال حرام کی واپسی اس پر واجب ہوئی اور اس نے واپس نہیں کیا اور مال حرام اس کے قبضہ میں باقی رہ گیا اور مال کا کوئی انسان مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، ایسی صورت میں اس مال کی زکوۃ ادا کرنی واجب ہوگی اور زکوۃ ادا کرنے کے باوجود حق دار کو لوٹانے یا حق دار کے معلوم

Marfat.com

نہ ہونے کی صورت میں بلانیت ثواب صدقہ کرنے کا حکم باقی رہے گا۔

مال حرام میں اصل یہی ہے کہ اگر ایسے مال کا طلب کرنے والا مالک موجود ہو تو اس کو واپس کردیا جائے ورنہ صدقہ کردیا جائے، اور اگر حرام وحلال مال مخلوط ہو تو تحری ور جحان قلب کے مطابق مال حلال کی مقدار متعین کر کے اس کی زکوۃ دی جائے، مال حرام میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

مگر استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکوۃ ادا کردی جائے تو یقینی اور اطمینان بخش طریقہ پر زکوۃ ادا کرنے والا فریضہ زکوۃ سے بری الذمہ ہوجائے اور ظالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو، نیز ایسا نہ ہو کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے اس طرح کہ ایک طرف مال حرام سے انتفاع کرے اور زکوۃ سے بھی بچ جائے۔

تجویز بابت اموال مدرسہ وغیرہا

زکوۃ کی جورقوم مدارس یا بیت المال میں اکٹھا ہوتی ہیں، ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جورقم اور قسم عطایا وصدقات نافلہ اداروں کو مطلق وجوہ خیر میں صرف کرنے کے لئے یا متعین مدات پر صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہیں۔ وہ دینے والوں کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوجاتی ہیں، اس لئے بیت المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

تجویز بابت کمیشن پر زکوۃ

''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' کے پانچویں سمینار منعقدہ ''جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ'' میں کمیشن پر زکوۃ کی وصولی کا موضوع زیر بحث آیا۔

مقالات اور شرکاء کے مباحثات کی روشنی میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کمیشن پر زکوۃ کی

Marfat.com

وصولیابی کا مروجہ طریقہ جائز نہیں ہے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے

۱-شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مصارف زکوۃ (توبہ ۶۰) نے جن آٹھ مصارف میں زکوۃ کو محدود کر دیا ہے ان میں وہ قطعی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اور آیت مصارف زکوۃ (سورہ توبہ ۶۰) میں مذکورہ آٹھ مصارف زکوۃ کا حصر حقیقی ہے اضافی نہیں ہے۔

۲-اس آیت میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق عام شرکاء سمینار کے نزدیک غزوہ اور جہاد عسکری ہے۔

بعض شرکاء سمینار کا نقطہ نظر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعۃً دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جارہی ہوں، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

۱-جناب شمس پیرزادہ صاحب

۲-مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب

۳-ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب

شیخ محمد محروس المدرس عراق کی رائے یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں عموم ہے۔

۳-عام شرکاء سمینار کا خیال یہ ہے کہ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوۃ کے مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ وسیع کر کے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کر لیا جائے کیونکہ قرون اولی میں اس تعمیم وتوسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نیز ایسا کرنے سے مسلمانوں کے محتاج، نادار اور افلاس زدہ طبقہ کی مال زکوۃ کے ذریعہ کفالت جو زکوۃ کا اہم ترین

Marfat.com

مقصد ہے فوت ہو جائے گا، اس نقطہ نظر سے ان حضرات کا اختلاف ہے جنہیں دفعہ ۲ر سے اختلاف ہے۔

تجویز متعلقہ حیثیت سفراء، محصلین و مہتمم مدرسہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل مدارس زکوۃ وصدقات کی جو رقمیں وصول کرتے ہیں وہ فوری طور پر خرچ نہیں ہوتیں اور بسا اوقات خاصے عرصہ تک باقی رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ادائیگی وعدم ادائیگی زکوۃ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، لہذا فقہ اکیڈمی میں اس سے متعلق سوالنامہ کے جوابات کی روشنی میں ذیل کی تجویز منظور کی جاتی ہے۔

زکوۃ کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر و عامل) طلبہ کا وکیل ہے، مہتمم یا اس کے نائب (سفیر و عامل) کو دیدینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکوۃ کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے۔

تجویز شکریہ

الحمدللہ آج اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ پانچواں فقہی سمینار جامعۃ الرشاد کے روح پرور علمی ماحول میں اختتام پذیر ہوا، مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ نے جامعہ میں اس سمینار کا انعقاد کر کے جس سکون واطمینان کے ساتھ بحث وتحقیق کا موقع فراہم کیا اور جامعہ کے اساتذہ وطلبہ ضلع ''اعظم گڈھ ومئو'' کے اصحاب نے جو پذیرائی کی اور جملہ شرکاء کی جس طرح راحت رسانی اور آرام پہنچانے کی کوششیں کیں، اس کے لئے شرکاء سمینار ان سب کا تہ دل سے شکر گذار ہیں، اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ''جامعۃ الرشاد'' کو قائم ودائم رکھے۔ آمین۔

Marfat.com

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

Marfat.com

Marfat.com

سوالنامہ کا جواب

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ ☆

زکوۃ مال نامی میں واجب ہوتی ہے، خواہ نامی بالذات ہو، یا نامی بالفرض، اپنے قیود و شروط سے اس میں وجوب زکوۃ کا حکم ہے۔

پہلی شرط مملوک بہ ملک تام ہونا ہے، اور ملک تام سے وہ ملک مراد ہے جو مملوک پر "یداً ورقبةً" دونوں طرح سے حاصل ہو، اور ملک رقبۃ سے مراد خرید وفروخت کا مالک ہونا ہے اور ملک یداً سے مراد اپنے قبضہ وتصرف میں ہونا ہے۔

جواب

۱- ان مذکورہ دونوں صورتوں میں ادائیگی زکوۃ واجب نہیں، اس لئے کہ ان صورتوں میں شئ مشتراۃ پر ابھی ملک نہ تو رقبۃ حاصل ہے اور نہ یداً حاصل ہے، بہت سے بہت وعدہ تملیک ہے اور محض اس میں وجوب زکوۃ متحقق نہیں ہوتا۔

۲- صرف کرایہ دار پر واجب ہوئی۔

۳- ان اداروں و مدارس سے مراد اگر دینی تعلیم کے ادارے و مدارس ہیں تو ان میں دینی تعلیم کے لئے آئی ہوئی رقوم پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، اس مسئلہ کی تفصیل و مدلل بحث "منتخبات

☆ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند۔

Marfat.com

نظام الفتاوی'' میں بہ زیر عنوان (مدارس میں آئی ہوئی رقوم کا شرعی حکم) آچکی ہے، وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

۴- جب کوئی حرام مال اپنی ملک میں آجائے تو چونکہ یہ مال مملوکہ بہ ملک خبیث ہوگا اس لئے اس کا پہلا حکم یہ ہے کہ اس کو حسب ضابطہ شرع مالک تک پہنچادے، یعنی ردالی رب المال کردیا جائے، جیسا کہ مذہبی کتب کی ان عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً:

"إذا علم المالك بعينه فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه (أي على رب المال)''، نیز دیکھئے: (بذل المجہود ار ۷ ۳، درمختار ۱۱۶/۵، ردالمحتار کتاب الغصب ۱۱۶/۵)۔

پھر جو بچ جائے اس کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے مسلم غرباء ومساکین کو تملیکا دے کر جلد سے جلد اپنی ملک سے نکال دیا جائے، ہاں اس کو اگر ردالی رب المال کرنے میں کوئی شرعی، یا قانونی رکاوٹ حائل ہو، مثلاً آج کل ہندوستان کے حکومتی، یا نیشنل بینکوں سے سود میں ملنے والی رقوم کو اگر بینکوں ہی میں چھوڑ دیں تا کہ ردالی رب المال ہو جائے تو اگر اصحاب بینک اس کو اپنے دھرم کھاتے میں ڈال دیں تو وہ عموماً ایسے کاموں میں استعمال ہوں گی جس سے اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کا غالب اندیشہ ہے، اس لئے حکم شرعی یہ دیا جاتا ہے کہ وہاں نہ چھوڑ دے، بلکہ وہاں سے نکال کر خود کسی مناسب سبیل سے ردالی رب المال کردے، كما أشرت إليه بقولي۔ یا کوئی اور واقعاتی پریشانی حائل ہو، مثلاً کوئی جانی یا مالی پریشانی یا عزت نفس کی پامالی کا قوی اندیشہ وغیرہ ہو تو اس طرح ردالی رب المال کردے کہ مالک کو معلوم بھی نہ ہو اور وہ مال اس کی ملک میں پہنچ جائے، اس کے نظائر کتب فقہ میں بکثرت ملتے ہیں، نیز اس کی تفصیل اور اس کا حکم شرعی ہندوستان کے ان بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کا ردالی رب المال کے سلسلہ میں ''منتخبات نظام الفتاوی'' کے اندر بہ ضمن ''احکام حوادث الفتاوی'' ملتا ہے کہ ان بینکوں سے ملنے والی سودی رقم کو بینک میں نہ چھوڑے، بلکہ وہاں سے نکال کر خود پہلے حکومت

Marfat.com

کے غیر شرعی مطالبات میں جو واجب الاداء ہے، دے دے، مثلاً روڈ ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، کورٹ فیس وغیرہ، پانی، یا بجلی کے مطالبہ میں نہ دے، کیونکہ وہ عقود مبادلہ کا ایک بدل ہے، جو شرعاً بھی درست ہے۔

ایک شبہ

بعض حضرات شبہ یہ کرتے ہیں کہ بینک سے ملنے والی سودی رقوم کا مالک حکومت کب ہوتی ہے کہ اس کو رد کیا جائے، بلکہ ان رقوم کا مالک تو بینک میں رقم جمع کرنے والے ہوتے ہیں، پس اگر رد کرنا ہی ہے تو ان کی طرف رد کیا جائے۔

شبہ کا ازالہ

جواب یہ ہے کہ بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے وہ یا تو کسی قانونی مجبوری سے، یا محض بغرض حفاظت داخل کی جاتی ہے، کسی عوض لینے کی نیت سے جمع کرنا درست ہی نہیں ہے، اسی لئے فکس ڈپازٹ میں جمع کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔

جو رقم محض حفاظت کے لئے جمع کی جائے گی وہ بینک میں بصیغہ امانت ہوگی اور اس پر بینک کا کوئی تصرف کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا اور جب ان داخل شدہ رقوم کو بینک خلط ملط کر دے، یا اس کو اپنے کام میں صرف کر دے تو وہ امانت شرعاً قرض بن جاتی ہے اور امانت کا معاملہ مبدل بہ معاملہ قرض ہو کر مستقرض مالک ہو جاتا ہے، حتی کہ اس پر ضمان واجب الاداء ہو جاتا ہے، پس شرعی ضابطہ کے مطابق بینک مقروض ہو کر اپنے ان تصرفات کی وجہ سے ان رقوم کا خود مالک ہو گیا اور بینک حکومتی، یا نیشنل ہونے کی وجہ سے حقیقۃً حکومت ان رقوم کی مالک ہوگئی اور یہ عملہ بینک حکومت کے محض نمائندہ اور وکیل ہوں گے، لہذا ان رقوم کا رد کرنا حکومت کی جانب لازم ہوگا، نہ کہ جمع کرنے والوں کی طرف، (كما لايخفى على من له خبرة بالفقه والأصول)۔

Marfat.com

رہ گئی یہ بات کہ اگر حرام مال حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو جائے کہ اس میں تمیز وامتیاز مشکل ومتعذر ہو جائے تو اس میں وجوب زکوۃ کا کیا حکم ہوگا؟۔

اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ کاغذات واندراجات کے حساب وکتاب کے ذریعہ، یا پھر اپنی یادداشت سے خوب غور وخوض سے جتنی مقدار حلال مال کی متعین ہو اس کی تو زکوۃ حسب ضابطہ شرع ادا کردے اور اس سے زائد کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بجائے زکوۃ ادا کرنے کے کل مال حرام بقسط واحد اگر قدرت میں ہو، ورنہ باقساط متعددہ حسب استطاعت جہاں تک جلد ہو سکے بطور صدقہ فقراء ومساکین کو دے کر اپنی ملک سے نکال دے۔

سوال (۵) کا شرعی حکم

دین کی زکوۃ ادا کرنا دائن پر واجب ہے جس کی ملک وہ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ دین کی تین قسمیں ہیں: دین قوی، دین متوسط اور دین ضعیف اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں، مگر تسہیلاً للعمل اور انفع للفقراء ہونے کے پیش نظر راجح قول میں جتنی مقدار جس وقت وصول ہوتی جائے اسی وقت اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرنا چاہئے اور اگرچہ دین قوی وغیر قوی کے اعتبار سے نفس وجوب میں کچھ تفصیل واختلاف ہے، مگر اس طریقہ عمل سے عمل کرنے میں کسی کے نزدیک وجہ اختلاف نہ رہے گی۔

سوال (۶) کا شرعی حکم

یہ ہے کہ ملازم کی تنخواہ سے جو جزو تنخواہ ملازم کے قبضہ میں جانے سے قبل محکمہ وضع کرتا ہے اور بعد ختم ملازمت وضع کی ہوئی رقم میں اضافہ کر کے دیتا ہے، خواہ سود کے نام سے دے، مگر وہ زیادتی شرعاً سود نہیں ہوتی، خواہ دوران ملازمت میں ملازم اپنے ہی جمع کردہ روپیہ سے کچھ روپیہ لے اور محکمہ اس کو قرض کے نام سے دے اور اس پر کچھ زائد رقم سود کے نام سے وصول

Marfat.com

کر کے اس ملازم کے فنڈ میں جمع کرے اس پر بھی شرعاً سود کی تعریف صادق نہ آنے سے سود کا حکم نہ ہوگا، بلکہ اس کو محکمہ کا انعام قرار دیا جاتا ہے، (کما حققه العلامة التهانوی فی فتاواه)، کیونکہ اپنے مملوکہ مال میں جب عقد معاوضہ کا معاملہ کرے تو فضل ربوا اور سود ہوتا ہے اور یہاں جو جزو تنخواہ کاٹی گئی ہے ابھی اس میں اجیر (ملازم) کا صرف استحقاق ملک ثابت ہوتا ہے اور استحقاق ملک دوسری چیز ہے اور تحقق ملک دوسری چیز ہے، تحقق ملک تو قبضہ کرنے کے بعد صادق آئے گی اور تحقق ملک سے قبل مملوکہ ہونا صحیح نہیں، لہٰذا اس تحقق ملک سے قبل جتنا بھی دیں گے وہ بجائے سود ہونے کے شرعاً صرف انعام قرار پائے گا اور ملازم کا اس پر اپنے مملوک کی طرح تصرف کرنا درست رہے گا۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زکوۃ تو اپنے مملوک مال میں واجب ہوتی ہے لہٰذا قبضہ میں آنے سے قبل اس صاحب فنڈ پر زکوۃ کی ادائیگی کا وجوب بھی نہ ہوگا، کیونکہ شرعاً یہ اصول مسلم ہے کہ سبب وجوب کے تحقق سے پہلے نفس وجوب بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ زکوۃ کے وجوب کا سبب مقدار نصاب کا مالک ہونا ہے اور جب تک مقدار نصاب کا مالک نہیں ہوتا اس وقت تک نفس وجوب زکوۃ کا حکم بھی نہیں ہوتا۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وصول ہونے کے بعد سابق زمانہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب نہ ہوگی، جیسا کہ مالک نصاب ہونا جو نفس وجوب زکوۃ کا سبب ہے، اس نفس وجوب سے قبل کوئی ادا کرے تو زکوۃ کی ادائیگی صحیح شمار نہ ہوگی، جس طرح کسی معین وقت کی فرض نماز کے نفس وجوب کا سبب اس فرض کے وقت کا تحقق ہوتا ہے اور اس سبب (وقت نماز) کے تحقق سے قبل فرض ادا کردے تو فرض ادا نہ ہوگا، ہاں نفس وجوب کے متحقق ہوجانے کے بعد جب بھی ادا کرے تو ادائیگی صحیح ہوگی، اسی طرح یہاں بھی ایسا ہی ہوگا کہ نفس وجوب زکوۃ جب تک اس رقم کے پانے والے پر، یعنی مقدار نصاب ملک ثابت ہونے پر ادائیگی زکوۃ بھی درست ہوگی ورنہ صحیح

Marfat.com

نہ ہوگی، پھر نفس وجوب کے تحقق کے بعد اگر چاہے تو پیشگی ادائیگی بھی صحیح ہو سکے گی۔

رہ گئی یہ بات کہ زکوۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے کہ نصاب زکوۃ کی مقدار ایسے مال نامی کا مالک ہو جو اس کی حاجت اصلیہ سے اور بار دین سے فارغ ہو، لہذا ان تینوں (مال نامی کی اور حاجت اصلیہ کی اور دین سے فارغ ہونے کی) مختصر تشریح کر دی جاتی ہے۔

مال نامی: مال نامی چند قسم پر ہوتے ہیں

الف- خلقۃً مال نامی ہونا جس کو اللہ نے پیدا ہی فرمایا نمو کے لئے، جیسے سونا چاندی اور اس سے بنی ہوئی ہر وہ چیز، خواہ زیور ہو، یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہو اور چاندی، یا سونا کا سکہ جیسے دینار، درہم اشرفی، یا چاندی کا روپیہ اور اصطلاح میں اس کو سکہ نافقہ خلقیہ کہتے ہیں۔

ب- وہ چیزیں جن کو اللہ نے نمو کے لئے نہیں پیدا فرمایا ہے، بلکہ لوگوں نے اس کو مال نامی کے قائم مقام قرار دے دیا ہے اور سونے چاندی کے علاوہ جاری سکہ قرار دے دیا ہے، جیسے غیر چاندی کا پیسہ روپیہ اور کاغذی نوٹ، پونڈ، ڈالر، ریال وغیرہ اس کو اصطلاح میں سکہ نافقہ غیر خلقیہ کہتے ہیں۔

ج- وہ مال جس کی تجارت کرتے ہیں۔

یہ تینوں قسمیں مال نامی کی ہیں، اول نامی خلقۃ، دوسری نامی حکماً وعرفاً، تیسری نامی عملاً، جب یہ تینوں باتوں میں سے کوئی ایک نصاب کی مقدار کے برابر ملک میں آجائے اور حاجت اصلیہ سے اور بار دین سے فارغ ہو جائے تو نفس زکوۃ کا وجوب ہو جائے گا اور حاجت اصلیہ سے وہ حاجات مراد ہیں جو اپنے ذمہ میں داخل شدہ اہل وعیال کی روزمرہ کی ضروریات سے فاضل ہو کر سال بھر فاضل رہ جائیں، اسی طرح دین سے فارغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت سے جو دین لیا جائے اس سے فارغ ہو، اتنے مال کا نفس مالک ہو جانے سے زکوۃ کا نفس وجوب ہو جائے گا اور جب اتنی مقدار پورے سال بھر مذکورہ

Marfat.com

ضروریات سے فارغ رہ جائے تو اس کے زکوۃ کی ادائیگی بھی واجب ہوجائے گی، البتہ بے ضرورت واقعی قرض لینا ممنوع ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہرانسان ہر ذمہ سے بری رہے اور جب ضرورت واقعی ہو تو قرض لینا درست رہے گا، اگر غیر سودی قرض نہ ملے تو حاجت شدیدہ میں سودی قرض لینا یا سودی معاملہ کرلینا بھی جائز ہوجاتا ہے جیسا کہ:"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"(الاشباہ والنظائر) کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے، اس کی مزید تفصیل آئندہ آجائے گی"هذه ما تيسر لي الآن والباقي سيأتي على حسب الاستطاعة"۔

ہاں اس ضمن میں ایک یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ یہ صاحب خود تو مقروض یا دین میں دبا ہوانہیں ہے، بلکہ اپنی ملکیت اور سامان تجارت کے بعد قرض و دین دوسروں کو دے دیا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ کیا ادائیگی زکوۃ میں یہ دینا تو حائل نہ ہوگا تو اس میں کیا تفصیل ہے؟ اس کو بقدر ضرورت ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں اور وہ عمل کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے اب اس پر مزید لکھنے کی حاجت نہیں۔

سوالات مطبوعہ کے صفحہ دو کے پچھلے حصہ میں طویل الاجل دین کی گفتگو ہے، اس دین کا حاصل تجارتی دین ہے، اس دین کو انسان، خواہ قانونی مجبوری یا محض اپنے خالص اختیار سے کاروبار کرنے یا چلانے کے لئے حاصل کرتا ہے، حاجت اصلیہ کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، "كما مر آنفاً من تعريف الحاجة الأصلية"، لہذا یہ قرض وجوب زکوۃ کا حکم عائد ہونے میں مانع نہ ہوگا بلکہ وہ حاجت اصلیہ کی شرعی سابق تعریف میں قرض کی جتنی مقدار حائل ہوگی اس کے وضع کرنے کے بعد باقی سب پر وجوب زکوۃ کا حکم عائد ہوگا۔

کمپنیوں کی حقیقت شرعیہ پہلے معلوم ہونی چاہئے پھر حکم شرعی لگانا چاہئے، کمپنیوں کی حقیقت شرعیہ اولاً شرکت عنان کی ہوتی ہے اور شیئرز خریدنے والے سب شرکاء کمپنی اور شرعاً مالک ہوتے ہیں اور عملہ کمپنی، یعنی کمپنی میں کام کرنے والے وکیل و مسئول ہوتے ہیں، مگر یہ لوگ

Marfat.com

بمد قانون وقت خود مالک بن جاتے ہیں، اوراس میں جمع شدہ حصص میں کچھ مقدار اپنا یا کمپنی کی بضاعت (پونجی) قرار دیتے ہیں، اور کچھ کو فرنیچر وآلات مشین وغیرہ میں شمار کرتے ہیں اور کچھ کو کاروبار میں لگاتے ہیں، ان سب واقعاتی امور میں بھی وہ شرعاً غصب ہی شمار ہوگا اور اس پر غصب ہی کے احکام جاری ہوں گے اور یہ امر مسلم ہے کہ شئ مغصوب پر جب تک مغصوب بعینہ یا اس کا بدل وصول نہ ہو جائے تو اس پر زکوۃ کا وجوب یا رد کے احکام شرعاً درست نہیں ہوتے، اس لئے کمپنیوں کے ان حصوں کو جب تک بیچ کر نقد نہ کر لیا جائے اس پر وجوب زکوۃ کا حکم متوجہ نہ ہوگا۔

ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت کا جب کاروبار کریں تو اموال تجارت میں ان کا شمار ہو کر سال پورا ہونے پر اس کا عام کاروبار کرنے والوں کے یہاں اس کی جو قیمت ہوگی اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ہوگا، اور اگر کاروبار نہیں کرتا ہے تو واجب نہ ہوگی، البتہ اگر زکوۃ سے بچنے کیلئے ایسا کرتا ہے تو سخت خطرناک جرم ہے، **ممکن** ہے کہ اس کے وبال میں غیر شعوری طور پر سب ہلاک ہو جائے کہ یہ عمل ایک قسم کی نافرمانی کا اور گستاخی کا درجہ ہو سکتا ہے۔

وأشار إليه قوله تعالى: "لاَ تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلاَ تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تَشْعُرُوْنَ" (سورہ حجرات: ۲)۔

ہاں! اگر وجوب زکوۃ کو ساقط کرنے کی نیت نہ ہو، بلکہ محض تزئین وآرائش کے لئے ہو، جیسا کہ عورتیں رکھتی ہیں یا کسی حادثہ یا اچانک ضرورت پر کام آجانے کے لئے اپنے پاس رکھتے ہوں، تو اس کی گنجائش ہوگی، بالکل یہی حکم اراضی کے خرید وفروخت وکاروبار کرنے کا ہوگا۔

اموال تجارت پر زکوۃ

اس میں یہ حکم ہے کہ تھوک یا پھٹکر جس طرح بیچیں اس کی عام قیمت فروخت کے وقت

Marfat.com

جو ہوگی اس کا اعتبار ہوگا،شیئرز و بونڈز کے فروخت کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا،اس سوال کے بقیہ اجزاء کا جواب اوپر گذر چکا۔

محور ثانی کا حکم

اگر کسی کے پاس محض سونا ہے اور مال تجارت وغیرہ کچھ نہیں تو معیار وجوب زکوۃ محض سونے کے نصاب کا ہوگا،اور اگر محض چاندی ہے اور کوئی مال زکوۃ کی قسم کا نہیں ہے تو معیار وجوب زکوۃ محض چاندی کے نصاب کی قیمت کا ہوگا،اور اگر سونا چاندی دونوں ہیں تو جس طرح ان میں سے کسی کے ساتھ اموال تجارت ملنے سے جس نصاب کی قیمت پہلے آکر وجوب زکوۃ متوجہ ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی حکم ہے اور سونے چاندی کی قیمت میں اگر چہ زمین وآسمان کا فرق ہو جائے یہ حکم نہ بدلے گا،کیونکہ یہ حکم خالق آسمان وزمین ہی کا ہے۔

مصارف زکوۃ

۱-محض مسلم غرباء ومساکین ہیں اوران میں طالبان علوم دینیہ کو جو مصرف زکوۃ ہیں عموماً ترجیح وتقدیم ہوتی ہے،اس لئے کہ ان کو دینے میں دو چند ثواب ہو جاتا ہے اور مہتمم مدرسہ جس طرح زکوۃ دہندہ کا وکیل ہوتا ہے اسی طرح مستحقین زکوۃ کا بھی وکیل ہوتا ہے، اور مالک کسی جانب کا نہیں ہوتا،اس لئے اس کا کوئی عمل ضابطہ شرع کے خلاف درست نہیں ہوگا۔

۲- بانڈز وغیرہ کی زکوۃ کا حکم پہلے گذر چکا ہے،البتہ حکومتیں یا کمپنیاں جو لوگوں سے قرض لیتی ہیں اگر ان سے زبردستی لیتی ہیں تو اس کی حقیقت قرض کی نہیں ہوگی کہ اس پر ملنے والی زیادتی سود ہوگی، بلکہ زیادتی کا حکم پراویڈنٹ فنڈ کے یا انعام وغیرہ کا ہوگا،جس کا لینا اور اپنے جائز مال کی طرح خرچ کرنا جائز ہے،ہاں اگر زبردستی نہ لیں، بلکہ لوگوں کی مرضی وخوشی سے لیں تو

Marfat.com

یہ لینا اور اس کے عوض میں زیادہ دینا سود شمار ہوگا اور اس کو ان کے وہاں چھوڑ نا جائز نہ رہے گا، بلکہ ان سے لے کر غرباء و مساکین میں صدقہ کر دینا چاہئے۔

محور ثالث

الف: یہ معاملہ شرعاً ادائیگی زکوۃ سے بری ہونے کے لئے کافی نہیں اور محور ثالث (۲-ب) اس کی ساری گفتگو نا تجربہ کاری اور شرعی اصول سے ناواقفیت سے ناشی ہوگی۔ اس کی جائز اور مذکورہ خطرات سے محفوظ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ سفراء کو بالمقطع تنخواہ مقرر کیا جائے، پھر ان کو جس علاقہ میں بغرض وصول چندہ بھیجا جائے اور اس علاقہ کی عام چندہ کا اندازہ کر کے اس طرح کہا جائے کہ آپ تمام وصول کردہ رقم مدرسہ کے خزانہ میں بھیجتے جائیں اور جب آپ سفر پورا کر کے واپس آئیں گے تو آپ کی تمام وصولی اس مذکورہ رقم سے جتنی زائد ہوگی اس کا اتنافی صد آپ کو بطور انعام دیا جائے گا، اسی طرح مدرسہ کے لئے بیش از بیش رقم وصول کرنے کا شوق پیدا ہوکر خرچ کے اوسط کا زیادہ ہونا اور آمد کے کم ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا، رہ گیا دیگر ملازمین کی تنخواہ تو اولاً اس کو عطیہ کی رقم سے دیا جائے گا اور اگر کم پڑے تو تملیک مستحق کے حیلہ سے دیا جائے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور ملازمت ضرورت سے زائد شعبوں کی قائم نہ کیا جائے کہ بلا وجہ مدرسہ پر بار اور ان ملازمین وغیرہ کو "عاملین علیہا" کے تحت کرنے کی حاجت بھی نہ رہے گی۔

زکوۃ فی سبیل اللہ

اس میں شک نہیں کہ جناب نے اس سلسلہ میں بے انتہا محنت فرمائی ہے کہ تقریباً ہر مکتب فکر کی رائیں مع ان کے دلائل بھی بیان فرمادیا ہے، آپ کی چھان بین ذاتی کاوش ہے۔ **فجزاکم اللہ۔**

Marfat.com

اسلام کا نظام معیشت

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ☆

نمبر وار جواب سے پہلے چند باتیں جو ضروری ہیں ان کا سمجھ لینا مسائل کے حل کے لئے لازم ہے، اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے ایک اہم رکن زکوۃ بھی ہے، اسلام نے زکوۃ کا نظام ان لوگوں کے لئے قائم کیا ہے جو اس دنیا میں کمزور، اپاہج، بے سہارا اور مالی وسائل سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

اسلام کا نظام معیشت

اسلام کا نظام معیشت جبر و استبداد اور ظلم و جور سے پاک ہے، یہ ضرور ہے کہ اسلام پہلے انسانی دلوں پر احکم الحاکمین کا دبدبہ قائم کرتا ہے اس کے احسانات یاد دلاتا ہے پھر مرنے کے بعد کی زندگی اور حساب و کتاب کا عقیدہ ذہن نشیں کراتا ہے، اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں محتاجوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور کمانے سے جو لوگ مجبور ہیں، ان کی امداد کا کتنا بڑا اجر ہے، اور اس سلسلہ میں ترغیب و ترہیب کا پہلو اجاگر کرتا ہے تاکہ آدمی کچھ کرے خوش دلی سے کرے اور یہ یقین کر کے کرے کہ آخرت میں بدلہ مل کر رہے گا۔

☆ مفتی دار العلوم دیوبند و صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

Marfat.com

"وَفِی أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (ذاریات:۱۹)

"وَالَّذِیْنَ فِی أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (سورہ معارج:۱)

انسانی ذہن کی اصلاح

انسانی ذہنوں میں یہ بھی راسخ کرتا ہے کہ تمہارے پاس جو مال ودولت ہے وہ سب رب العالمین کا عطیہ ہے اوراس کا خصوصی فضل وکرم ہے، صرف کمانے اور عقل ومحنت سے دولت ملتی تو دنیا میں کوئی صحت منداور ذی عقل غریب نہیں رہتا۔

"وَأَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" (منافقون:۲)

پھرتم کو یہ حکم بھی نہیں دیا جارہا ہے کہ کل مال غریبوں کی جھولی میں ڈال دو، بلکہ اپنی دولت کا وہ حصہ دو جو تمہارے خرچ سے بچ رہتا ہےاور جتنے کے دینے میں تم کو فطری طور پر جبر نہیں ہونا چاہیے۔

افراط وتفریط سے گریز

افراط وتفریط سے یہ نظام قطعاً پاک ہے، یہاں اعتدال ہی اعتدال ہے وہ یہ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی خواہ مخواہ گداگر بن جائے اورسوال کرتا پھرے اور دولت مندوں کے لئے وبال جان بن جائے۔

"يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ" (سورہ بقرہ:۲۱۵)

اپنے خاص لوگوں کو مقدم رکھو جیسے ماں، باپ، بیوی، بچے، قریبی رشتہ دار، پھرمحتاج، مساکین ویتامی اورمسافروں اورمصیبت زدوں پر خرچ کرو۔

Marfat.com

زکوۃ کا مقصد

کچھ لوگ دنیا کی ساری ضرورتیں زکوۃ سے ہی پوری کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ رسول الثقلین ﷺ نے اس کو واضح فرمادیا ہے کہ یہ رقم مال داروں سے لی جائے اور محتاجوں پر خرچ کی جائے، آپ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا معلم بنا کر روانہ فرمایا تو اس وقت خصوصی ہدایات دیں، ان ہدایتوں میں یہ بھی تھا کہ زکوۃ کے سلسلہ میں یمن کے مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا:

"فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم" (مشکوۃ کتاب الزکاۃ)۔

پھر انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے ان پر صدقہ (زکوۃ) کو فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان میں جو محتاج ہیں ان کو دیا جائے گا۔

تملیک مستحق کی شرط

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ زکوۃ کے سلسلہ میں شرط قرار دیتے ہیں کہ یہ رقم ان مستحقین کو دے کر مالک بنا دیا جائے جو محتاج ہوں، مال دار و سرمایہ دار نہ ہوں۔

"ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة" (درمختار)۔

(شرط یہ ہے کہ زکوۃ مالک بنا کر صرف کی جائے نہ کہ اباحت کے طور پر)۔

صدقہ فطر میں ارشاد نبوی ہے:

"زكوة الفطر طهر الصيام من اللغو والرفث وطعمة للمساكين" (مشکاۃ، باب صدقۃ الفطر)۔

(صدقہ فطر روزوں کی پاکی ہے لغو اور بیہودہ باتوں سے اور غریبوں مسکینوں کے لئے کھانے کا انتظام ہے)۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا جذبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على الفقراء المهاجرين" (المحلی ۶/۱۵۸)۔

(جس چیز کا علم بعد میں ہوا اگر میں پہلے جان لیتا تو اغنیاء سے مال کا وہ حصہ لے لیتا جو ان کی ضرورت سے فاضل ہے اور مہاجرین محتاجوں میں تقسیم کر دیتا)۔

ان تمام آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور اقوال صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات واجبہ محتاج و نادار مسلمانوں کا حق ہے، اس رقم سے نہ راستہ بنایا جائے گا، نہ مصنفین کی کتابیں چھپوائی جائیں گی نہ معلمین کی تنخواہیں دی جائیں گی اور نہ مسجدیں بنائی جائیں گی اور نہ کارخانے قائم کئے جائیں گے اور نہ مسلمانوں کے عمومی مصالح پر یہ رقم صرف ہوگی۔

قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ" (البقرۃ:۲۲)۔

جس مال پر قبضہ نہ ہو

اس کے بعد اب نمبروار سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

۱- جو مال خریدار کے قبضہ میں نہیں آیا ہے، گو ملک میں آچکا ہے، اس کی زکوۃ حولان حول کے بعد خریدار پر واجب نہیں ہے۔

اس مال میں قبضہ کرنے سے پہلے زکوۃ نہیں ہے جس کو بہ غرض تجارت خرید کیا ہے،

Marfat.com

لیکن قبضہ کرنے کے بعد اس کی زکوۃ دے گا، خانیہ میں ہے کہ ایک شخص کے سائمہ جانور ہیں، ایک دوسرے شخص نے اس کو سائمہ کے طور پر رکھنے کے لئے ہی خریدا، لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا ہے، تا آں کہ اس پر پورا سال گزر گیا، اس کے بعد ان جانوروں پر اس کا قبضہ ہوا، تو خرید نے والے پر گزشتہ سال کی زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ قیمت کی وجہ سے بائع کی ضمانت میں تھا (درمختار وردالمحتار)۔

زر ضمانت کی زکوۃ

۲- زرضمانت کا مالک دراصل ضمانت جمع کرنے والا ہے، لہذا قاعدہ میں زکوۃ اسی پر واجب ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ یہ روپئے والے کے تصرف میں نہیں ہوتا ہے اس لئے اس پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

مال مرہون میں قبضہ کے بعد زکوۃ نہیں ہے، یعنی نہ مرتہن کے ذمہ زکوۃ ہے کہ وہ اس کی گردن کا مالک نہیں ہے اور نہ راہن رکھنے والے پر مال مرہون کی زکوۃ ہے، اس لئے کہ اس مال پر اس کا قبضہ نہیں تھا اور جب راہن مال مرہون کو واپس لے لیگا تو وہ گزشتہ سالوں کی زکوۃ نہیں دے گا۔

اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کی زکوۃ نہ تو ضمانت رکھنے والے پر ہوگی اور نہ اس شخص پر ہوگی جس کے پاس روپے جمع ہیں، البتہ جب وہ رقم مالک کے پاس واپس ہوگی، تو حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہوگی، گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (درمختار وردالمحتار)۔

۳- اس مال میں زکوۃ نہیں ہے، جو مہتمم کے پاس جمع ہے۔

مال حرام کی زکوۃ

مال حرام اگر جمع ہو گیا ہو اور دوسرے مال میں مخلوط نہ ہوا ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

Marfat.com

مال مغصوب میں زکوۃ نہیں ہے اور نہ اس مال میں زکوۃ ہے جس کا بیع فاسد کے طور پر مالک بنا ہے، اس لئے کہ اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، جب تک غیر کے ساتھ مخلوط نہ ہو (ردالمحتار)۔

زکوۃ نہیں ہے، جیسا کہ اس مال پر زکوۃ نہیں جو کل کا کل مال خبیث ہو، قنیہ میں ہے اگر کل مال خبیث ہو اور وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس مال کی زکوۃ لازم نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ سارا مال واجب التصدق ہے کہ محتاج مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے (درمختار و ردالمحتار)۔

لیکن اگر اپنے مال میں اس کو اس طرح ملا لیا ہے کہ وہ منفصل نہیں ہے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

"لو خلط السلطان المال المغصوب بما له ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه، لأن الخلط استهلاك إذ لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة وقوله أرفق (درمختار) وأما لو خلطه بمغصوب آخر فلا زكوة فيه" (ردالمحتار)۔

مدیون پر زکوۃ

مدیون پر دین کی جو رقم باقی ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس کا مالک نہیں ہوتا ہے اور اسے یہ رقم واپس کرنا ہے۔

"لہذا مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے اور نہ اس قرض لینے والے پر ہے جو کسی بندے کا مقروض ہو، اتنے مال میں جتنا اس نے بھی قرض لے رکھا ہے، البتہ جو مال دین سے زیادہ ہوگا، اگر وہ نصاب کو پہنچتا ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرے گا" (ردالمحتار)۔

دائن کے قرض کا حکم

باقی جو دائن ہے جس نے قرض دے رکھا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدیون نے دین

Marfat.com

کے ادا کرنے سے انکار کر رکھا ہے اور دائن کے پاس ثبوت شرعی نہیں ہے تو اس پر بھی اس کی زکوۃ نہیں ہے۔

"ودین کان جحده المدیون ولا بینة علیه" (درمختار)

اور وہ قرض جس کا مدیون منکر ہے اور قرض دینے والے کے پاس اس کا کوئی ثبوت شرعی نہیں ہے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

اگر بینہ حاصل ہو گیا اس طرح کہ اس نے کچھ لوگوں کے روبرو اس قرض کا اقرار کرلیا ہے اور بہت سالوں کے بعد مالک کو واپس ملا ہے تو بھی سنین ماضیہ کی زکوۃ اس پر نہیں ہوگی کہ اس میں نمو کی شرط پائی نہیں گئی۔

لیکن پھر اس کے پاس گواہ ہو گئے، اس طرح کہ قرض دار نے کچھ لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کیا، پھر مالک کو چند سالوں کے بعد وہ قرض ملا اس پر زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ مالک اس کے بڑھانے پر قادر نہیں رہا، اور اصل اس مال کی زکوۃ نہ ہونے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ مال ضمار میں زکوۃ نہیں ہے، اور مال ضمار وہ ہے جس سے مالک کو فائدہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو (درمختار)۔

لیکن اگر دین ایسے شخص پر ہے جس کو قرض لینے کا اقرار ہے مگر دیتا نہیں، ٹال مٹول کرتا رہتا ہے، یا وہ تنگ دست ہے یا اس کو دیوالیہ تسلیم کرلیا گیا ہے، یا دین ایسا ہے کہ مدیون اس کا منکر ہے، مگر دائن کے پاس ثبوت شرعی ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اس دین پر بھی زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ گو اس کے پاس ثبوت ہے، مگر ضروری نہیں کہ قاضی کے پاس وہ تسلیم بھی کرلیا جائے، لیکن اگر دین کا یہ روپیہ مالک کے پاس آجائے گا تو گزشتہ ایام کی زکوۃ بھی اس پر واجب ہوگی۔

"اگر دین ایسے شخص پر ہو جو اقرار تو کرتا ہے مگر دینے میں ٹال مٹول کرتا ہے یعنی دیتا نہیں یا وہ قرض دار تنگ دست ہو یا دیوالیہ ہو جس کے مفلس ہونے کا اشتہار ہو چکا ہو، یا قرض دار

Marfat.com

منکر ہو مگر دائن کے پاس دینے کا ثبوت ہو یا قاضی اس قرض کو جانتا ہو، پھر یہ کہ قرض مالک کو وصول ہو جائے تو اس پر گزشتہ سالوں کی زکوۃ لازم ہوگی'' (درمختار)۔

پراویڈنٹ کی زکوۃ

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم رٹائر ہونے کے بعد جب ملازم کے قبضہ میں آجائے گی اور اس کے بعد اس پر پورا سال گزر جائے گا تو اس کی زکوۃ ملازم پر واجب ہوگی، گزشتہ سالوں کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ اس کے قبضہ سے باہر تھی، وہ اس میں تصرف سے محروم تھا۔

''لازکوۃ فی مال الضمار وھو ما لا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک'' (درمختار)۔

(مال ضمار میں زکوۃ نہیں ہے اور یہ وہ مال ہے جس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، دراں حالیکہ اس کی ملکیت باقی ہو)۔

نما کی حقیقت وصورت

نما اور نمو لغت میں افزائش اور زیادتی کو کہتے ہیں:

لغت میں نماء زیادتی کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''نما المال ینمی نماء وینمو نمواً و أنماه الله''، یعنی مال میں زیادتی ہوئی۔

شریعت میں مال نامی وہ مال ہے جو حقیقۃً یا تقدیراً زیادتی کی صلاحیت رکھتا ہے، حقیقی زیادتی توالد وتناسل کے ذریعہ ہوتی ہے یا مختلف تجارتوں کے ذریعہ، جیسے سوائم جانور اور اموال تجارت اور تقدیری اضافہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس میں خلقۃً، یعنی قدرتی طور پر اس کو نامی سمجھا جاتا ہے، جیسے سونا چاندی کہ قدرت نے ان کو اسی لئے بنایا ہے اور اسی حکم میں وہ نقود بھی آتے

Marfat.com

ہیں جو سونا چاندی کے قائم مقام بنائے گئے ہوں، جیسے کاغذی سرکاری نوٹ، ڈالر کی صورت میں ہو یا پونڈ کی شکل میں یا گیلٹ کے سکوں کے روپ میں ہو۔

مال نامی وہ مال ہے جس کے ذریعہ تجارت کر کے مال میں اضافہ کیا جاسکتا ہو، یا جانور چرا کر نمو حاصل کرسکتا ہو، اس لئے یہ بھی نفع حاصل ہونے کا ایک سبب ہے۔

مگر ثمن مطلق میں خواہ سونا ہو یا چاندی، تجارت کی صلاحیت اس میں اصل خلقت کے اعتبار سے ثابت ہے (بدائع ۱۱/۲)۔

شریعت میں اس کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی دوسری تقدیری، حقیقی زیادتی توالد وتناسل اور تجارت کے ذریعہ ہوتی ہے اور تقدیری وہ مال ہے کہ جو اس کے قبضہ وتصرف میں ہو یا اس کے نائب کے، اور زیادہ ہونا ممکن ہو (ردالمحتار ۸/۲)۔

مال نامی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

۱- مال نامی خلقی، جس کو اللہ تعالی نے خلقی طور پر نمو کے لئے پیدا فرمایا ہے، جیسے سونا، چاندی اور ان دونوں سے تیار کی ہوئی چیزیں، زیورات، برتن، زینت کی چیزیں اور اسی طرح ان دونوں سے بنے ہوئے سکے، دراہم ودنانیر، جن کو سکہ نافقہ خلقیہ کہا جاتا ہے۔

۲- مال نامی غیر خلقی، وہ اشیاء جن کو حکومت اور خواص نے مال نامی کے قائم مقام بنالیا ہے، جیسے مختلف دھاتوں کے چھوٹے بڑے سکے، کاغذی نوٹ، ڈالر، پونڈ اور پال وغیرہ، ان کو سکہ نافقہ غیر خلقیہ کہتے ہیں۔

۳- مال نامی عملی، مال تجارت اور سوائم ہیں۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

''زکوۃ کے مال تین قسم کے ہیں، پہلی قسم اثمان مطلقہ ہے اور یہ سونا اور چاندی ہے، دوسری قسم اموال تجارت ہے اور یہ وہ سامان ہیں جو تجارت کے لئے بنائے گئے ہیں اور تیسری قسم سوائم جانور ہیں جو جنگل ومیدان میں چل پھر کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں'' (۱۶/۲)۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" (توبہ:۳۴)

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ" (بقرہ:۲۶۷)

حاجات اصلیہ

حاجات اصلیہ جن کی ہر انسان کو لازمی طور پر ضرورت ہوتی ہے، خواہ اپنی ذات کیلئے ہو یا اپنے اہل وعیال کے لئے ہو، فوری ضرورت ہو یا کسی حصہ میں کام آنے والی ہو، جیسے رہنے کے مکانات، پہننے کے کپڑے، آرام وراحت اور دن رات برتنے کے سامان خواہ وہ خانہ داری سے متعلق ہوں، یا آنے جانے والے مہمانوں اور احباب واقارب کی ضرورت سے متعلق ہوں، اسی طرح اپنی حفاظت کے دوسرے سامان اور حرفت وصنعت اور کاشت کاری کے ضروری سامان وآلات، جاڑے، گرمی اور برسات میں کام آنے والے سامان، اہل علم کے لئے مطالعہ اور حوالہ جات کی کتابیں۔

یہ بات مسلم ہے کہ حاجات اصلیہ میں موجودہ دور کا لحاظ و پاس ضروری ہے، جیسے سفر کے لئے کار، ہوائی جہاز وغیرہ بھی حاجات اصلیہ میں شمار ہوں گے یا اس طرح کے جدید سامان راحت۔

"اور نصاب اس شخص کی حاجات اصلیہ سے فارغ ہو، اس لئے جو مال حاجات اصلیہ میں لگایا ہوا ہے وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اس مال کو ابن ملک نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جس سے آدمی اپنے آپ سے ہلاکت کو دفع کرے، خواہ حقیقت میں، جیسے اس کے کپڑے یا ہلاک تقدیری دفع کرے، جیسے قرض، یعنی مال جو حاجت اصلی میں لگا ہوا ہے وہ حکم میں اس کے

Marfat.com

ہے کہ انسان اس سے اپنی ہلاکت کو دفع کرے، حقیقی طور پر، جیسے روزانہ کا خرچ، بودوباش کے مکانات، آلات حرب، وہ کپڑے جن کی اس کو ضرورت ہے تاکہ سردی گرمی میں کام لے اور تقدیری جیسے دوسروں کا قرض، اس لئے کہ قرض دار مجبور ہے کہ وہ اس مال سے ادا کرے جو اس کے قبضہ میں ہے تاکہ وہ اس کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار نہ ہو، اور حاجات جیسے پیشہ وروں کے اوزار اور سامان خانہ داری کے اسباب، سواری کے جانور، اہل علم کی کتابیں، اس لئے کہ جہالت ان کے نزدیک مثل ہلاکت ہے، جب ان کو چند دراہم ہوتے ہیں وہ ان کو حوائج ضروریہ میں صرف کرتے ہیں، پس کالمعدوم ہوجاتے ہیں، جیسے قابل استعمال پانی کو پینے کے لئے محفوظ کرلیا جائے تو وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہوتے ہیں اور اس وقت تیمّم کرنا جائز ہوتا ہے'' (ردالمختار ۲/۷-۸)۔

یہ بات یہاں بتانے کی ہے کہ عورتوں کے زیورات ان کی حاجت اصلیہ کے اندر بہ ظاہر داخل ہیں اور شریعت نے ان کو سونا چاندی کے استعمال کی اجازت بھی دی ہے، اس کا تقاضا تھا کہ ان کے زیورات میں زکوۃ نہیں ہوتی، جیسا کہ شوافع کا مسلک بھی ہے، مگر احناف کے یہاں عورتوں کے زیورات میں بھی زکوۃ ہے، اگر چاندی کا وزن ساڑھے باون تولہ کو پہنچ گیا، یا سونے کے زیورات کا وزن ساڑھے سات تولے ہوگیا ہے، یا دونوں قسم کے زیورات ہوں اور دونوں کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو عورتیں صاحب نصاب ہوجائیں گے اور ان پر زکوۃ واجب ہوگی یا وہ دوسرے اعتبار سے صاحب نصاب ہیں اور ان کے پاس زیورات ہیں کم یا زیادہ تو ان پر ان کی بھی زکوۃ ہوگی، اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں:

'' زیورات حاجات اصلیہ سے زیادہ ہیں، اس لئے کہ وہ آرائش اور زیبائش کے لئے تیار کئے جاتے ہیں، یہ اس کے فاضل ہونے کی دلیل ہے، اور یہ کہ وہ حاجات اصلیہ میں داخل نہیں ہیں'' (بدائع ۲/۱۷)۔

Marfat.com

علماء معاشیات نے لکھا ہے کہ زیورات پر زکوۃ کا حکم ملکی مفاد کے پیش نظر ضروری تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ملک کی دولت کا بڑا حصہ اس نام پر رعایا کے گھروں میں منجمد ہو کر رہ جاتا، کیونکہ سونا چاندی نقدین کے حکم میں ہیں، اور اصل دولت ملک کی یہی دونوں ہیں، جس ملک کے پاس سونا چاندی کا سرمایہ نہیں ہوتا اس کے سکے کی قیمت عالمی بازار میں بہت کم ہو جاتی ہے ابھی ہمارے ملک نے جب کئی کوئنٹل سونا دوسرے ملک کو بیچ دیا تو دفعۃ یہاں کے سکے کی قیمت نیچے آ گئی۔

دوسری وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ زیورات زیبائش وآرائش اور زینت وتجمل میں داخل ہیں، یہ خود حاجات اصلیہ سے زیادہ ہونے کی دلیل ہے، اس کے خلاف کسان کی زمین اور صنعت وحرفت والے کے آلات ومشینیں حاجات اصلیہ میں داخل رکھے گئے ہیں، اسی طرح آلات حرب، گھوڑے اور خدم وحشم بھی حاجات اصلیہ میں شمار کئے گئے ہیں۔

حسن بصری سے مروی ہے کہ صحابہ کرام زکوۃ اس شخص کو دیا کرتے تھے جو دس ہزار درہم کا مالک ہوا کرتا ہے، یعنی اس کے پاس اتنے کے ہتھیار، گھوڑے، بلڈنگ اور خدام ہوا کرتے تھے، اور یہ اس وجہ سے کہ یہ ساری چیزیں حاجات اصلیہ میں داخل سمجھی جاتی تھیں اور ان کا رکھنا لازم ہوا کرتا تھا، اس کے سوا انسان کو کوئی چارہ کار نہ ہوتا تھا (ردالمحتار ۲ر۸۸)۔

فتاوی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جس شخص کے پاس دکانیں اور مکان ہو جن سے آمدنی آتی ہو، لیکن وہ آمدنی اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کافی نہ ہو تو وہ محتاج کے حکم میں ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کو زکوۃ قبول کرنا درست ہے، البتہ امام ابو یوسف کے یہاں جائز نہیں ہے یا سال بھر کے لئے کافی ہے تو بعضوں نے کہا کہ زکوۃ جائز ہے اور بعضوں نے کہا جائز نہیں ہے، جو برائے خرچ ہے وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے اور خود سید الکونین ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے لئے سال بھر کے کھانے کا انتظام فرماتے تھے، اگر کسی کے پاس جاڑے کے کپڑے ہوں جس

Marfat.com

کی گرمی میں ضرورت نہیں ہوتی ہے تو اس کو بھی زکوۃ لینا جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے بہت ساری دکانیں یا کمرے کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے ہیں اور اس سے آمدنی آتی ہے اور یہ دکانیں اور کمرے ہزاروں روپے قیمت رکھتے ہیں تو اس مالیت پر زکوۃ نہیں ہے، اگر کرایہ کی یہ آمدنی اس کے اور اہل وعیال کے لئے کافی نہیں ہے تو وہ زکوۃ لے سکتا ہے اور اس کا شمار محتاجوں میں ہوگا۔

یہی حال کاشت کی زمین کا ہے:

''امام محمد سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص زمین والا ہے جس میں وہ کاشت کرتا ہے یا دکان ہے جس کا کرایہ ملتا ہے، یا مکان ہے جس کی تین ہزار آمدنی ہے لیکن وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے پورے سال کافی نہیں ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا تو ایسے شخص کو زکوۃ لینا حلال ہے، اگر چہ دکان اور کاشت کی زمین کی قیمت ہزاروں روپے کیوں نہ ہو، فتوی اسی پر ہے''۔

اس زمانہ میں دولت کی فراوانی ہے اور شادی کے موقع سے لڑکی والے اپنی لڑکی اور اس کے شوہر کو بہت سارا سامان دیتے ہیں اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو ہزار سے بڑھ کر لاکھ تک پہنچتی ہے تو یہ سامان بھی حاجات اصلیہ میں ہی شمار ہوں گے اور ان پر زکوۃ نہ ہوگی، فقہاء نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

ایک عورت جو سامان جہیز لے کر اپنے شوہر کے گھر آئی ہے کیا اس کو غنی کہا جائے گا؟ پہلے جو گذرا اس سے ظاہر یہ ہے کہ گھر کے سامان اور بدن کے کپڑے، استعمال کے برتن جن کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں حاجات اصلیہ میں داخل ہیں، ان کی وجہ سے وہ غنی کے حکم میں نہ ہوگی (ردالمحتار ۲/ ۸۸)۔

البتہ سامان کے علاوہ جو زیورات اور دوسرے قیمتی سامان ہوتے ہیں، جن کا مقصد صرف زینت وزیبائش اور آرائش ہے، جب وہ نصاب کو پہنچے گا تو اس کی وجہ سے وہ عورت

Marfat.com

صاحب نصاب قرار پائے گی اور جو اس سے زیادہ ہو، جیسے زیورات اور ظروف اور وہ سامان آرائش جن کا مقصد صرف زینت ہے اگر وہ نصاب کو پہنچ جائیں تو وہ غنی کے حکم میں ہو جائے گی۔

دین سے خالی ہونا

جو شخص صاحب نصاب بنتا ہے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ذمہ بندوں کا جو دین (قرض) باقی ہے اس کو اس سے وضع کر دیا جائے پھر اگر اس کے بعد بھی وہ صاحب نصاب بنتا ہے تو صحیح ہے، لیکن اگر اس صاحب مال کے ذمہ دوسروں کا اس قدر روپیہ بہ طور قرض باقی ہے کہ اگر اس کو وضع کر دیا جائے تو وہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہیں رہتا ہے تو اس کو صاحب نصاب نہیں کہا جائے گا، مثلاً اس کے پاس حولان حول کے بعد دس ہزار روپئے ہیں، مگر وہ نو ہزار کا مقروض ہے، اس کے ذمہ اتنے روپے دوسروں کے باقی ہیں، تو وہ صاحب نصاب قرار نہیں پائے گا۔

''زکوۃ کے وجوب کے لئے وہ قرض مانع ہے جو بندوں کا کسی کے ذمہ ہو، جیسے دین مبیع کی قیمت اور تلف شدہ چیزوں کا ضمان و تاوان اور زخم لگانے کا بدلہ، خواہ قرض نقد ہو یا مکیلی یا موزونی چیزیں ہوں یا کپڑے یا جانور ہوں، وہ جو خلع کے عوض میں آیا ہو یا دم عمد کے صلح میں، وہ فی الحال ہو یا مؤجل ہو، یا اللہ تعالی کے لئے ہو، جیسے بقایا زکوۃ، لیکن اگر زکوۃ سائمہ جانوروں کی ہے تو وہ وجوب زکوۃ کے لئے مانع ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں'' (عالمگیری ١/ ١٧٣)۔

باقی ایسا دین جس کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ سے ہے ایسا دین مانع زکوۃ نہیں ہے، جیسے نذر و کفارہ کی رقم اور حج کی ادائیگی کے لئے رکھے ہوئے روپئے۔

ہر وہ قرض جس کا مطالبہ لوگوں کی طرف سے نہ ہو، جیسے اللہ کے دیون، مثلاً نذر اور کفارہ کی رقم، صدقہ فطر اور حج فرض کی ادائیگی باقی ہو، یہ سب زکوۃ کے لئے مانع نہیں ہیں، یعنی ان سب کے باوجود اس پر زکوۃ واجب ہوگی (عالمگیری ١/ ١٧٣)۔

Marfat.com

یہ تو اس دین سے متعلق گفتگو تھی جو اس شخص کے ذمہ دوسروں کا ہے جو صاحب نصاب بن رہا ہے، اب سوال اس دین کا ہے جو صاحب نصاب کا دوسروں کے ذمہ باقی ہے خود اس شخص کا اگر دوسروں کے ذمہ قرض باقی ہے تو وہ اس قرض کی زکوۃ کیسے نکالے گا؟ اور کس صورت میں نکالنا واجب ہے؟ اور کب اس قرض کی زکوۃ نکالنا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے، پھر یہ کہ قرض جو دوسروں کے ذمہ ہے اس کی زکوۃ وہ قرض کے وصول ہونے پر دے گا یا پہلے، وصول ہونے کے بعد حولان حول کے بعد دے گا یا گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا، یہ ایک مستقل بحث ہے۔

اس طرح کے دین کی فقہاء نے تین قسمیں کی ہیں:

۱۔ دین قوی۔ ۲۔ دین متوسط۔ ۳۔ دین ضعیف۔

دین قوی کی صورت یہ ہے کہ کسی کو اس نے نقد روپیہ یا سونا چاندی قرض دے رکھا ہے یا تجارت کا مال دیا ہے اس کی قیمت باقی ہے اور اس کے پاس اس قرض کا ثبوت ہے، یا لینے والے کو اقرار ہے، ایسے قرض کے وصول ہونے پر دیکھا جائے گا کہ اگر وہ بہ قدر نصاب ہے تو وصول ہونے کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوۃ کا ادا کرنا ضروری ہوگا اور اگر تھوڑا وصول ہوا تو اس کے بہ قدر زکوۃ نکالتا رہے گا اور گزرے ہوئے سالوں کی بھی زکوۃ دے گا، اگر صاحب نصاب ہے اور اگر یہ قرض بہ قدر نصاب نہیں ہے بلکہ اس سے کم ہے مگر یہ خود صاحب نصاب ہے، یا اتنا ہے کہ دونوں کو ملا کر صاحب نصاب بنتا ہے تو بھی اس پر زکوۃ کا نکالنا واجب ہوگا، فقہاء لکھتے ہیں:

"دین کی تین قسمیں ہیں: ایک دین قوی ہے جو مال تجارت کا اور قرض کا بدل ہوتا ہے، لہذا دین قوی میں اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب اس پر پورا سال گزر جائے اور جب تک چالیس درہم قبضہ میں نہ آجائیں اس وقت تک وہ مؤخر ہوتا ہے، جب کوئی چالیس درہم پر قابو پالیتا ہے تو اس میں ایک درہم زکوۃ نکالنا لازم ہوتا ہے (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ۱؍۲۵۳)۔

Marfat.com

معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین طرح کے قرض ہوتے ہیں: ایک دین قوی، دوسرا متوسط اور تیسرا ضعیف، جب نصاب پورا ہو جاتا ہے اور اس پر سال گزر جاتا ہے تو اس کی زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، لیکن فی الفور نہیں بلکہ جب چالیس درہم دین قوی سے قبضہ میں آجائیں پس دین قوی جیسے قرض اور مال تجارت کا بدل، اس میں جب چالیس درہم قبضہ میں آجائے تو ایک درہم زکوۃ دینا لازم ہے'' (درمختار)۔

دین کی دوسری قسم دین متوسط ہے، یہ وہ قرض ہے جو نہ تو نقد کی صورت میں دیا گیا ہے، نہ سونا چاندی کی صورت میں اور نہ مال تجارت کی صورت میں، بلکہ ان صورتوں کے علاوہ صورت اختیار کی گئی ہو، مثلاً زمین فروخت کی تھی، اس کی قیمت باقی ہے، گھریلو سامان دیا تھا اس کی رقم باقی ہے یہ دین متوسط ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ بقدر نصاب ہے اور کئی سال بعد اس کی وصولی عمل میں آئی ہے تو یہ رقم جب وصول ہو کر آجائے گی تو اب اس کی زکوۃ دینا پڑے گی موجودہ سال کی بھی اور گزشتہ سالوں کی بھی، اگر وہ صاحب نصاب پہلے سے ہے یا اس قدر مال کا مالک ہے کہ وصول کردہ رقم ملا کر وہ صاحب نصاب بن جاتا ہے تو اس کی بھی زکوۃ دے گا، لیکن اگر اس کی یہ حالت نہیں ہے، دارومدار اسی قرض پر ہے تو جب تک نصاب کے برابر وصول ہو کر نہ آجائے اس وقت تک اس پر اس رقم کی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

''دین قوی کے علاوہ متوسط میں جب دوسو دراہم پر قبضہ ہو جائے یہ دین متوسط ہے، جیسے سائمہ کی قیمت اور خدمت کے غلام کی قیمت وغیرہ جو حوائج اصلیہ میں مشغول ہیں، جیسے کھانا، پینا اور دوسرے املاک اراضین، اور لگائے جائیں گے وہ سال بھی جو دین متوسط کے قبضہ سے پہلے گزر چکے ہیں، اصح روایت میں اور اسی کے مثل وہ مال ہے جو کسی شخص پر دین تھا اور اس کو وراثت میں ملا اور دین متوسط میں روایتیں ہیں، ظاہر الروایت یہ ہے کہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی، لیکن اس وقت ادائیگی لازم نہیں ہے، جب تک دوسو درہم قبضہ میں نہ آجائے جب اتنی رقم آجائے گی تو وہ اس کی زکوۃ ادا کرے گا اور ابن سماعہ سے ایک روایت امام صاحب کے واسطہ سے

Marfat.com

یہ ہے کہ اس میں زکوۃ اس وقت تک نہیں ہے جب تک قبضہ نہ ہو جائے اور اس پر ایک پورا سال گزر نہ جائے، اس لئے کہ وہ ابھی مال زکوۃ میں داخل ہوا ہے تو وہ ایسا ہے کہ وہ ابتداءً اس کا وارث ہوا ہے'' (ردالمختار ۲/۴۸)۔

دین ضعیف وہ ہے کہ نہ نقد رقم قرض دی ہو نہ مال تجارت کا بدل ہو، بلکہ کسی اور وجہ سے کسی کے ذمہ قرض ہو گیا ہو، جیسے شوہر نے خلع بہ عوض مال کیا اور وہ بیوی کے ذمہ ہے یا بیوی کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے ایسے قرض کا حکم یہ ہے کہ جب اس طرح کا قرض وصول ہو کر قبضہ میں آجائے گا اس وقت سے زکوۃ کا مسئلہ شروع ہوگا، گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، وصول ہو جانے کے بعد جب اس پر پورا سال گزر جائے گا اور وہ بہ قدر نصاب ہوگا تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

''دین ضعیف میں دو سو درہم قبضہ میں واپس آجائے اور قبضہ کے بعد اس پر سال گزر جائے اور یہ مال کا بدل نہیں ہوتا، جیسے مہر کی رقم جو عورت کی اپنے شوہر پر دین ہوتی ہے یا دیت ہے یا بدل کتابت ہے یا بدل خلع ہے یہ سب دین ضعیف میں داخل ہے، لیکن اگر اس کے پاس پہلے سے کچھ مال ہو تو وہ دین ضعیف سے مل جائے گا'' (درمختار علی ہامش ردالمختار ۲/۴۹)۔

طویل الاجل (مدت)

زراعت، تعمیر مکان یا کاروبار کے سلسلہ میں حکومت سے جو لاکھوں یا کروڑوں کا قرض لیا جاتا ہے یہ لینے والا اگر صاحب نصاب پہلے سے ہے یعنی خود اس کے پاس اتنی مالیت ہے کہ صاحب نصاب قرار پاتا ہے لیکن اگر اس حکومتی قرض کا حساب کیا جاوے اور اس کو وضع کر دیا جائے تو پھر وہ صاحب نصاب باقی نہیں رہتا ہے، یہ دین (قرض) چونکہ بندے کا ہی ہے، اس لئے اس پر قاعدہ میں اس وقت تک زکوۃ واجب نہ ہوگی جب تک اس رقم کو وضع کرنے کے بعد اس کے پاس اس قدر مالیت باقی نہیں رہتی ہے جو اسے صاحب نصاب بنا دے، اگر صاحب

Marfat.com

نصاب رہتا ہے تو قرض کی رقم مجرا کرنے کے بعد بقیہ کی زکوۃ دے گا مختصر یہ کہ پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، قاعدہ فقہیہ کا تقاضا یہی ہے۔

نہ مکاتب پر زکوۃ ہے اور نہ کسی انسان کے قرض دار پر اس قرض کی زکوۃ ہے جو اس کے ذمہ باقی ہے اس کو مجرا کرنے کے بعد اگر نصاب کو وہ پہنچ جائے گا تو وہ اس زائد کی زکوۃ ادا کرے گا (ردالمحتار ۹/۲)۔

کمپنی

اگر حصص کے ذریعہ تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے اور سیکڑوں یا بیسیوں آدمیوں کی اس میں شرکت ہے تو کمپنی پر حولان حول کے بعد زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور نہ اس کی مجموعی آمدنی کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ اگر کمپنی میں کوئی مشین لگائی گئی ہے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ان مشینوں کی قیمت پر زکوۃ نہیں ہے کہ یہ آلات محترفین میں داخل ہے، اس کے علاوہ جو نقد آمدنی تجارت پر لگی ہوئی ہے وہ ایک شخص کی نہیں ہے لہذا یہ شرکاء کمپنی پر تقسیم ہوگی ان میں سے جو شرکاء صاحب نصاب ہوں گے وہ اپنے پاس کی نامی مالیت اور کمپنی میں لگی ہوئی مالیت دونوں کو ملا کر سالانہ زکوۃ انفراداً ادا کریں گے۔

اگر چاندی دو شخصوں میں مشترک ہو تو اگر ہر ایک کا حصہ مقدار نصاب کو پہنچتا ہے اور ان کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگی اور مقدار نصاب کے برابر نہیں ہے تو زکوۃ واجب نہیں اور شرکت کی حالت میں وہی معتبر ہوتا ہے جو انفرادی طور پر معتبر شمار ہوتا ہے (بدائع ۱۶/۲)۔

ہیرے، جواہرات کی زکوۃ

یہ تو طے ہے کہ اگر کوئی ہیرے جواہرات کی تجارت کرتا ہے تو تمام مال تجارت کی طرح اس کی بھی قیمت لگا کر زکوۃ دے گا، باقی وہ شخص جو انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری غیر واجبی ٹیکس سے بچنے

Marfat.com

کے لئے ہیرے جواہرات لاکھوں روپئے کے خرید کر جمع کرے گا تو قاعدہ فقہیہ کے مطابق اس مال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ وہ کتنی ہی مالیت کی کیوں نہ ہو، اگر نیت اس میں تجارت کی نہیں ہے۔

''موتیوں اور جواہر میں زکوۃ نہیں ہے اگر چہ وہ ہزاروں روپے کے برابر کیوں نہ ہو، اس پر سبھوں کا اتفاق ہے، البتہ اگر یہ چیزیں برائے تجارت ہوں تو پھر زکوۃ واجب ہوگی، قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ سونا چاندی اور سائمہ جانوروں کے علاوہ جو چیزیں ہیں ان میں زکوۃ اس وقت ہے جب تجارت کی نیت پائی جائے بشرطیکہ اور کوئی مانع نہ ہو، جواہر میں لعل یاقوت اور زمرد جیسی چیزیں بھی داخل ہیں، یعنی ان پر بھی زکوۃ نہیں ہے'' (ردالمحتار ۲/۱۸)۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لعل وزمرد اور یاقوت کا حکم بھی یہی ہے کہ ان میں بھی زکوۃ نہیں ہے اگر چہ سب قیمتی چیزیں ہیں، یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی ہزاروں ایکڑ زمین خرید کر رکھے تو اس زمین کی قیمت میں زکوۃ نہیں، پیداوار ہوگی تو اس میں عشر آئے گا ورنہ نہیں، اسی طرح پالتو جانوروں میں بھی زکوۃ نہیں ہے، خواہ کتنے ہی جمع کر لئے جائیں یا کپڑے اور دوسرے سامان جمع ہو جائیں اگر وہ تجارت کے نہیں ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتیں اگر تزئین وآرائش کے لئے جواہرات استعمال کریں گی تو ان پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔

اموال تجارت کی زکوۃ

تجارت کے وہ سامان جو تاجروں کے قبضہ میں ہوتا ہے اور جس کی وہ خرید وفروخت کرتا ہے یہ بھی مال نامی ہے اور شرعاً اس پر بھی زکوۃ ہے کل سامان کی جو دکان اور اسٹاک میں ہے قیمت لگائی جائے اور جو قیمت آئے گی اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرے گا، اب سوال یہ

Marfat.com

ہے کہ قیمت کس دن اور وقت کی لگائی جائے گی، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ واجب ہونے کے دن کی قیمت لگائی جائے گی اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور راجح صاحبین کا قول ہے۔

اس شہر کی لگائی جائے گی جس میں وہ رہتا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے اس دن کا جس دن واجب ہوا ہے اور صاحبین کے نزدیک ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوتا ہے (البحرالرائق ۲/۲۲۹)۔

دیکھا جائے گا کہ جس شہر میں وہ تجارت کررہا ہے اس شہر میں ادائیگی کے دن مروجہ اور عام قیمت عندالتجار کیا تھی اس کا اعتبار ہوگا، اگر تھوک مال کی تجارت ہے کہ تھوک کی قیمت معتبر ہوگی اور اگر پھٹکر کی تجارت ہے تو اس کی قیمت اسی حساب سے لگائی جائے گی اور اگر اس سے کوئی مال خریدتا ہے تو وہ کیا حساب دیتا ہے۔

باقی جو زمین کا کاروبار کرتا ہے اس طرح کہ خریدتا ہے اور بیچتا ہے رکھتا نہیں ہے، مالک زمین سے ایک پلاٹ خریدلیا اور پھر ضرورت مندوں کے ہاتھ جس کو جس قدر ضرورت ہے قیمتاً دیتا ہے تو ایسی زمین مال تجارت قرار پائے گی اور جس طرح سامان تجارت کی قیمت لگائی جاتی ہے، اسی طرح اس تجارت والی زمین کی قیمت بھی (جو اس وقت ہے) لگائی جائے گی اور نقد کے ساتھ اس کی قیمت کو ملا کر مالک زکوۃ ادا کرے گا نہ پہلے کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور نہ آئندہ کی متوقع قیمت کا اعتبار ہوگا، بلکہ دیکھا جائے گا، اس وقت اگر کوئی خریدار ہوتا تو وہ کس بھاؤ سے لیتا اور مالک زمین کس نرخ سے دیتا۔

شیئرز والی کمپنی کی زکوۃ

چند آدمی مل کر جب کوئی کارخانہ کھولتے ہیں اور خود ان کے پاس پورا سرمایہ نہیں ہوتا ہے تو اس کے حصص متعین کرتے ہیں اور ہر حصہ کی ایک مناسب قیمت زمانہ کے اعتبار سے طے

Marfat.com

کردیتے ہیں اوراعلان کرتے ہیں کہ فی حصہ کی قیمت اتنی ہے ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق دس یا بیس حصے تک خرید سکتا ہے اور سال میں جو نفع ہوگا وہ تمام خریدنے والوں پر تقسیم کردیا جائے گا۔

ان حصوں کی جو قیمت اس وقت بازار میں ہوگی ہر حصہ والے کو اپنے حصہ کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی کہ یہ روپئے بہ غرض تجارت لگائے گئے ہیں، مگر شرط ہے کہ وہ صاحب نصاب بنتا ہو۔

"وشرط نية التجارة في العروض إما صريحا ولابد من مقارنتها بعقد التجارة أو دلالة بأن يشترى عينا لغرض التجارة" (ردالمحتار، زکوۃ ۲)۔

البتہ یہ دیکھا جائے گا یا کمپنی سے معلوم کیا جائے گا کہ کمپنی کی جو مشینیں لگائی گئی ہیں یا مکان تعمیر ہوئے ہیں یا فرنیچر بنائے گئے ہیں ان میں ہر حصہ سے کتنی فیصد رقم لگی ہے اتنی رقم فی صد زکوۃ سے بری ہوسکتی ہے کہ آلات المحترفین پر زکوۃ نہیں ہے، اسی طرح مکان اور فرنیچر پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔

باقی جو روپئے سامان تجارت پر لگے ہوئے ہیں ان کی زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، حصے خریدنے والے کو چونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کیا سامان ہے کیا نہیں ہے، قیمت لگانے کی بات بہت دشوار ہے تو اپنا سرمایہ جو اس نے لگایا ہے یا خریدا ہے اس کے مطابق زکوۃ دیتا رہے گا اور اگر کمپنی حساب دیتی رہتی ہے کہ آپ کی اتنی رقم ہے تو اس حساب سے زکوۃ ادا کرے گا۔

بونڈس پر زکوۃ

بونڈس کی جو صورت سوال میں لکھی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس میں خریدنے پر دباؤ نہیں ہوتا ہے بلکہ حکومت یا کمپنی اعلان کرتی ہے یا درخواست کرتی ہے اور لوگ سود کی لالچ میں یہ بونڈس خریدتے ہیں بغرض حصول سود خریدنا جائز نہ ہوگا کہ یہ:

"أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (البقرة) کے اندر داخل ہے اور اگر بونڈ خریدلیا ہے

Marfat.com

خواہ پانچ سال کے لئے ہو یا دس سال کے لئے ہو، چونکہ اس کی رقم کی واپسی کا خریدار کو یقین ہوتا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس رقم کی زکوۃ وہ ہر سال ادا کرتا رہے یا پھر بعد وصول گزشتہ تمام سالوں کی زکوۃ نکالے اگر وہ بہ قدر نصاب ہے یا یہ شخص صاحبِ نصاب ہے۔

"ولو كان الدين على مقر الخ وصل إلى ملكه لزم زيادة ما مضى" (در مختار مع شامی ۲ ز ۱۲)

(اگر قرض ایسے شخص پر ہے جس کو قرض کا اقرار ہو تو جب وہ قرض واپس آجائے گا تو گزشتہ زمانہ کی زکوۃ بھی لازم ہوگی)۔

کیونکہ یہ قرض دین قوی میں داخل ہے جس کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے اور جو اضافہ ملے گا اس کا غریبوں پر صدقہ کرنا ضروری ہوگا کہ وہ مال خبیث میں داخل ہے۔

البتہ کبھی حکومت بونڈ خریدنے پر مجبور کرتی ہے جیسا کہ جنگ کے زمانہ میں ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ قرض کی صورت نہیں ہوگی، یہ ظلم ہوگا اس پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

جو مال کسی کا ظلماً لے لیا جائے اور پھر سالہا سال کے بعد واپس ملے تو اس میں زکوۃ گزشتہ سالوں کی نہیں ہے، اس لئے کہ نمو کا موقع نہیں رہا اور اس میں بنیادی چیز حضرت علیؓ والی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مال ضمار میں زکوۃ نہیں ہے، مال ضمار وہ مال ہے کہ ملک کے باوجود فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو (در مختار علی ہامش رد المحتار ۲ ر ۱۲)۔

اگر حکومت اس پر کچھ اضافہ کرے تو اس کا استعمال روپئے کے مالک کے لئے جائز ہوگا۔

زکوۃ کا نصاب شرعی

نصاب کا مدار سونا، چاندی پر رکھا گیا ہے، اگر کسی کے پاس صرف سونا ہے تو اس کا نصاب شریعت نے بیس مثقال متعین کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس بیس مثقال سونا ہے تو وہ آدھا

Marfat.com

مثقال حولان حول کے بعد زکوۃ میں نکالے گا۔

''سونا جو بیس مثقال سے کم ہو اس میں زکوۃ نہیں ہے، لیکن جب بیس مثقال ہوگا تو اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہوگی'' (ہدایہ ۱/۱۷۷)

اور اگر صرف چاندی ہے تو اس کا نصاب دوسو درہم ہے۔

چاندی جو دو سو درہم سے کم ہے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ رسول الثقلین ﷺ کا ارشاد ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے، پس جب کسی کے پاس دوسو درہم ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس میں زکوۃ پانچ درہم ہوگی، اس لئے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو لکھا تھا کہ زکوۃ ہر دوسو درہم چاندی میں پانچ درہم وصول کرو اور ہر بیس مثقال سونا میں آدھا مثقال وصول کرو'' (ہدایہ ۱/۱۷۶، باب زکوۃ الأموال)۔

دوسو درہم کا وزن تولے سے ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے اور بیس مثقال برابر ساڑھے سات تولے کے ہوتا ہے۔

باقی سامان تجارت تو اس کی سونے یا چاندی سے قیمت لگائی جائے گی، جب اس کی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ مالیت ہوگی، تو وہ صاحب نصاب قرار پائے گا، چاندی سے قیمت لگانا جائز ہے، اسی طرح سونے سے بھی، اس زمانہ میں چاندی سے قیمت لگانے میں غریبوں کا نفع ہے۔

"الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب لقوله عليه السلام فيها يقومها فيؤدي من كل مأتي درهم خمسة دراهم ولأنها معدة للاستنماء" (ہدایہ ۱/۱۷۷)۔

Marfat.com

نصاب کس سے مقرر کیا جائے

لیکن آج جب کہ سونا، چاندی کی قیمت میں کوئی توازن نہیں ہے تو سوال ہوگا کہ ایسے زمانہ میں قیمت چاندی سے لگے گی یا سونے سے، اس بات میں فقہاء نے فیصلہ کیا ہے کہ جس سے محتاجوں کا زیادہ فائدہ ہو، اس سے قیمت لگائی جائے گی۔

"ثم قال: یقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء الخ وتفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصاباً" (ہدایہ ۱/۱۷۸)۔

لہذا آج کل قیمت چاندی سے لگانے میں فقیروں کا فائدہ ہے اسی طرح اگر دونوں چیزیں کسی کے پاس ہوں، سونا بھی اور چاندی بھی تو دونوں کو ملا کر نصاب بنایا جائے گا (ہدایہ ۱/۱۷۸)۔

مفتی بہ قول امام صاحب کا ہے آج کل فتوی اسی پر دیا جاتا ہے اور غریبوں کا فائدہ بھی اسی میں ہے۔

طلبہ غیر مستطیع

غیر مستطیع طلبہ پر جو خرچ آتا ہے وہ آج کل ارباب مدرسہ مد زکوۃ سے ہی پورا کرتے ہیں، کھانا بھی دیتے ہیں اور پھر پوشاک یا اس کی قیمت دیتے ہیں، اسی طرح لحاف دیتے ہیں اور پاپوش یا اس کی قیمت دیتے ہیں، لیکن اگر مدرسہ ان سے تعلیمی فیس، ہوسٹل فیس کے نام پر بھی کوئی رقم لینا چاہے یا لیتا ہو تو یہ رقم بھی طلبہ کو مد زکوۃ سے دینا درست ہے کہ مدرسہ سے خود لے کر اس فنڈ میں جمع کرادے، اس میں بھی شرعاً مضائقہ نہیں ہے کہ مجموعی طور پر غیر مستطیع طلبہ پر جتنا خرچ آتا ہے اتنی رقم مدرسہ مد زکوۃ سے ان کے حوالہ کردے اور ان سے کہہ دے کہ وہ مدرسہ کے خزانہ میں اپنی طرف سے جمع کردیں خواہ نقد کی صورت میں دے، چیک کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے

Marfat.com

تاکہ کوئی دوسرا سوال پیدا نہ ہو اور یہ ساری رقم مدزکوۃ سے دی جائے گی، فقہاء کی تملیک والی شرط اس طرح سے پوری ہو جائے گی۔

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحۃ" (درمختار مع الشامی ۲/)۔

مہتمم مدرسہ

مہتمم مدرسہ کو زکوۃ دہندہ کا بھی وکیل مانا گیا ہے اور طلبہ مدرسہ کا بھی، دونوں حیثیت اسے علماء نے دی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مہتمم مال زکوۃ پر قبضہ کر لیتا ہے تو ضمناً طلبہ کا قبضہ بھی ہو جاتا ہے، مگر زکوۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک طلبہ کو اس کا مالک نہ بنا دیا جائے یا وہ طلبہ کی ذات پر خرچ نہ ہو جائے، علماء محققین اسی کے قائل ہیں (دیکھئے معارف القرآن اور فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل)۔

کمیشن پر چندہ

حدیث قفیز طحان کے پیش نظر کمیشن پر چندہ کو ناجائز کہا جاتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اجرت مجہول ہوتی ہے، اسی وجہ سے مدارس میں ہر علاقہ کی کارکردگی سفراء کے لئے سالانہ متعین کر دی جاتی ہے کہ سال میں اتنا چندہ کر کے لانا ہے، ساتھ ہی یہ بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ اگر آپ متعین مقدار سے جس قدر زیادہ لائیں گے اس پر آپ کو چھ فیصد کے حساب سے انعام دیا جائے گا، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سفیر اپنے علاقہ میں محنت کرتے ہیں، پہلے متعین مقدار پوری کرتے ہیں، پھر زیادہ کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور انعام حاصل کرتے ہیں۔

سفراء اور محصلین جو زکوۃ، فطرہ اور قیمت چرم قربانی کے ساتھ عطیات بھی وصول کرتے ہیں، ان کو عاملین میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اور ان کو مدزکوۃ سے تنخواہ دی جائے یا نہیں؟ اسی طرح جو عملہ حساب و کتاب کا اندراج کرتا ہے ان کو بھی اس مد سے مشاہرہ دینا درست ہوگا یا

Marfat.com

نہیں؟ قابل غور ہے ہمارے علماء اس کو جائز نہیں کہتے ہیں۔

یہ طے ہے کہ یہ سفراء اور محصلین امیر المؤمنین یا ان کے نائبین کی طرف سے مقرر نہیں ہوتے ہیں اور نہ بیت المال میں یہ رقم جمع ہوتی ہے۔

Marfat.com

اموال زکوۃ سے متعلق مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

سامان تجارت پر قبضہ سے پہلے زکوۃ

۱- ایسا سامان جو خرید کیا جا چکا ہو، لیکن ابھی قبضہ میں نہیں آیا ہو، بعض فقہاء کے نزدیک اس میں بھی زکوۃ واجب ہے، لیکن اکثر مشائخ عراق نے اس میں زکوۃ واجب قرار نہیں دی ہے، فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"خرید کی ہوئی شئ جس پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہو، اکثر مشائخ عراق نے نقل کیا ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے تمام ہی فقہاء حنفیہ کے نزدیک نصاب نہیں ہوگا، دوسرے مشائخ کہتے ہیں کہ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو ثمن کے سلسلہ میں مذکور ہوا، بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مبیع قبضہ سے پہلے بھی بالاتفاق نصاب ہے" (تاتارخانیہ ۲/ ۳۰۳)۔

علامہ حصکفی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ تجارت کے لئے خرید کردہ سامان پر قبضہ سے پہلے زکوۃ نہیں، "ولا فیما اشتراہ تجارۃ قبل قبضہ" (درمختار علی ہامش الرد ۲/ ۷)، اس لئے میری رائے میں ایسے مال تجارت کی زکوۃ خریدار پر واجب نہیں کہ خریدے ہوئے مال پر گو اس کی ملکیت قائم ہے، لیکن قبضہ ثابت نہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں اس بات پر

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، وجنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

Marfat.com

متفق ہیں کہ زکوۃ واجب ہونے کے لئے ملک مطلق شرط ہے اور ملک مطلق کے لئے ملک رقبہ اور قبضہ دونوں ضروری ہے:

"ومنها الملك المطلق وهو أن يكون ملكا له رقبة ويدا وهذا قول أصحابنا الثلاثة" (بدائع الصنائع ۹/۲)۔

البتہ فقہاء شوافع کے نزدیک چونکہ زکوۃ کے وجوب کے لئے قبضہ ضروری نہیں (حوالہ سابق)، اس لئے اس صورت میں ان کے یہاں زکوۃ واجب ہوگی۔

پیشگی کرایہ اور ڈپازٹ کی زکوۃ

کرایہ کے مد میں جو رقم پیشگی طور پر ادا کی جائے وہ ظاہر ہے کہ اجرت معجلہ ہے اور اس پر مالک مکان کی ملکیت قائم ہوگئی، اس لئے اس کی زکوۃ مالک مکان کو ادا کرنی چاہئے، ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

"طویل اجارہ (جس کا معاملہ بعض لوگ کرتے ہیں اور ہر ماہ کے شروع میں تین دنوں کے لئے خیار شرط لیتے ہیں)، میں چند سال کی اجرت پیشگی ادا کردی جائے تو اس کی زکوۃ مالک پر واجب ہوگی، اس لئے کہ قبضہ کرکے وہ اس کا مالک ہوگیا ہے"۔

امام نوویؒ کا بیان ہے:

"اگر آجر کے پاس کرایہ کا مکان ہو اور کرایہ دار نے ابھی مکان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، اس کرایہ پر سال بھی گزر گیا تو اس میں زکوۃ واجب ہوگیا، اس لئے کہ آجر کو اس پر ملکیت تامہ حاصل ہے" (شرح مہذب ۲۳/۲)۔

لیکن جو مسئلہ لائق بحث وفکر ہے وہ یہ ہے کہ جو رقم مالک کے پاس بطور ضمانت اور ڈپازٹ کے رکھا جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ بعض فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرہون

Marfat.com

پر قیاس کرتے ہوئے اس کی زکوۃ دونوں میں سے کسی پر واجب نہ ہو کہ مالک مکان کی اس پر ملکیت نہیں ہے اور کرایہ دار کا قبضہ نہیں ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

"مال مرہون میں زکوۃ واجب نہیں، نہ مرتہن پر کہ وہ اس کا مالک نہیں، نہ راہن پر کہ اس کو قبضہ حاصل نہیں" (ردالمحتار ۶/۲)۔

بیع بالوفاء میں علامہ شامیؒ کی رائے یہ ہے کہ خریدار پر زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ قیمت مکان کے عنوان سے جو رقم اس نے بائع کو سپرد کی ہے وہ اصل میں قرض ہے اور مکان کی حیثیت مبیع کی نہیں، بلکہ مال مرہون کی ہے۔

لیکن اسی بیع وفاء کے مسئلہ میں اکثر مشائخ کی رائے ہے کہ زکوۃ بائع کے ذمہ ہوگی نہ کہ خریدار کے (حوالہ سابق)، جب بیع وفاء میں بائع کو مالک شمار کیا گیا ہے تو زیر بحث مسئلہ میں بھی مالک مکان کو اس رقم کا مالک سمجھا جانا چاہئے اور اسی پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

راقم سطور کے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس رقم کو مال مرہون قرار دینا تو مشکل ہی ہے، اس لئے کہ مال مرہون امانات کے قبیل سے ہے اور امانات میں تصرف جائز نہیں اور اس پیشگی رقم میں مالکان مکان تصرف کرتے ہیں، لہذا اس کی حیثیت طویل الاجل دین کی ہے، دین کے بارے میں گو فقہاء نے زکوۃ کے ذیل میں لکھا ہے کہ وہ مدیون کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی، لیکن یہ رائے محض حکماً ہے، حقیقتاً تو دین مدیون کی ملکیت میں آجاتا ہے، گویا مالک مکان اس ڈپازٹ کی رقم کا مالک ہوگیا، اب مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ یہ دین اتنی مقدار مال میں زکوۃ کے لئے مانع ہوگا یا نہیں؟ تو راقم سطور کا خیال ہے کہ جیسے دین مہر کو فقہاء نے موجودہ عرف کی بناء پر وجوب زکوۃ کے لئے مانع نہیں مانا ہے، اسی طرح اس دین کو بھی وجوب زکوۃ کے لئے مانع نہیں ہونا چاہئے اور دوسرے مال کے ساتھ مل کر اس پر زکوۃ واجب قرار دی جانی چاہئے، البتہ جس سال وہ اس رقم کو واپس کرے گا، اس سال کے مال میں سے اتنی مقدار پر

Marfat.com

زکوۃ واجب نہیں ہوگی، زکوۃ کے سلسلہ میں شریعت کا عمومی مزاج بھی اس کے حق میں ہے، صورت حال یہ ہے کہ مالک مکان اس مال میں نفع خیز تصرف کرتا ہے اور اپنی معاشی حیثیت میں اضافہ کرتا جاتا ہے اور اول تو اس رقم کی واپسی کے مواقع کم پیدا ہوتے ہیں، لیکن اگر ایسے مواقع پیدا ہوئے تو مالک مکان کے لئے یہ بہت آسان ہوتا ہے کہ وہ کسی نئے کرایہ دار سے اس سے زیادہ ڈپازٹ کی رقم حاصل کر کے پہلے کرایہ دار کا قرض ادا کر دے، ان حالات میں اس طرح کے مسائل میں محض فقہی جزئیات پر قناعت کر کے کوئی رائے قائم کرنا غالباً صحیح نہیں ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ ان مسائل میں شریعت کے اصول وقواعد اور اس کے مجموعی مزاج و مذاق پیش نظر رکھا جائے، شریعت میں اموال زکوۃ میں زکوۃ کے واجب ہونے اور نہ ہونے کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ مال نامی ہے یا نہیں؟ مال نامی سے مراد ایسا مال ہے جس میں افزائش ونمو کی جا سکے، غیر مقبوض مال پر اسی لئے زکوۃ واجب قرار نہیں دی جاتی کہ مالک اس سے یہ نفع اٹھانے سے قاصر ہوتا ہے۔

اب غور کیا جائے کہ صورت زیر بحث میں کرایہ دار عملاً اس سے یہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، جبکہ مالک مکان افزائش معاش میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے اور اکثر اوقات اسی مقصد سے ڈپازٹ کی رقم حاصل کرتا ہے۔

ان حالات میں غرباء کو ان کے حق سے محروم رکھنا اور اس رقم سے ہر طرح کا معاشی فائدہ اٹھانے کے باوجود اس کو زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دینا شریعت کی رحمت عامہ اور اس کے مزاج و مذاق سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا۔

مدارس اور اداروں کی املاک کا حکم

جس مال کا کوئی متعین مالک نہ ہو، بلکہ مدارس اور ادارے اس کے مالک ہوں، ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، ملک العلماء کاسانی کا بیان ہے:

Marfat.com

"وقف کے مویشی اور گھوڑوں میں زکوۃ واجب نہیں کہ وہ اس کا مالک نہیں، کیونکہ زکوۃ میں مالک بنایا جاتا ہے اور جس چیز کا خود ہی مالک نہ ہو، اس میں دوسرے کو مالک بنانے کا تصور نہیں کیا جاتا" (بدائع الصنائع ۹/۲)۔

مال حرام پر زکوۃ کا حکم

مال حرام کے سلسلہ میں اصل حکم تو یہ ہے کہ اگر اصحاب مال تک رسائی ممکن ہو تو ان کو واپس کر دیا جائے، یہ ممکن نہ ہو تو کل کا کل فقراء پر خرچ کر دیا جائے اور صدقہ کی نیت بھی نہ کی جائے کہ آپ ﷺ نے مال حرام کو صدقہ کا محل قرار نہیں دیا ہے: "لا صدقة في غلول" (ترمذی) مال حرام کو صدقہ نہ کیا ہو، لیکن وہ اس کی حلال کمائی سے ممتاز و مشخص ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں کہ زکوۃ تو اس مال میں ہے جس کا وہ مالک ہو اور یہ شخص اس کا مالک ہی نہیں، لیکن اگر یہ حرام مال، حلال کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو گیا کہ حساب و کتاب محفوظ نہیں رہا، حتی کہ تمیز ممکن نہیں رہی تو یہ گویا اس مال کا "استہلاک" ہے، استہلاک کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ اس مال کا ضامن قرار پاتا ہے، اس لئے اس مال پر اب اس کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور جب وہ اس مال کا مالک ہو گیا تو ظاہر ہے اب اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی۔

اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"اگر سلطان نے مال مغصوب کو اپنے مال کے ساتھ ملالیا، وہ اس کا مالک ہو جائے گا، ں میں زکوۃ واجب ہوگی اور وراثت جاری ہوگی کیونکہ اس طرح مخلوط کر دینا کہ تمیز باقی رہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مال کو ہلاک کر دینا ہے (درمختار علی الرد ۲۵/۲)۔

کیونکہ اپنے دراہم کو دوسرے دراہم کے ساتھ مخلوط کر دینا ہمارے نزدیک استہلاک ہے، صاحبین کے قول پر چونکہ وہ ضامن نہیں ہوتا اس لئے ملکیت بھی ثابت نہیں ہوتی" (ردالمحتار ۵/۲)۔

Marfat.com

شامی ہی نے قہستانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''مال مغصوب میں اور ایسے مال میں کہ بیع فاسد کے ذریعہ اس کا مالک ہوا ہو، زکوۃ واجب نہیں، مال مغصوب سے مراد وہ مال ہے جس کو دوسرے مال کے ساتھ مخلوط نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس کی ملکیت ہی میں نہیں ہے'' (رد المحتار ۲/۵)۔

پس رشوت و بینک انٹرسٹ کا اگر حساب محفوظ نہ ہو اور تمیز دشوار ہو جائے تو اب اس کو شامل کر کے پورے مال کے مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوگی۔

دیون کی زکوۃ

حنفیہ کے یہاں دیون کی نوعیت کے اعتبار سے تین قسمیں کی گئی ہیں: ایک صورت ایسے دین کی ہے جو کسی مال کے عوض میں واجب نہیں ہوتا، جیسے مہر وغیرہ، دین کی یہ صورت اس وقت زیر بحث نہیں ہے، مالی عوض کے طور پر واجب ہونے والے دیون کی دو قسمیں ہیں: ایک سامان تجارت کی قیمت اور اسی حکم میں قرض بھی ہے، اس کو دین قوی کہتے ہیں، اس مال کی زکوۃ دائن پر واجب ہوتی ہے، بہ شرطیکہ وہ مال ضمار کے زمرہ میں نہ آئے، البتہ اس کی زکوۃ مال پر قبضہ کے بعد واجب ہوگی اور گزرے ہوئے دنوں کی بھی دینی ہوگی۔

دین قوی وہ ہے جو مال تجارت کے بدلے واجب ہو، جیسے سامان تجارت، پارچہ جات غلام یا مال تجارت کی کمائی، اس میں زکوۃ واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (بدائع الصنائع ۲/۱۰ نیز ملاحظہ ہو: المبسوط ۲/۱۹۵، رد المحتار ۲/۳۵)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے سامان تجارت کے ساتھ ''بدل قرض'' کا بھی صراحتاً ذکر کیا ہے (فتح القدیر ۲/۱۲۳)، اصل میں سامان تجارت میں زکوۃ واجب ہے، اس لئے زکوۃ واجب قرار دی جاتی ہے۔

Marfat.com

دوسری صورت ان دیون کی ہے جو مال ہی کے عوض میں ہو، لیکن سامان تجارت کی قیمت یا قرض نہ ہو، جیسے استعمالی کپڑے، رہائشی مکان وغیرہ کی قیمت، یہ دین فقہاء کے یہاں ''دین وسط'' سے موسوم ہے، دائن کو گزرے ہوئے دنوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہے، لیکن دین پر قبضہ کے بعد اس میں اور دین قوی کے حکم میں مفتی بہ قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے ہاں صرف اس قدر فرق کیا گیا ہے کہ دین قوی میں نصاب کے خمس حصہ پر قبضہ ہو جائے تب ہی زکوۃ ادا کردینی ہے اور دین وسط میں ایک پورے نصاب کے مقدار رقم حاصل ہو جائے تو زکوۃ ادا کرنی ہوگی، صاحبین کے یہاں جوں جوں رقم ملتی جائے اس کی زکوۃ ادا کرتا جائے، مقدار کی قید نہیں، البتہ کاسانیؒ کے بقول امام ابوحنیفہؒ کی صحیح تر روایت یہ ہے کہ دین وسط میں بھی گزشتہ دنوں کی زکوۃ واجب نہ ہوگی (بدائع ۲/۱۰)، تاہم اکثر کتب میں امام صاحب کی وہی رائے نقل کی گئی ہے، جو پہلے مذکور ہوئی، ظاہر ہے کہ صاحبین کی رائے میں احتیاط بھی ہے اور زکوۃ ادا کرنے والوں کے لئے سہولت بھی۔

اس طرح دین کی ان ہر دو صورتوں میں دائن ہی پر زکوۃ عائد کی گئی ہے۔

البتہ دین کے متوقع الحصول ہونے اور نہ ہونے کا بھی احکام پر اثر پڑتا ہے، حنفیہ کے نزدیک جن دیون کی وصولی متوقع نہ ہو، اگر اتفاق سے وصول ہو جائیں تو ان کے گزرے ہوئے دنوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ بقول صاحب ہدایہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ مال ضمار میں زکوۃ نہیں ہے (فتح القدیر ۲/۱۲۲-۱۲۳)۔ ابن ہمام نے حسن بصریؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی ایسے اموال پر زکوۃ واجب نہ ہونا نقل کیا ہے جن کی وصولی کی امید اٹھ چکی ہو۔

ضمار کی مختلف صورتوں کے ذیل میں فقہاء نے دین قابل وصول اور ناقابل وصول کی صورتیں بھی واضح کی ہیں، چنانچہ ایسا مقروض جو قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کو قرض کا اقرار بھی ہو، اس کے ذمہ واجب الاداء دین کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، اگر وہ تنگ دست ہو

Marfat.com

اور فی الحال اس سے قرض کی واپسی کی امید نہ ہو پھر بھی قول مشہور کے مطابق اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ لیکن حسن بن زیاد کی رائے ہے کہ اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ دائن اس مال سے نفع نہیں اٹھا پا رہا ہے۔ "ليس نصابا؛ لأنه لا ينتفع به" (فتح القدیر ۲/ ۱۲۳) نیز اگر مقروض ایسا دیوالیہ ہے کہ عدالت نے اس کو مفلس قرار دے دیا ہے تو ایسی صورت میں بھی امام محمدؒ کے نزدیک اس دین پر دائن کو زکوۃ ادا نہیں کرنی ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں چونکہ کسی شخص کے دیوالیہ و مفلس ہونے کی بابت عدالت کا فیصلہ بے اثر ہوتا ہے، اس لئے دین پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے (ہدایہ) ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کہ اسلامی عدالت کا نظام مفقود ہے اور ہے تو اس کا دائرہ اثر محدود ہے کسی شخص کے عملاً دیوالیہ ہو جانے پر ہی اس کے مفلس قرار پانے کی بنیاد ہے، گو فقہاء کے یہاں یہ صراحت موجود ہے کہ عدالت سے اس کا فیصلہ نہ ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس دین کی زکوۃ واجب ہوگی (بدائع الصنائع)، مگر ظاہر ہے کہ یہ بات دار الاسلام کے حالات کو سامنے رکھ کر کہی گئی ہے۔

غور کیا جائے تو ان صورتوں میں امام محمدؒ اور حسن بن زیادؒ کی رائیں شریعت کے مجموعی مزاج سے قریب ہیں، نہ اس لئے کہ زکوۃ واجب ہونے میں اصل یہ ہے کہ مال نامی اور افزائش پذیر ہو، اور دیون چونکہ مدیون کے پاس رہنے کی وجہ سے دائن کے حق میں منجمد اور غیر نامی ہے اس لئے قیاس تو یہ ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہی نہ ہو، چنانچہ مال ضمار کو دراصل اسی وجہ سے ہمارے یہاں زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، بہ قول کاسانیؒ:

''اس لئے کہ مال جب مالک کے حق میں ممکن الانتفاع نہ رہا تو اس کی وجہ سے مالک غنی نہیں ہو سکتا''۔

البتہ فقراء کے حقوق اور نفع کی رعایت کرتے ہوئے اسے حکماً نامی تسلیم کیا گیا ہے، تب بھی ان مذکورہ صورتوں میں کہ دین کی وصولی کا امکان کم ہوتا ہے، دائن کے حق میں اس مال کو

Marfat.com

غیر نامی قرار دیا جانا چاہئے۔

اسی طرح مدیون دین سے انکاری ہو، لیکن دائن کے پاس ثبوت فراہم ہو، ایسی صورت میں بھی قول مشہور یہی ہے کہ دائن پر اس دین کی زکوۃ واجب ہوگی (ہدایہ)، لیکن عدالت کی پیروی میں جو سرگرانی ہے، غالباً فقہاء متاخرین کو اس کا تجربہ ہوا ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس صورت میں بھی دائن کو زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیونکہ گواہوں کو شہادت کے لئے تیار کرنا، پھر قاضی سے انصاف کی توقع مشکل ہے اور عدالت میں حاضری کی رسوائی ان سب سے سوا ہے (ملاحظہ ہو: عنایہ علی ہامش الفتح وفتح القدیر ۲/ ۱۲۴)۔

اگر مدیون انکاری ہو اور ثبوت فراہم نہ ہو، تو اب حنفیہ متفق ہیں کہ اس دین پر زکوۃ نہیں، آئندہ اگر خلاف توقع دین وصول بھی ہو جائے تو اس پر زکوۃ نہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۹)، بہر حال یہ ہے کہ وہ دین جو ضمار کے درجہ میں ہو، اس پر زکوۃ نہیں اور ضمار کی حقیقت کاسانیؒ کے الفاظ میں یوں ہے:

وہ مال جس پر ملکیت قائم رہنے کے باوجود اس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا" (بدائع ۲/ ۹)۔

ایسا شخص جو دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو، فقہاء حنفیہ کی متداول تحریروں میں صریحاً غالباً اس کا ذکر نہیں، فقہاء شوافع نے ایسے دین کو غصب کردہ مال کے حکم میں رکھا ہے، امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق ان کی زکوۃ دائن پر واجب نہیں، قول جدید کے مطابق واجب ہے، نوویؒ کا بیان ہے:

"اگر دین کی وصولی متعذر رہو جائے یا مدیون کی تنگ دستی یا اس کے انکار اور گواہوں کے عدم ثبوت یا ٹال مٹول یا مدیون کی عدم موجودگی کی وجہ سے تو وہ مال مغصوب کے حکم میں ہے"۔

اس میں زکوۃ واجب ہونے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، صحیح یہ ہے کہ زکوۃ واجب

Marfat.com

ہوگی (شرح مہذب ۲۱/۶)۔

دراصل فقہاء شوافع کے یہاں عمومی طور پر دیون میں زکوۃ واجب قرار دی گئی ہے، اور دیون کے لئے بھی دین کو مانع زکوۃ نہیں مانا گیا ہے، صاحب ''ہدایہ'' کے حسب روایت مال ضمار میں بھی ان کے ہاں زکوۃ واجب ہے، حنفیہ کا عمومی نقطہ نظر ان اموال کے متعلق جو مالک کے لئے ناقابل انتفاع ہو، یہ ہے کہ ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر دین زکوۃ کا سال گزرنے تک بھی وصول نہ ہو پائے اور اس کی وجہ باوجود مطالبہ و تقاضہ کے محض مدیون کی پہلو تہی ہو، تو دائن پر اس سال اس مال کی زکوۃ واجب نہ ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں ''فتاوی تاتارخانیہ'' کے ایک جزئیہ سے بھی روشنی پڑتی ہے:

''ایک شخص کا والیان حکومت میں سے کسی پر دین ہو، اس کو دین کا اقرار بھی ہو، لیکن دین ادا نہ کرتا ہو، نہ تعدی کرتا ہو، فقہاء کہتے ہیں کہ بارگاہ خلیفہ میں اس سے مطالبہ کرے اگر اب بھی دین وصول نہ ہو تو جس سال دین وصول نہ ہو پائے اس سال کی زکوۃ اس شخص پر واجب نہ ہوگی'' (تاتارخانیہ ۲/۳۰۴)۔

پراویڈنٹ فنڈ

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کا وہ حصہ جو تنخواہ سے کاٹ لیا جاتا ہے، اجرت ہے اور اس پر جو اضافی رقم ملازمت کے اختتام پر دی جاتی ہے وہ انعام ہو یا اجرت، ملازم ابھی اس کا مالک نہیں، اس لئے اس پر گزرے ہوئے دنوں کی زکوۃ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بحث صرف فنڈ کے اس حصہ سے ہے جو ملازمت کے درمیان تنخواہ سے کٹ کر جمع ہو۔

فقہاء کے یہاں اس میں اختلاف ہے کہ اجرت کا شمار کس قسم کے دین میں ہے؟

Marfat.com

سرخسی نے امام ابوحنیفہؒ سے تینوں طرح کے اقوال نقل کئے ہیں، دین قوی، دین متوسط اور دین ضعیف (مبسوط ۲/۱۹۶) تاہم ظاہر روایت یہی ہے کہ اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

''امام ابوحنیفہؒ کے ظاہر روایت کے مطابق اجرت سے پہلے ہی نصاب زکوۃ متصور ہوگی، لیکن جب تک پورے نصاب دوسو درہم پر قبضہ نہ کرلے زکوۃ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی''

(تاتارخانیہ ۲/۳۰۲-۳۰۳)۔

تاہم دین قوی واوسط کی تعریف پر نظر کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کی ان عبارتوں میں صراحت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، غلام ہی کی اجرت مراد ہے، اس لئے کہ دین کی ان دونوں قسموں میں دین کے لئے مال کا عوض ہونا بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ غلام ہی کی خدمت حنفیہ کے یہاں مال کے درجہ میں ہے، اس طرح آزاد کی اجرت دین ضعیف قرار پاتی ہے، جس پر ملازمین کو ملکیت تو حاصل ہے ''ید'' وقبضہ حاصل نہیں ہے، لہذا اس رقم پر گزرے ہوئے دنوں کی زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، مولانا تھانویؒ کے دو متعارض فتاوی میں ان کے حسب ایماء مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی جمیل احمد صاحب نے اسی کو ترجیح دیا ہے کہ اس رقم میں گزشتہ ایام کی زکوۃ واجب نہ ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۴۴-۴۸)۔

حاجت اصلیہ

حاجت اصلیہ کا تعلق دراصل انسان کی شخصی ضروریات سے ہے، ان شخصی ضروریات میں زمانہ ومقام اور اشخاص کے اعتبار سے تفاوت عین فطرت ہے، حاجت اصلیہ کی فقہاء نے جو تعریف کی ہے وہ اس طرح ہے:

''حاجت اصلیہ وہ چیزیں ہیں جو انسان سے ہلاکت کو دور کردیں، یہ کبھی حقیقتاً ہوگا، جیسے نفقات، رہائشی مکانات، آلات دفاع، ٹھنڈک اور گرمی سے بچنے کے لئے کپڑے کبھی معنیً

Marfat.com

وتقدیراً ہوگا، جیسے دین، صنعتی آلات، مکان کے ضروری سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے علمی کتابیں'' (تاتارخانیہ ۲/۲۹۷)۔

بہ ظاہر اس بات سے کہ'' حاجت اصلیہ سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کے ذریعہ ہلاکت سے بچا جا سکے'' احساس ہوتا ہے کہ حاجت اصلیہ کا دائرہ بہت تنگ ہے، لیکن اوپر حاجت اصلیہ کے ذیل میں آنے والی جن اشیاء کا ذکر ہے، ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہاء کے یہاں اس کا کس قدر وسیع تصور ہے، انہوں نے ہلاکت جسمانی کی طرح ہلاکت معنوی کو اسی زمرہ میں رکھا ہے، یہاں تک کہ اہل علم کے لئے کتابوں کو حاجت اصلیہ کا درجہ دیتے ہوئے صراحت کی ہے کہ جہل ان کے لئے ہلاکت ہی کے درجہ میں ہے، ''فإن الجهل عندهم كالهلاك'' (حوالہ سابق)، علامہ کاسانی نے حاجت اصلیہ کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ سامان بقاء اس میں داخل ہے۔

''لأنه من ضرورات حاجة البقاء وقيام البدن'' (بدائع الصنائع ۲/۱۱)۔

(اس لئے کہ وہ قیام جسم اور بقاء انسانی کی ضروریات میں سے ہے)۔

لیکن غیر علماء کے لئے علمی کتابوں کو حاجت اصلیہ میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ طحطاوی کا بیان ہے:

''وكتب العلم لغير أهلها ليست من الحوائج الأصلية'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۸۹)۔

غور کیا جائے کہ فقہاء نے پیشہ ورانہ آلات حرفہ، حفاظتی اسلحے اور موسمی لحاظ سے سرد وگرم لباس، اہل علم کے لئے اس کے موضوع کے مطابق مطالعہ کی کتابیں، جن کو حاجت اصلیہ کے زمرہ میں رکھا ہے، کا تعلق شخصی احوال سے ہے، جس میں تفاوت اور فرق کا پایا جانا فطری بات ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ضروریات زمانہ اور حالات کے لحاظ سے متغیر ہوتی رہیں گی، لباس

Marfat.com

وپوشاک کا معیار بدلے گا، سواری میں فرق ہوگا، رہائشی اور سکونتی مکان میں نقشہ اور سہولتوں کے لحاظ سے فرق واقع ہوگا اور یہ ساری چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گی، البتہ یہ ضرور ہے کہ فقہاء نے ''حاجت'' اور ''تحسین وزینت'' کے درمیان جو فرق کیا ہے، اس کا لحاظ رکھا جائے گا، اور حرمت زکوۃ کا حکم متعین کرتے وقت اس کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ زکوۃ کا مصرف فقراء ومساکین ہیں، حاجت اصلیہ کا دائرہ اتنا وسیع نہ ہوجائے کہ مرفہ الحال لوگ بھی مستحقین زکوۃ کی صف میں آجائیں۔

طویل الاجل ترقیاتی قرضے وجوب زکوۃ میں مانع ہیں یا نہیں

وہ شخص جو اپنی موجودہ مالیت کے اعتبار سے صاحب نصاب ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدیون اور مقروض بھی ہو تو کیا یہ دین زکوۃ واجب ہونے میں مانع ہوگا؟ اگر مانع ہو تو نصاب میں سے دین منہا کرنے کے بعد مقدار نصاب باقی نہ رہے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور منہائی کے بعد بھی نصاب باقی رہ جائے تو اتنی مقدار زکوۃ سے مستثنی ہوگی، اور اگر دین زکوۃ میں مانع نہ ہو تو پھر پورے مال میں زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے دو گروہ ہیں، اکثر فقہاء نے دین کو زکوۃ کے لئے مانع تسلیم کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ تو اس کے قائل ہیں ہی (المغنی ۲؍۳۴۲)، ابراہیم نخعیؒ، سیدنا عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے (موسوعۃ فقہ ابراہیم النخعی ۱؍۵۲۴، موسوعۃ فقہ عمر ۳۵۴، موسوعۃ فقہ عبد اللہ بن عباس ۲؍۱۰، موسوعۃ فقہ الحسن البصری ۲؍۴۷۳)، ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کا قول جدید (جس پر فقہ شافعی میں فتوی ہے)، یہ ہے کہ زکوۃ بہرحال تمام موجودہ اموال میں واجب ہوگی اور دین زکوۃ میں مانع نہیں ہوگا (شرح مہذب)، یہی رائے امام مالکؒ کے استاذ ربیعۃ الرائےؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے استاذ حمادؒ کی بھی ہے (المغنی ۲؍۳۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۳؍۱۹۴)، علامہ ابن حزمؒ نے بھی اپنے مخصوص مزاج کے مطابق بڑے شد ومد سے اس نقطہ نظر کو

Marfat.com

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (المحلی ۴ر۲۲۰)۔

مانعین کی دلیلیں

پہلا گروہ جو دین کو زکوۃ کے لئے مانع قرار دیتا ہے، ان کی حسب ذیل دلیلیں ہیں:

۱- حضرت عثمان غنیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''یہ تمہارے زکوۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے، پس جس کے ذمہ قرض باقی ہو، اسے چاہئے کہ پہلے دین ادا کردے پھر زکوۃ ادا کرے''

(مؤطا امام محمد ۱۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ۳ر۱۹۴، الأموال ۷ ۴۳)۔

۲- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ کسی شخص کے پاس ہزار درہم ہوں اور کسی اور کے اس پر ہزار درہم واجب ہوں تو ایسے شخص پر زکوۃ نہیں (المغنی ۲ر۳۴۲)۔

۳- آں حضور ﷺ نے اغنیاء (مال داروں) پر زکوۃ واجب قرار دی ہے، یہ مضمون متعدد حدیثوں سے ثابت ہے اور جو شخص دین کی ادائیگی کا خود محتاج وضرورت مند ہو اور نادہند ہونے کے جرم میں قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہوسکتا ہو، اس کو کیونکر غنی سمجھا جاسکتا ہے۔

۴- مدیون ہونے کی وجہ سے گویا بہ قدر دین مال پر مالک کی ملکیت ہی قائم نہیں، ظاہر ہے جب مال پر ملکیت ہی نہ ہو تو اس مال کی زکوۃ، کیونکر واجب ہوگی۔

۵- زکوۃ واجب ہو تو ایک ہی مال پر دوہری زکوۃ عائد ہوجائے گی، حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں (البحر الرائق ۲ر۲۱۹)۔

مثبتین کا نقطہ نظر

جن لوگوں نے دین کے باوجود موجودہ مالیت کو دیکھتے ہوئے زکوۃ واجب قرار دی ہے، ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں زکوۃ کی فرضیت کا حکم عام ہے اور ہر اس شخص پر زکوۃ واجب قرار دی گئی ہے جو نصاب زکوۃ کا مالک ہو، مدیون اور غیر مدیون کا کوئی فرق نہیں کیا

Marfat.com

گیا ہے، خود حنفیہ بھی پیداوار کی زکوۃ میں دین کو مانع نہیں مانتے (شرح مہذب)، قریب قریب یہی بات علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی لکھی ہے (المحلی ۴/ ۲۲۰)۔

اصل میں فقہاء شوافع نے زکوۃ میں ٹیکس اور موؤنت کے پہلو کو غالب رکھا ہے، جمہور فقہاء نے عبادت کے پہلو کو غالب رکھا ہے کہ عبادات میں شریعت کا عمومی مزاج سہولت اور تسامح ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں نابالغ اور مدیون کے مال میں زکوۃ واجب نہیں اور شوافع کے یہاں واجب ہے، ان دونوں گروہوں کے دلائل سامنے رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا زکوۃ میں مانع ہونا مزاج شریعت سے زیادہ قریب ہے، ابن رشد کے الفاظ میں:

"الأشبه بفرض الشرع اسقاط الزکوة عن المدیون" (بدایۃ المجتہد)۔

کون سے دیون مانع زکوۃ ہیں؟

جو لوگ دین کو زکوۃ میں مانع مانتے ہیں، ان کے یہاں بھی دین کی مختلف اقسام کی گئی ہیں اور احکام کی تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱- اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ زمین کی پیداوار کی زکوۃ میں دین مانع نہ ہوگا (رد المختار ۲/ ۶، الثمر الدانی القیروانی ۳۳۴، المغنی)۔

۲- مالکیہ نے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کے درمیان فرق کیا ہے کہ اموال ظاہرہ یعنی مویشی اور زمینی پیداوار میں دین مانع زکوۃ نہیں ہوگا، اموال باطنہ، یعنی سونا چاندی اور سامان تجارت وغیرہ میں مانع ہوگا، یہی ایک روایت امام احمدؒ کی بھی ہے (المغنی)۔

۳- حنفیہ کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ دین کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو، یہ زکوۃ کے واجب ہونے میں مانع ہوگا، جیسے کسی شیٔ کی قیمت، اجرت وکرایہ، بیوی کا نفقہ نیز زکوۃ، عشر اور خراج جو کو اللہ کے لئے نکالا جاتا ہے، لیکن اس کا مطالبہ بندوں

Marfat.com

کی طرف سے ہوتا ہے، وہ دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو، وہ زکوۃ واجب ہونے میں مانع نہ ہوگا، جیسے نذر، کفارات اور حج، صدقۃ الفطر، قربانی اور حج کی مطلوبہ قربانی (فتح القدیر ۲/۱۱۸، ردالمحتار ۲/۶، بدائع الصنائع ۲/۶، خلاصۃ الفتاوی ۱/۲۴۰)۔

لیکن اصل میں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ دین کے مانع زکوۃ ہونے میں دین حال اور دین مؤجل کے درمیان کچھ فرق ہے یا نہیں، عام طور پر متقدمین کا رجحان اسی طرف ہے کہ دین ہر صورت میں مانع زکوۃ ہے، فوری ادا طلب ہو یا دیر سے، لیکن مشائخ کا ایک گروہ شروع سے دین مؤجل کے مانع ہونے سے انکار کرتا ہے، خود امام کاسائیؒ کا بیان ہے:

"وقال بعض مشائخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة" (بدائع ۲/۶)۔

علامہ ابن ہمامؒ کہتے ہیں:

"کیا دین مؤجل بھی دین معجل کی طرح مانع زکوۃ ہوگا، حاکم شہید کے طریق میں اس سلسلہ میں کوئی روایت موجود نہیں، اگر ہم کہیں کہ مانع ہوگا تو ایسا بھی ایک قول ہے اور اگر کہیں کہ مانع نہیں ہوگا تو ایک قول ایسا بھی ہے، بیوی کا مہر واجب ہو اور ادائیگی کا ارادہ نہ ہو تو زکوۃ سے مانع نہ ہوگا، تحفۃ الفقہاء میں بعض فقہاء سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے، کیونکہ اس کو دین شمار نہیں کیا جاتا، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر دین مہر مؤجل ہو تو مانع زکوۃ نہیں، کیونکہ عادۃ اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا" (فتح القدیر ۲/۱۱۹-۱۲۰)۔

علامہ شامی نے دین مؤجل کے سلسلہ میں طحاوی سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ایسے دین کو مانع زکوۃ نہیں مانتے تھے، نیز شامی نے قہستانی سے بعض اہل علم کی یہ بات نقل کی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اہل دین زکوۃ واجب ہونے میں مانع نہیں (ردالمحتار ۲/۵)۔

"فتاوی تاتارخانیہ" میں نجم الائمہ سرخسی کے واسطہ سے ان مشائخ سے نقل کیا گیا ہے

Marfat.com

کہ دین مؤجل وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہے۔

"وذكر نجم الأئمه السرخسي عن مشائخه أنه لايمنع" (تاتارخانیہ ۲/۲۹۲)۔

عورتوں کے مہر مؤجل کے سلسلہ میں بھی بعد کے مشائخ کا عام رجحان یہی رہا ہے کہ وہ وجوب زکوۃ میں مانع نہیں، اور بزدوی نے اس رائے کی تحسین کرتے ہوئے کہا ہے: وأنه حسن (ہندیہ ۱/۱۷۳)۔

فقہاء کی ان عبارات سے واضح ہے کہ مشائخ احناف میں ایک قابل لحاظ تعداد ان لوگوں کی ہے جو دین مؤجل کو مانع زکوۃ نہیں مانتے ہیں، خود صاحب مذہب امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کے مطابق منقول ہے اور قہستانی جیسے بلند پایہ فقیہ نے اس رائے کا صحیح ومعتبر ہونا نقل کیا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں معتدل نقطہ نظر

زکوۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ضروری ہے کہ فقہی جزئیات سے پرے اٹھ کر شریعت کے مقصد ومنشاء اور احکام زکوۃ کی روح کو بھی ملحوظ رکھا جائے، ظاہر ہے کہ زکوۃ کے سلسلہ میں شریعت کی روح یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں خدا کے واسطہ سے اس کے غریب بندوں کا حق بھی محسوس کرے اور غرباء پر خرچ کرے، اسی لئے فقہاء کے یہاں یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ جہاں وجوب اور عدم وجوب دونوں پہلو موجود ہو وہاں اس پہلو کو ترجیح دی جائے جس میں فقراء کو فائدہ ہوتا ہو، اب صورت حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں تجارت اور کاروبار کے لئے ترقیاتی قرضوں کا رواج عام ہے جو طویل مدت میں اور آسان اقساط پر ادا طلب ہوتا ہے، مقروض اس پیسہ سے بڑے بڑے معاشی فائدے حاصل کرتا ہے اور یہ رقم اس کے پاس جامد نہیں ہوتی بلکہ گردش میں رہتی ہے اور فقہاء کی زبان میں بالفعل مال نامی کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر اس دین کو زکوۃ سے مانع قرار دیا جائے تو فقراء ہمیشہ اپنے حق سے محروم رہیں گے، اس لئے جیسے متاخرین علماء نے

Marfat.com

بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر عورتوں کے دین مہر کو زکوۃ میں مانع نہیں مانا ہے، یہ بات عین مناسب ہے کہ طویل مدتی استثماری دیون میں ہر سال کی ادا طلب قسط کو اس سال کی زکوۃ کو مستثنیٰ قرار دیا جائے اور باقی مالیت پر زکوۃ واجب قرار دی جائے، اس پر فقہاء کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے جس میں بیوی کے نفقے کے دین کو زکوۃ سے مانع نہیں مانا گیا ہے، اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نفقہ ایک ساتھ واجب نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے۔

"لأنها تجب شيئا فتسقط إذا لم يوجد قضاء القاضي أو التراضي"

(بدائع ۲/۷، امداد الفتاوی ۲/۸۔۹، فتاوی دار العلوم ۶/۴۶)۔

کمپنی پر زکوۃ

مشترک اموال پر زکوۃ صرف مویشیوں کی صورت میں حنفیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے یہاں واجب ہوتا ہے۔ حنفیہ کے یہاں مویشیوں کا اشتراک بھی زکوۃ واجب ہونے میں مؤثر نہیں ہے۔

"قال أصحابنا إذا كان النصاب بين الخلطين لا توجب فيه الزكوة" (تاتارخانیہ ۲/۲۹۷)۔

حصکفی لکھتے ہیں:

"لا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترک من سائمة ومال تجارة وإن صحت الخلطة فيه باتحاد أسباب"۔

اس لئے کمپنی کے شرکاء کی انفرادی حالت کا اعتبار ہوگا نہ کہ پوری کمپنی کا۔

ہیرے اور جواہرات

زکوۃ چونکہ عبادات میں سے ہے اور نصوص نے زکوۃ کے اموال و مقادیر کی تعیین کی

Marfat.com

ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس میں قیاس واجتہاد کو دخل نہیں، زمین سے نکلنے والے معدنیات میں صرف سونا اور چاندی ہی میں زکوۃ واجب ہے، دوسری دھاتیں کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں اگر تجارتی مقصد کے لئے جمع نہ کی گئی ہوں تو ان میں زکوۃ واجب نہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"ولا تجب فیما سواھما من الجواھر أو کالیاقوت والفیروز واللؤلؤ ومھرجان" (درمختار ۲/۳۴)۔

سونے چاندی کے علاوہ دوسرے جواہرات جیسے یاقوت، فیروز، موتی اور مہرجان میں زکوۃ واجب نہیں۔

شارح "نور الإیضاح" کا بیان ہے:

"ولا زکوۃ فی الجواھر واللآلی إلا أن تملیکھا بنیة التجارة کسائر العروض" (مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی/۳۹۱)۔

(جواہر اور موتیوں میں زکوۃ نہیں سوائے اس کے کہ بہ نیت تجارت اس کا مالک ہو ایسی صورت میں دوسرے سامان تجارت کی طرح اس میں بھی زکوۃ واجب ہے)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وأما الیواقیت واللآلی والجواھر فلا زکوۃ فیھا وإن کانت حلیا إلا أن تکون للتجارة" (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۸۰)۔

(یاقوت، موتی اور جواہر میں زکوۃ نہیں گو وہ زیورات کی شکل میں ہوں، سوائے اس کے کہ تجارت کے لئے ہو)۔

ہاں اگر تجارت کی نیت سے یہ معدنیات خریدی جائیں تو اب سامان تجارت ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوگی، اگر خرید کرتے وقت محض رقم کو محفوظ کر دینا مقصود تھا، بعد کو فروخت کر دے تو خیال ہوتا ہے کہ اب بھی اس کا شمار اموال زکوۃ میں نہیں ہوگا۔ طحطاوی کی اس وضاحت

Marfat.com

سے اس سلسلہ میں روشنی حاصل کی جا سکتی ہے:

''اصل یہ ہے کہ سونے چاندی اور مویشی کے علاوہ دوسری چیزوں میں اسی وقت زکوۃ واجب ہوگی جب کہ معاملہ کرتے وقت تجارت کی نیت ہو، اگر معاملہ کے بعد تجارت یا کوئی چیز برائے استعمال خریدی اور ارادہ ہو کہ نفع آجائے تو بیچ دے گا، ایسی صورت میں بھی اس پر زکوۃ واجب نہیں'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۳۹۱)۔

اموال تجارت کی زکوۃ میں کس نرخ کا اعتبار ہوگا؟

سامان تجارت کی زکوۃ میں قیمت خرید کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ سامان کی موجودہ قیمت معتبر ہوگی، البتہ کس وقت کی قیمت معتبر ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس وقت مال پر سال گزرا اور زکوۃ واجب ہوئی اس وقت کی قیمت معتبر ہوگی، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جس وقت زکوۃ ادا کر رہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

''اگر قیمت کے ذریعہ زکوۃ ادا کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم وجوب، یعنی اختتام سال کا اعتبار ہوگا، صاحبینؒ کے نزدیک اس دن کی قیمت کا جس دن مصرف زکوۃ میں اس کو ادا کرے'' (مراقی الفلاح ر ۳۹۱، ہندیہ ۱ر ۱۸۰)۔

''فتاوی تاتارخانیہ'' میں ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے:

''ایک شخص کے پاس تجارت کے دو سو قفیز گیہوں ہوں جس پر سال گزر جائے اس کی قیمت دو سو درہم ہو تو زکوۃ واجب ہوگئی، اگر خود گیہوں سے زکوۃ ادا کرے تو چالیسواں حصہ، یعنی پانچ قفیز ادا کرنا ہوگا، اور اگر چالیسویں حصہ کی قیمت ادا کرنا چاہے تو پانچ درہم ادا کرے گا، اگر ادا نہ کر پائے یہاں تک کہ گیہوں کی قیمت بڑھ گئی اور چار سو درہم ہوگئی تو اگر خود گیہوں سے زکوۃ ادا کرنا چاہے تو بالاتفاق وہی پانچ قفیز ادا کرے گا، اور اگر قیمت ادا کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم وجوب، یعنی جس دن سال تمام ہوا ہے اسی دن کی قیمت کے لحاظ سے پانچ درہم ادا

Marfat.com

کرے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک ادائیگی زکوۃ کے دن کے اعتبار سے دس درہم'' (تاتارخانیہ ۲/۲۴۲)۔

امام شافعیؒ کے یہاں بھی قول صحیح وجدید اس سے قریب ہے، نوویؒ کا بیان ہے:

''اگر زکوۃ کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کی کہ قیمت گرگئی اور بجائے دوسودرہم کے سودرہم ہوگئی تو دیکھا جائے گا اگر یہ اس سے پہلے ہوا کہ زکوۃ کی ادائیگی ممکن ہوتی تو قول جدید اور صحیح کے مطابق ڈھائی درہم (یعنی اسی قیمت کے لحاظ سے) زکوۃ واجب ہوگی اور اگر زکوۃ ادا کرنے میں تاخیر کی اور قیمت چار سودرہم ہوگئی تو اگر قیمت میں یہ اضافہ اس سے پہلے ہوگیا کہ زکوۃ ادا کرنا ممکن ہوسکے، اور ہم کہہ چکے ہیں کہ یہی وجوب ادائیگی کی شرط ہے، قول جدید کے مطابق اسے دس درہم ادا کرنے ہوں گے'' (شرح مہذب ۲/۶۹)۔

خیال ہوتا ہے کہ صاحبینؒ کی رائے زیادہ قابل عمل ہے، اس لئے کہ زکوۃ میں اصلاً تو وہ شیٔ واجب ہوتی ہے جس کی زکوۃ ادا کررہا ہے، قیمت وہ اس کے بدل اور عوض کے بطور ادا کرتا ہے، تو ضرور ہے کہ ادائیگی کے وقت وہ اتنی رقم ادا کردے جس میں اس سامان کا بدل بننے کی صلاحیت موجود ہو، دوسرے فی زمانہ قیمت میں اتار کم ہی ہوتا ہے، قیمت میں اضافہ کی شرح زیادہ ہے تو ادائیگی کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرنے کی صورت میں فقراء کے لئے زیادہ نفع کی توقع ہے اور یہ بجائے خود زکوۃ کے احکام میں ایک اہم وجہ ترجیح ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سونے اور چاندی میں سے اس چیز کے ذریعہ اشیاء کی قیمت لگانے کو کہتے ہیں جن میں فقراء کے لئے نفع ہو۔

اگر تھوک سے فروخت کرنے والی دکان ہے تو ظاہر ہے کہ تھوک کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور ''ریٹیل سیل'' کا کاروبار ہے تو اسی قیمت کا اعتبار ہوگا، دونوں طرح خرید وفروخت کرتا ہو تو ''تقویم بالأ نفع'' کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے پھٹکر قیمت کے لحاظ سے زکوۃ ادا کرے، جو اراضی، زمینیات کے تجارتی کاروبار کے مقصد سے لی جائیں وہ تجارتی سامان ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

اموال زکوۃ میں شامل ہیں، ان کی موجودہ معروف قیمت کے اعتبار سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی، نہ کہ مستقبل میں متوقع قیمت کے لحاظ سے، اوپر فقہاء کی جو آراء ذکر کی گئی ہیں ان کا حاصل یہی ہے۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

شیئرز کے سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کمپنی کا کام فقہی نقطہ نظر سے تجارت اور خرید وفروخت کے ذیل میں آتا ہے یا اجارہ کے دائرہ میں؟ فقہاء کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود خرید وفروخت کے علاوہ اگر ایسی صنعت بھی ہو کہ اس کا اثر مصنوعات میں باقی رہتا ہو جیسے کپڑے کا رنگ، دباغت کا تیل اور مشینوں کی مرمت میں پرزوں کی تبدیلی وغیرہ تو اس کا حکم بھی تجارت کا ہوگا اور ان اشیاء کا شمار بھی سامان تجارت میں کیا جائے گا، اس لئے ان میں زکوۃ واجب ہوگی، کاسانی لکھتے ہیں:

"ایسی چیز جس کا اثر زیر عمل شئ میں باقی رہتا ہو جیسے رنگ، زعفران، چمڑے کو دباغت دینے والی چربی، تو یہ مال تجارت شمار ہوگی" (بدائع الصنائع ۲/۱۲)۔

"کمپنی کے ایسے کاروبار جس میں مشینوں اور آلات کا استعمال اس طرح ہوتا ہو کہ یہ اپنی حالت پر باقی رہیں اور مصنوعات میں تیاری کے بعد ان کا اثر باقی نہ رہے ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی" (تاتارخانیہ ۲/۲۴۰)۔

اسی حکم میں صنعتی آلات ہیں:

"وأما آلات الصناع وظروف أمتعة التجارة لا تكون مال التجارة" (بدائع ۲/۱۳)۔

"اگر دس ہزار درہم میں خرید کیا کہ اس کو لوگوں کو کرایہ پر دے گا اور سال بھی گزر گیا تو اس میں زکوۃ واجب نہیں، اس لئے کہ اس نے اس کو آمدنی کے لئے خریدا ہے نہ کہ تجارت کے لئے، اگر اس کی یہ بھی نیت ہو کہ بعد کو اسے فروخت کردے گا، تو اس کا اعتبار نہیں، یہی حکم بار

Marfat.com

برداری اور سفر کے اونٹوں اور کرایہ کے گدھوں کا ہے'' (تاتارخانیہ ۲/۲۴۱)۔

لہذا جو کمپنی تجارتی کاروبار کرتی ہو اس کے حصص پر زکوۃ واجب ہوگی اور جو کمپنی اس دائرہ میں نہ آتی ہو، اس میں اصل لگایا ہوا سرمایہ تو سامان اجارہ کے حکم میں ہوگا، اور اس کے قدر میں جو اضافہ ہوا ہے وہ نفع متصور ہوگا اور اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی۔

جیسا کہ اموال تجارت کی زکوۃ کے ذیل میں مذکور ہوا، شیئرز میں اس کی موجودہ نرخ کا اعتبار ہوگا جہاں تک باؤنڈز کی بات ہے تو اس کی حیثیت دین قوی کی ہے، اس لئے قرض کی وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی، سود کی شکل میں جو رقم حاصل ہو وہ تو حرام ہونے کی وجہ سے کل کا کل واجب التصدق ہے، لیکن اگر اس شخص نے صدقہ نہ کیا ہو تو پھر اس کا حکم بھی زکوۃ کے باب میں دوسرے اموال حرام کا سا ہوگا، مال حلال کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ سودی رقم کا حساب بھی محفوظ نہ رہے تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق دوسرے اموال کے ساتھ ملا کر اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

Marfat.com

جوابات سوال نامہ بابت زکوۃ

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

ملک تام سے کیا مراد ہے؟

ملک تام کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کی کسی مال پر ملکیت اس طور پر ثابت ہو کہ وہ اس مال مملوک میں حسب مرضی تصرف پر قادر ہو، یعنی شریعت کی حدود میں جب چاہے جو چاہے تصرف کرسکتا ہو، ہمارے فقہاء کی زبان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رقبۃً بھی اس کا مملوک ہو اور یداً بھی، (بدائع ۹/۲، شامی ۴/۲) یعنی اس شئ کی ملکیت اور اس میں تصرف دونوں چیزیں جس آدمی کو حاصل ہوں اس کی ملک تام مانی جائے گی، اسی لئے ان اموال میں زکوۃ نہیں ہے کہ جس میں ملکیت تو پائی جائے، مگر تصرف سے آدمی عاجز ہو، مثلاً جو مال کھو گیا ہو اور اس کا کوئی پتہ نہ چلتا ہو، اسی طرح جو سمندر میں گر گیا۔

پیشگی ادا کردہ قیمت اور غیر موصول مال تجارت کی زکوۃ

۱-خریدار نے اپنا جو مال کسی چیز کے خریدنے کے لئے فروخت کنندہ کے سپرد کردیا وہ خریدار کی ملکیت سے نکل کر فروخت کنندہ کی ملک میں پہنچ گیا، لہذا اس کی زکوۃ خریدار پر نہیں ہوگی۔

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتورا باندہ وسکریٹری برائے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

Marfat.com

۲- خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو جانے اور مشتری (خریدار) کی طرف سے قیمت کے ادا کردینے کے بعد اگرچہ مال تجارت پر خریدار کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مگر جب تک قبضہ نہ ہو یہ ملک تام، یا مطلق نہیں ہوتی، اس لئے کہ قبضہ کے بغیر خریدار اس میں کسی تصرف سے عاجز ہوتا ہے، لہذا اس کی زکوۃ اس پر نہیں ہوگی (شامی ۲/۴)۔

البتہ چونکہ مدار اس کا اس پر ہے کہ آدمی ملک کے بعد بھی تصرف سے عاجز ہو، اس لئے اگر بدون قبضہ بھی تصرف کرسکتا ہو، یعنی جن اموال، یا جن بلاد میں کسی شخص کو محض خریدنے کے بعد پورے مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہو، ان میں چونکہ اس شرط کا تحقق ہوگا، لہذا خریدار کو اس کی زکوۃ دینی ہوگی اگرچہ مال ابھی اس کے شہر، یا اس کے گودام میں نہ پہنچا ہو۔

کرایہ دار کی طرف سے پیشگی رقم، یا ڈپازٹ کی زکوۃ

۱- کرایہ دار جو رقم بطور کرایہ پہلے سے ادا کردیتا ہے وہ اس کی ملک سے نکل کر کرایہ کے سامان کے مالک کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور اس پیشگی کرایہ کی رقم پر اس کی ملک تام ثابت ہوتی ہے، لہذا اس کی زکوۃ موجر، یعنی کرایہ پر سامان دینے والے پر ہوگی۔

۲- جو پیسہ کرایہ دار بطور ڈپازٹ، یعنی زر ضمانت ادا کرتا ہے وہ کرایہ دار کی ہی ملک ہوتا ہے، اس لئے اس کی زکوۃ کرایہ دار پر ہی ہوگی، فقہ حنفی کی کتابوں میں بیع وفاء کی جو صورت معروف ہے اس میں علامہ شامی نے مشتری، یعنی پیسہ دینے والے پر وجوب کو ترجیح دی ہے (شامی ۲/۶)، اور بیع وفاء میں خریدار کی طرف سے دی گئی رقم کی حیثیت ڈپازٹ جیسی ہوتی ہے۔

البتہ اس زکوۃ کی ادائیگی معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے کرایہ دار پر لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس سے پہلے پہلے اس کی حیثیت قرض کے مال کی ہے، جس میں زکوۃ اگرچہ گذشتہ سالوں کی ادا کرنی پڑتی ہے، مگر قبضہ میں آنے کے بعد، اس سے پہلے نہیں۔

Marfat.com

مدارس واداروں کی املاک میں زکوۃ

زکوۃ کی شرطوں سے ظاہر ہے کہ زکوۃ کا وجوب شخصی املاک میں ہوتا ہے، خواہ یہ ملک انفراداً ہو، یا اجتماعاً، قومی وملی املاک محل زکوۃ نہیں ہیں، اس لئے کہ بیت المال میں جمع شدہ اموال میں زکوۃ نہیں ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مال وقف میں زکوۃ نہیں ہے (بدائع ۲/۹، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/۷۴۱، ۷۴۲/۲، و۸/۲۱۹)۔

جمع شدہ مال حرام پر زکوۃ

مال حرام پر اس شخص کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی جس کے قبضے میں وہ جمع ہو رہا ہے، یا جو کسی طرح سے اس کو حاصل کر رہا ہے، جہاں تک سوال ہے خلط کا تو آج کل نوٹ ہی رشوت وسود میں آتے ہیں، ان کی جو حیثیت ہے اس میں خلط کو مؤثر نہ ہونا چاہئے، اور اگر مؤثر بھی ہو تو بھی زکوۃ تو پاکیزہ کمائی والے حصہ میں ہوگی نہ کہ حرام میں، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات وتفصیلات سے ظاہر ہے۔

دین کی زکوۃ کس پر ہوگی؟

۱- دین کی زکوۃ دائن پر ہی ہوگی، اس لئے کہ مال اسی کی ملک ہوتا ہے، البتہ جب تک دائن کا قبضہ نہ ہو تب تک مطالبہ نہیں ہوگا اور قبضہ کے بعد مطالبہ میں تفصیل ہے، اس لئے کہ دین کی مختلف صورتیں واسباب ہوتے ہیں۔

۲- دین کی زکوۃ کسی بھی صورت میں مدیون سے لئے جانے کا سوال ہی نہیں ہے، اگر چہ مدیون اس سے کتنا ہی نفع اٹھائے، اس لئے کہ وجوب زکوۃ کے لئے ملک ایک بنیادی شرط ہے اور دین کا مالک صرف دائن ہوتا ہے، مدیون اس پر قبضہ اور اس میں تصرف کے باوجود بھی اس کا بایں معنی مالک نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے اس پر شرعی مطالبات عائد ہوں۔

Marfat.com

۳- دین کی وصولیابی و ناامیدی کے مسائل کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے:

الف: چونکہ ملک کے ساتھ "تام و مطلق" کی قید لگی ہے، اس لئے اصولی طور پر اسی دین کی زکوۃ واجب ہوتی ہے جس کی وصولیابی اور جس میں تصرف پر آدمی قادر ہو۔

ب: نیز دین پر زکوۃ کی بابت یہ بھی ایک اصولی بات ہے کہ کسی بھی قسم کی دین کی وصولیابی سے پہلے اس کی زکوۃ کا مطالبہ نہیں ہوتا، اگر چہ یہ وصولیابی جزئی ہو اور اسی جزئی وصولیابی پر اس وصول شدہ جزء کی زکوۃ لازم قرار دی جائے۔

ج: اگر کسی دائن کے پاس اس کے دین کے علاوہ کوئی مال موجب زکوۃ موجود ہے جس پر سال گزر چکا ہے تو جو بھی دین آدمی کو حاصل ہو موجود کے ساتھ ملا کر اس کی زکوۃ ادا کرے گا، خواہ دین جس قسم کا ہو۔

د: اور اگر قرض دائن کی رقم کے علاوہ کوئی مال نصاب و موجب زکوۃ دائن کے پاس موجود نہیں ہے تو:

۱- جو قرض و دین اس کا تجارتی ہو، یا نقد لیا دیا گیا ہو اگر وہ بقدر نصاب ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے، پھر اس کے بعد اس کی وصولیابی ہو رہی ہے تو جو مل جائے اس کے حساب سے زکوۃ نکالتا جائے، اس کے لئے نہ وصولیابی کے بعد سال گزرنے کی ضرورت ہے اور نہ بقدر نصاب وصولیابی کی اور نہ ہی کسی مقدار خاص کی (احسن الفتاوی ۴/ ۲۶۳)۔

۲- جو غیر تجارتی دین ہے، مثلاً اپنی ضرورت کا کوئی سامان بیچ دیا تھا تو اگر بقدر نصاب اور سال گذرا ہوا ہے تو جب پورے نصاب کی وصولیابی ہوگی تب ہی زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، البتہ وصول ہونے کے بعد سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔

۳- بعض صورتوں میں وصولیابی کے بعد سال گزرنے کی بھی شرط ہے، اس کا مطلب یہ ہوا، عام طور سے جو لوگوں کا دوسرں پر قرض ہوتا ہے اور وہ تجارتی لین دین کا، یا ضروریات کے

Marfat.com

لئے نقد کے لین دین کا ہوتا ہے، اس میں وصولیابی پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی دینی ہوگی، البتہ دین کی تیسری قسم جس میں مہر کو بھی شمار کیا گیا ہے اس میں وصولیابی کے بعد سال کا گذرنا بھی ضروری ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

اس فنڈ کی جونوعیت ہے کہ وصولیابی سے پہلے آدمی کو اس میں تصرف کا حق نہیں ہوتا، ہاں بطور قرض لے سکتا ہے، مگر پھر واپس کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس کی حیثیت ایک قسم کے دین کی ہے، لہذا وصولیابی سے پہلے اس پر کسی زکوۃ کا مطالبہ نہیں ہوگا، اور وصولیابی کے بعد اگر آدمی کے پاس دوسرا نصاب موجود ہے تو اس کے ساتھ جوڑ کر حولان حول اور نصاب کی قید کے بغیر اس کی زکوۃ دینی ہوگی، اور اگر اس کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا تو جب بقدر نصاب ہو اور سال گذر جائے تب زکوۃ ہوگی، اس لئے کہ فقہاء حنفیہ کے اصول کے مطابق یہ فنڈ دین کی تیسری قسم میں شامل ہے، پھر یہ کہ ملک کے بغیر زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور اجرت پر قبضہ کے بغیر ملکیت ثابت نہیں ہوتی، تو یہ فنڈ آدمی کا حق تو ہے اس لئے کہ معاملہ میں طے کیا گیا ہے، مگر جب تک قبضہ میں نہ آئے یعنی وصول نہ ہو، اس کی ملک نہیں قرار پائے گا (دیکھئے: احسن الفتاوی ۲۶۰/۴، وامداد الفتاوی ۲/ ۴۹-۵۰، جواہر الفقہ وغیرہ)۔

شرط نما

وجوب زکوۃ کے لئے وہ مال جس میں زکوۃ واجب ہو رہی ہو اس کا نامی ہونا ایک بنیادی شرط ہے، ''الفقہ الاسلامی'' میں ہے:

''لأن معنی الزکاة وهو النماء، لا یحصل إلا بالمال النامی'' (الفقہ الاسلامی ۷۴۰/۲)۔

Marfat.com

(یہ شرط اس لئے ہے کہ لفظ زکوۃ کے لغوی معنی ''زیادتی'' کا حصول ایسے ہی مال کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو کہ بڑھنے والا ہو)۔

البتہ اس شرط کے اعتبار کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ واقعۃً وعملاً بڑھ رہا ہو، بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ بڑھنے کے حال میں ہو، اس لئے کہ قدرت نے اس کو ایسا ہی بنایا ہے، جیسے کہ سونا وچاندی اور آج کل روپیہ وغیرہ جو کہ سونے وچاندی کی جیسی حیثیت رکھتا ہے، یا یہ کہ آدمی کی غرض اس مال کو اپنے پاس رکھنے سے یہی ہے، جیسے مال تجارت خواہ وہ سال بھر کے عرصہ میں فروخت ہوا ہو اور کچھ بڑھا ہو، یا یہ کہ اب بھی دوکان میں موجود ہو، یا اس میں آدمی کو گھاٹا ہوا ہو۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس بڑھنے کا تعلق خود اس شئ سے ہو جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، نہ کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے، یہ بات اس لئے کہی جارہی ہے کہ آج کل بعض حضرات نے کرایہ کے ذریعہ بنائی جانے والی املاک کو مال نامی میں شمار کیا ہے اور ان کی حیثیت دیگر اموال نامیہ کی قرار دی ہے، حالانکہ عام طور سے فقہاء اس کی نفی کرتے رہے ہیں، یا کرتے ہیں، امام احمدؒ نے اگر کرایہ کا ذریعہ بنائے جانے جانے والے زیور پر زکوۃ واجب قرار دی ہے تو اس کے سونا اور چاندی ہونے کی وجہ سے اور ذاتی استعمال میں نہ ہونے کی وجہ سے، پھر یہ کہ فقہاء نے منصوص اشیاء کے علاوہ محض اموال تجارت میں زکوۃ کو ذکر کیا ہے اور اسباب نماء میں تجارت کے ساتھ توالد وتناسل کو ذکر کیا ہے، کرایہ کا تذکرہ تو بظاہر کہیں ملتا نہیں۔ (فقہ الزکاۃ میں نماء کی شرط پر گفتگو کرتے ہوئے ۱ر۱۳۹ پر سطر ۱۹ر میں نماء حقیقی کی تعریف میں شامی سے بحوالہ ''بحر'' نقل کیا ہے: ''الحقیقی الزیادۃ بالتوالد والتناسل والتجارات ونحوھا''۔ اس عبارت میں ''ونحوھا'' کا لفظ نہ شامی میں آیا ہے اور نہ بحر میں اور نہ بظاہر یہ لفظ احناف کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، اللہ بہتر جانے کہ یہ کہاں سے آگیا)۔

Marfat.com

تیسری شرط حاجت اصلیہ

یہ صحیح ہے کہ شرعاً اسراف و تنعم پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ کسی نص میں یہ بات نہیں آئی ہے اور نہ فقہاء کی تصریح میں کہ آدمی کے کھانے پینے کا اور پہننے واوڑھنے کا ایک معیار متعین ہے، وہی حاجت ہے اور ماسوا اس سے زائد ہے، بلکہ تفصیلات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مال زکوۃ میں ایجاب زکوۃ کے لئے دوسری شرطوں کے ساتھ یہ مطلوب ہے کہ کھانے وپینے، پہننے واوڑھنے، رہنے وسہنے کی ضروریات میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد آدمی کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو، شروع سال میں بھی اور اخیر میں بھی، یا یہ کہ سال بھر کی ضرورت میں صرف کیے جانے والے مال سے الگ نصاب اس کے پاس موجود ہو۔

مثلاً ایک آدمی کے پاس یکم محرم کو بقدر نصاب مال زکوۃ موجود ہے اور جب سال ختم ہوا تو سال بھر اسی مال کی آمدنی و نفع، یا اصل کو خرچ کرنے کے بعد بقدر نصاب مال اس کے پاس موجود ہے، یا یکم محرم کو اس کے پاس دو نصاب موجود ہیں، ایک اس نے رکھا ہے سال بھر کی ضروریات میں صرف کرنے کے لئے اور ایک زائد ہے تو دونوں صورتوں میں اس کے پاس ضرورت سے فاضل وفارغ نصاب موجود ہے۔

نیز شریعت ایجاب زکوۃ کے لئے صرف یہ دیکھتی ہے کہ آدمی کے پاس شروع سال واخیر میں بقدر نصاب مال زکوۃ موجود ہے، اس نے اس درمیان کتنا کمایا اور کہاں کہاں؟ کیا اور کیسے صرف کیا اس سے بحث نہیں ہوتی، البتہ دوسری صورت جو ذکر کی گئی ہے اس میں ضروریات کے لئے محفوظ کیے جانے والے سرمایہ میں آدمی کا جو واقعی معیار ہو اسے اس کی رعایت کرنی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ہر شخص کے کھانے اور پینے کا معیار الگ الگ ہوتا ہے جب شریعت نے اس میں پابند نہیں بنایا ہے تو کسی زمانہ و ماحول کی بھی پابندی نہیں ہوگی، کتب فقہ کی تصریحات سے ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔

Marfat.com

دین اور زکوۃ

اگر آدمی مالدار ہونے کے ساتھ مدیون ہو تو زکوۃ کا کیا حکم ہے؟ تفصیل گذر چکی ہے، اور فقہاء کی تصریحات سے کوئی فرق اس اعتبار سے سمجھ میں نہیں آتا کہ قرض طویل المدت ہو تو سالانہ قسط کا شمار کر کے باقی پر زکوۃ ہو، بلکہ دین کی پوری رقم سے زکوۃ ساقط ہوگی اگر چہ معاہدہ کے مطابق دسیوں سال بعد پورے قرض کی ادائیگی کی نوبت آئے۔

کمپنی پر زکوۃ

ایجاب زکوۃ کے لئے ہر فرد کے انفرادی حصہ کا بقدر نصاب ہونا ضروری ہے۔

ہیرے اور جواہرات

ہیرے وغیرہ جب تجارت کے لئے نہ ہوں تو بالاتفاق زکوۃ نہیں ہے (شامی ۲/ ۱۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۵۹۵)، اس لئے کہ یہ سونے وچاندی کی طرح طبعاً اموال نامیہ میں سے نہیں ہیں، لہذا ان میں نما کے تحقق کے لئے ان کی تجارت ضروری ہے، اس کے بغیر یہ نامی نہ ہوں گے اور مال کا نما ہونا وجوب زکوۃ کی ایک بنیادی شرط ہے۔

اموال تجارت پر زکوۃ

۱- اموال تجارت کو زکوۃ میں خرید وفروخت کے بجائے بازار کے بھاؤ وقیمت کا اعتبار ہوگا، اور جب زکوۃ ادا کرنے کی نوبت آئے اس دن جو قیمت ہو اس کا شمار کیا جائے گا (اس پر اہل فتوی اور فقہاء کا اتفاق ہے، (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۹۲)) اور تھوک وپھٹکر میں تاجر کے حال کا لحاظ کیا جائے گا، اس لئے کہ بازار میں دونوں کا شرح الگ الگ ہوتا ہے۔

۲- جب زمین کی تجارت کی جائے تو وہ بھی دیگر اموال تجارت کا حکم رکھے گی: "سواء

Marfat.com

كان مال التجارة عروضا أو عقارا الخ" (بدائع ۲/۲۰) اور اس میں بھی اگر علاقے کا کوئی معیار ہو تو اسی معیار کے مطابق زمین کی قیمت جوڑی جائے گی، یا پھر کم سے کم دام جو تاجر نے طے کرلیا ہے کہ اس سے کم نہیں کرنا ہے، جیسے کہ عام اموال کی تجارت میں پھٹکر فروخت کرنے والوں کے حق میں اس کو معیار بنایا جاسکتا ہے (متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے، یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس پر فروخت کیا جائے (امداد الفتاوی ۲/۴۸))۔

شیئرز پر زکوۃ

شیئرز پر بھی زکوۃ ہے اور بوقت ادائیگی زکوۃ کی جو قیمت ہو اس کا اعتبار ہوگا، ادا کردہ قیمت سے زائد ہونے والی رقم نفع ہے اور تجارتی سرمایہ واموال میں اصل ونفع سب پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

البتہ عام رجحان یہ ہے کہ شیئرز کے صرف اس حصے پر زکوۃ ہوگی جو تجارتی کاروبار میں صرف کیا جارہا ہو اور اس کا جو حصہ کمپنی کی ضرورت کی عمارت وآلات میں صرف ہوا اور لگایا گیا ہو اس حصے میں زکوۃ نہیں ہوگی، اسی طرح انہیں کمپنیوں کے شیئرز میں زکوۃ ہوگی جو کہ تجارت کرتی ہیں اور جو کمپنیاں شیئرز سے املاک حاصل کرکے ان کے ذریعہ کاروبار کرتی ہیں کہ ان املاک کو کرایہ پر دیتی ہیں ان کے شیئرز پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

دوسرا رجحان بعض علماء عصر کا یہی ہے کہ شیئرز پر زکوۃ بغیر کسی تفصیل کے ہے، اس لئے کہ اس وقت کے عرف میں ''شیئرز'' خود ایک سامان تجارت کی حیثیت رکھتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ: فقہ الزکوۃ ۱/ ۵۲۳-۵۲۶)، اور اسی حیثیت سے ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے، لوگ خرید وفروخت میں ان کی مجموعی حیثیت کو دیکھتے ہیں اور تفصیلات کے درپے نہیں ہوتے اور واقعہ یہی

Marfat.com

ہے کہ اس وقت عرف نے خود شیئرز کو ایک مال سامان کی حیثیت عطا کردی ہے، اس لئے اس رجحان کو قبول کیا جاسکتا ہے، جبکہ اس کے مطابق زکوۃ کی ادائیگی میں سہولت بھی ہے اگرچہ تجارتی کمپنیاں کس قدر آلات واسباب میں اور کس قدر سامان تجارت میں لگاتی ہیں، اس کے جاننے میں بھی اس لئے زحمت نہیں ہے کہ کمپنیاں پوری تفصیل شائع کرتی رہتی ہیں، اور شیئرز کے مالکان کو پوری تفصیل سے باخبر رکھتی ہیں، اس لئے آدمی آسانی کے ساتھ تفصیل سے واقف ہوکر شیئرز کی زکوۃ دے سکتا ہے، لیکن زیادہ آسان یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز کی پوری رقم پر اجمالاً اور مجموعی طور پر زکوۃ نکالی جائے۔

باونڈس کی زکوۃ

باونڈ میں لگائی گئی رقم قرض ہوتی ہے اور فقہاء حنفیہ کی تفصیل کے مطابق یہ دین دین قوی ہوگا، اس لئے وصولیابی پر بشرط نصاب گذرے ہوئے سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی، لیکن اس میں لگائے گئے اصل سرمایہ کی اس پر جو مزید رقم آدمی کو ملتی ہے وہ سود ہے اس پر زکوۃ نہیں ہوگی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲؍۷۷۴)۔

سونے وچاندی میں سے اصل نصاب

زکوۃ سے متعلق نصوص اور عام فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جیسے سونا وچاندی میں سے ہر ایک خلقۃً، طبعاً، اور استعمالاً ثمن ہے اسی طرح نصاب زکوۃ میں بھی دونوں میں سے ہر ایک کا نصاب مستقل ہے، جیسے جانورں کا نصاب مستقل ہے دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر متفرع نہیں ہے، دیت کی بابت بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اصل اونٹ تھا، لہذا اس کی قیمت کو معیار بنا کر کمی وبیشی کی گئی (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الدیات، الفصل الثانی ۳۳ و ۲۴، متعدد روایات ہیں جو کہ صراحۃً یا دلالۃً اس مضمون کو بتاتی ہیں)۔ مگر

Marfat.com

سونے وچاندی کے نصاب کے متعلق احقر کا خیال ہے کہ کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے، بلکہ صورت حال یہ ہے کہ چاندی کے نصاب سے متعلق نصوص زیادہ ہیں، اور وہ قوت میں بھی فائق ہیں، اسی لئے چاندی کا نصاب اتفاقی ہے اور سونے کے نصاب کی بابت کچھ اختلاف رہا ہے، بلکہ مشہور تابعی حضرت عطاء کا بیان تو یہ ہے کہ اس عہد میں چاندی ہی زیادہ رائج تھی، یعنی دراہم نہ کہ دینار (فقہ الزکوۃ ۱/۲۴۶ تا ۲۵۱)۔

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک مستقل ہے، لہذا جہاں جس کے نصاب میں فقراء کا فائدہ ہو، یعنی آدمی صاحب نصاب قرار پائے وہیں اس نصاب کا اعتبار ہوگا، اگر چہ دونوں کے نصابوں کی قیمتوں میں تفاوت فاحش پایا جاتا ہو، جیسا کہ آج کل عام طور سے ہے اور چونکہ چاندی کے نصاب کی مالیت ہر عہد میں کم رہی ہے (ابتدائی عہود کو چھوڑ کر)، اس لئے علماء کا عام رجحان چاندی کے نصاب اور اس کی قیمت کے اعتبار کا رہا ہے، اور ہے، اور اس باب میں ''انفع للفقراء'' کے اعتبار کا قاعدہ کتب فقہ میں اور فقہاء کے یہاں عام ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۶۱، شامی ۲/۳۱ تا ۳۴)۔

مصارف زکوۃ

طلباء کو ماہانہ وظیفہ

سوال میں مذکورہ نظام کے مطابق طلبہ کو ماہانہ رقم بطور وظیفہ دینا اور پھر ان کے واجبی مصارف میں صرف کے لئے اس رقم کا مدرسہ میں ان سے جمع کرانا، بظاہر اس میں کوئی اشکال معلوم نہیں ہوتا، بلکہ زکوۃ کی رقم کو صحیح طور پر صرف کرنے کی اس سے بہتر و بے داغ کوئی شکل سمجھ میں نہیں آتی، آج کل دنیوی تعلیم میں رہائش و تعلیم کا خرچ عام ہے، دینی تعلیم میں بھی بہت سے لوگ ان امور پر خرچ کرتے ہیں یا اس کا مزاج رکھتے ہیں، اس لئے مستطیع طلباء سے رہائش و تعلیم کے مصارف لئے جاسکتے ہیں، نیز ان سے جو مصارف لئے جاتے ہیں ان کی استطاعت کے

Marfat.com

مطابق ان میں کمی بھی کی جاسکتی ہے، مثلاً یہ کہ وہ صرف طعام کے مصارف تو اپنے پاس سے دیں اور باقی مصارف مدرسہ سے لے کر جمع کریں۔

اہل مدرسہ کس کے وکیل؟

عملاً اور واقعۃً تو اہل مدارس کے لئے نہ زکوۃ دہندگان کی طرف سے توکیل پائی جاتی ہے اور نہ مستحقین کی طرف سے، ہاں کبھی کبھی دینے والے ایسی باتیں، مثلاً ہم آپ کو دے رہے ہیں مصرف میں صرف کے آپ ذمہ دار ہیں کہہ دیا کرتے ہیں، اس لئے یہ توکیل انتظاماً اور کام چلانے کے لئے ہے، بعض اکابر دیوبند کی تحریرات میں طلباء کی طرف سے توکیل کی بات ملتی ہے، مفتی شفیع صاحب نے بھی اخیر میں اس کی طرف، رجوع کرلیا تھا، لیکن اس کے بعد بھی اہل مدرسہ کی طرف سے طلباء کے ہر قسم کے مصارف میں براہ راست زکوۃ کی رقم کا لگانا محل تأمل ہے، مثلاً رہائشی ضرورتوں میں جب کہ وہ رہ کر چلے جائیں گے اور یوں وہ مالک تو بنیں گے نہیں، بیت المال کے نظام میں بظاہر اس انداز کی کسی شکل میں زکوۃ کے مال کا صرف کرنا معلوم نہیں ہوتا، کم از کم مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تحریر کے مطابق دینے والوں کے بعد عدم واپسی اور جمع شدہ مال میں عدم وجوب زکوۃ کی حد تک تو یہ بات قبول کرہی لینی چاہئے، اس طرح جب تک مال زکوۃ صرف نہ ہوتب تک عدم ادائیگی زکوۃ کی مالیت بھی، یعنی یہ کہ ذمہ داران وکیل طلباء ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے قابض ہوئے، لہذا دینے والوں کی زکوۃ ادا ہوگئی اور نہ ان کا کوئی حق باقی رہا اور نہ ہی ذمہ داری، باقی اس قبضہ کو مکمل طور پر طلباء کا قبضہ مان لینے اور پھر ہر قسم کے مصارف میں صرف کرنے میں ضرورت غور تحقیق کی ہے، جن حضرات کی تحریرات سے سند پکڑی جاتی ہے، ان کی نیز دوسرے عام ارباب افتاء کی تصریحات تو یہی ہیں کہ اہل مدرسہ کو مال زکوۃ طلباء کے ہاتھ میں ہی ان کی ضروریات کی صورت میں دینا چاہئے، مثلاً

Marfat.com

کھانا و کپڑا وغیرہ اور ادارے کی دوسری ضروریات میں ان کے واسطے سے بطور تملیک رقم کو خرچ کرنا چاہئے۔

بہر حال یہ اہل مدارس کی ضروریات کے لئے غیر مفید ولغو حیلے کے بجائے ایک مفید ومناسب توجیہ ہے، کچھ لوگ اس پر عمل بھی کر رہے ہیں، مگر ضرورت تنقیح وتحقیق کی ہے۔

عاملین زکوۃ اور ان کا معاوضہ

الف- عاملین زکوۃ حکومت مسلمہ کے کارندے ہوتے ہیں اور اس واسطے سے وہ فقراء کے وکیل ہوتے ہیں، اہل مدارس کو بھی اگر فقراء کا وکیل مان لیا جائے تو سفراء ومحصلین چندہ ان کے کارندے ہوں گے، اور ان کو ان کے عمل کے عوض زکوۃ کا دینا درست ہوگا، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے متعدد فتاوی میں اور قوت کے ساتھ سفراء کا مال زکوۃ میں سے ان کے عمل کا معاوضہ دینے کو ذکر کیا ہے، لیکن صرف اسی حد تک انہوں نے گنجائش دی ہے، مزید صرف میں دیگر ارباب افتاء کی طرح انکار یا تملیک وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے (کفایت المفتی ۲۶۱/۴-۲۶۹)۔

ب- یہ معاوضہ متعین مشاہرہ ہونا چاہئے، کمیشن درست نہیں ہے، حدیث قفیز طحان کی صحت وقوت کی وجہ سے اور ان عقلی وجوہ کی بناء پر جو فقہاء نے قفیز طحان کی حدیث کے سلسلہ میں بیان کی ہے۔ کمیشن پر چندہ سے متعلق احقر کے مبسوط مقالے کا مطالعہ کیا جائے۔

ج- مشاہرہ، یا فیصد کی بنیاد پر معاوضہ (اگر اس کی کوئی جائز شکل بنتی ہو) اس کی شرعاً تحدید ہے وہ ہے کام کرانے والے کی ضرورت اور کفایت کی رعایت، اور اس بنیاد پر اس کو اس کے حال ومعیار کے مطابق متوسط معاوضہ دیا جائے جس میں نہ تو انتہائی تنگی سے کام لیا جائے کہ معاملہ تقتیر کی حد میں داخل ہو جائے اور نہ اتنی سخاوت سے کہ معاوضہ تعذیر کی حدوں کو بھی تجاوز کرنے لگے، فقہاء ومحققین نے عامل زکوۃ کے حق میں اس کی وضاحت کے ساتھ تصریح کی ہے

Marfat.com

(معارف القرآن ۴/۳۹۸ بحوالہ احکام القرآن للجصاص والقرطبی)، امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرؓ وغیرہ سے اسی کو نقل کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے (تفسیر طبری ۱/۱۱۱-۱۱۲، الفقہ الاسلامی ۲/۸۷۱-۸۷۷)، البتہ احناف کے یہاں یہ قید ہے کہ اگر عامل کی ضروریات نصف سے زائد کی متقاضی ہوں تو نصف سے زائد نہیں دیں گے (شامی ۲/۵۹-۶۰)، بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص متوسط معاوضہ لیکر کام کرنے پر تیار ہو اسی سے کام لیا جائے۔

د- جو لوگ سفراء کو عاملین کے تحت داخل مانتے ہیں ان کے قول پر زکوۃ کی آمد و خرچ کا حساب کرنے والوں کو صرف اس کام کا معاوضہ زکوۃ کی رقم سے دیا جا سکتا ہے، مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتوی کی روشنی میں، نیز اہل مدرسہ کو طلباء کا وکیل قرار دینے پر بھی درست ہے۔

ہ- احتیاط اس میں ہے کہ جب چندہ کرنے والوں اور حساب لکھنے والوں کا کام زکوۃ کے علاوہ دوسری مدوں کی رقوم سے متعلق بھی ہوتا ہے، اور یوں بھی عاملین زکوۃ میں واقعۃً جو بات پائی جاتی ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی، زکوۃ کی رقم سے براہ راست ایسا کوئی کام کرنے والوں کو ان کے کام کا معاوضہ نہ دیا جائے۔

خلاصہ بحث

- ☆ ملک تام سے کیا مراد ہے: اپنے مملوکہ مال میں حسب مرضی تصرف پر قادر ہونا۔
- ☆ پیشگی ادا کردہ قیمت کی زکوۃ خریدار پر نہیں ہوگی، بلکہ فروخت کنندہ پر۔
- ☆ غیر موصول مال تجارت کی زکوۃ ملک تام نہ ہونے کی بناء پر خریدار پر نہیں ہوگی اور یہ کہ وہ قبضہ کے بغیر تصرف میں آزاد ہوگا۔
- ☆ پیشگی کرایہ کی رقم کی زکوۃ مالک مکان وسامان پر ہوگی۔
- ☆ ڈپازٹ کی رقم کی زکوۃ کرایہ دار پر ہوگی، مگر رقم کے واپس ہونے کے بعد۔
- ☆ مدارس وغیرہ کی املاک پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

Marfat.com

☆ مال حرام پر زکوۃ نہیں ہے۔

☆ دین کی زکوۃ صرف دائن پر ہوگی اور دین کی واپسی کے بعد اگر اس کے علاوہ اس کے پاس نصاب ہے تو اس کے ساتھ ملا کر اور اگر دین ہی نصاب ہے تو عام قرض وتجارتی دین میں جو وصول ہو اس پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوۃ ہوگی، اور بعض صورتوں میں تفصیل ہے۔

☆ پراویڈنٹ فنڈ کا حکم زکوۃ میں قرض کا ہے اور اس قسم میں شامل ہے جس میں زکوۃ وصولیابی کے بعد سال گذرنے پر ہوتی ہے، اگر کوئی دوسرا مال موجب زکوۃ موجود نہ ہو۔

☆ شرط نما: وجوب زکوۃ کے لئے نما، یعنی مال کی بڑھوتری ایک بنیادی شرط ہے، خواہ یہ بڑھوتری اس لئے مانی جائے کہ مالک نے مال کے ساتھ ایسی صورت ونیت اختیار کر رکھی ہے، مثلاً تجارت، یا یہ کہ وہ طبعی طور پر ایسی ہو کہ تجارت ومعاملات کی روح ہو، جیسے سونا وچاندی وغیرہ۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ

حاجت اصلیہ کا مطلب ہے آدمی کی سال بھر کی کھانے، پینے وپہننے، اوڑھنے، رہنے، سہنے کی واقعی ضروریات میں جو کچھ صرف ہو جائے، یا اعتدال کے ساتھ جو کچھ صرف کرنے کے لئے طے کیا جائے اس میں اشخاص وازمان کا اختلاف ہوسکتا ہے۔

کمپنی پر زکوۃ

شرکاء پر ہوگی، جبکہ ہر ایک کی ملک بقدر نصاب ہو یا ان پر جن کی ملک بقدر نصاب ہو۔

ہیرے اور جواہرات اور ان جیسی چیزوں پر جب استعمال ہوں تو نما کی شرط کے فقدان کی وجہ سے زکوۃ نہیں ہے۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوۃ

جو بھی مال تجارت ہو، خواہ زمین ومکان بشرط نصاب اس پر زکوۃ اور ادائیگی کے دن کی مالیت اور قیمت کے حساب سے۔

شیئرز پر زکوۃ

شیئرز کی مالیت پر زکوۃ ہے، مگر اس حصہ پر جو تجارت میں مصروف ہو اور آج کے عرف میں یہ خود مال تجارت ہیں، اس لئے اجمالی ومجموعی رقم پر بھی زکوۃ ہوسکتی ہے۔

باؤنڈس پر زکوۃ

اصل رقم پر ہوگی اور مال قرض پر زکوۃ کے ضابطہ کے تحت، اس لئے کہ یہ رقم قرض ہوتی ہے۔

سونے وچاندی میں اصل نصاب

سونے وچاندی میں سے ہر ایک نصاب کے باب میں مستقل ہے اور شارع نے دونوں کی استقلالاً تعیین کی ہے، ایک کی دوسرے پر بنا کرتے ہوئے نہیں۔

طلباء کو ماہانہ وظیفہ

وظیفہ کی شکل میں زکوۃ ان کے جملہ مصارف کو جوڑ کر دی جاسکتی ہے۔

اہل مدرسہ کی وکالت

یوں تو سرمایہ داروں کی طرف سے مانی جاتی ہے، مگر اکابر کی ایک جماعت طلباء کا وکیل مانتی ہے۔

Marfat.com

عاملین زکوۃ

الف- سفراء مدارس کو مفتی کفایت اللہ صاحب زکوۃ سے تنخواہ و معاوضہ دینا جائز کہتے ہیں اگر اہل مدارس کو فقراء و طلباء کا وکیل مان لیں تو دوسرے حضرات کے نزدیک درست ہے۔

ب- لیکن معاوضہ متعین مشاہرہ ہونا چاہئے۔

ج- معاوضہ کی تعیین میں کام کرنے والوں کی ضرورت کا اور محنت کا لحاظ کیا جائے۔

د- گنجائش دینے والوں کے قول پر زکوۃ کا حساب کرنے والوں کو بھی زکوۃ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

زکوۃ کے مسائل

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے پانچویں سمینار منعقدہ ''اعظم گڈھ'' میں زیر بحث لانے کے لئے جن مسائل کو موضوع قرار دیا ہے، ان میں ایک مسئلہ زکوۃ بھی ہے۔

بلا شبہ ان سے متعلق جتنے بھی سوالات ترتیب دیئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ اہم اور افادیت کے حامل ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی مسائل ہیں جو اپنی جگہ معروف ومعلوم اور کتب فقہ میں مصرح موجود ہیں، جس میں نہ اختلاف رائے کی کوئی گنجائش محسوس ہوتی ہے اور نہ دور حاضر میں وہ کسی نئے اجتہاد اور غور وفکر کے محتاج نظر آتے ہیں، اس طرح انہیں زیر بحث لانے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس کے علاوہ ان میں ایسے بھی سوالات نظر آئے جن کے متعلق اختلاف رائے بہر حال لازمی ہے، کیونکہ اس کے سلسلے میں خود حضرات ائمہ کے مختلف اقوال صراحۃً ہماری کتب متداولہ میں منقول ملتے ہیں، مثلاً مبیع قبل القبض کی زکوۃ مشتری پر واجب ہوگی یا نہیں۔

اس لئے ایسے مسائل میں تو ''اختلاف العلماء رحمة'' کے پیش نظر اسے مبتلی بہ کی ذاتی وشرعی ذمہ داری پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ وقت ضرورت متدین علماء اور معروف صاحب فتوی، فقہاء کی طرف رجوع ہوکر ان کے فتوی پر عمل کرتا رہے، اپنے اس خیال واحساس اور مذکورہ

☆ صدر المدرسین اشرف العلوم کنہواں (بہار)۔

Marfat.com

بالا رائے کے اظہار کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ سے متعلق بعض خاص سوالات کے سلسلے میں اپنے محدود مطالعہ وتحقیق کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا اور جس طرف اپنا رجحان ہوا اسے پیش کردوں:

۱- ایک تاجر بغرض تجارت بیع وشراء کرتا ہے، اور مشتری قیمت سپرد کر دیتا ہے، لیکن مبیع اس کے قبضہ میں نہیں آتی ہے تو بائع پر اس مقبوضہ ثمن کی زکوۃ بشرط نصاب وحول بہر حال لازم ہوگئی۔

لیکن مشتری پر اس مبیع غیر مقبوضہ کی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں اس میں فقہاء کی عبارتیں خود مختلف ہیں۔

اپنا خیال یہ ہے کہ اس میں قبضہ کے قبل تو زکوۃ واجب الاداء نہ ہوگی، مگر بعد القبض سنین ماضیہ کی زکوۃ بھی بشرط نصاب وحول واجب الاداء ہوگی، کیونکہ یہ بہر حال مال تجارت کے بدل کے طور پر مشتری کا ایک دین بذمہ بائع رہتا ہے جو دین قوی کے حکم میں ہے اور دین قوی میں حسب تفصیل فقہ بعد القبض سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب ہوا کرتی ہے۔

۲- کرایہ دار جو رقم بطور اجرت معجلہ مالک مکان کے حوالہ کرتا ہے، اس کی زکوۃ تو مالک پر بشرط نصاب وحول لازم ہو جائے گی۔

"لأنه ملک الأجرة بالتعجيل كلها" (بحر الرائق ۲/۲۱۹)۔

"وإذا عجل الأجرة لا يملک الاسترداد" (شامی ۶/۱۰)۔

جیسی فقہی عبارتوں کا یہی مقتضا ہے۔

البتہ وہ رقم جو بطور ڈپوزٹ اور زر ضمانت، کرایہ دار جمع کرتا ہے اس کی زکوۃ بشرط نصاب وحول خود کرایہ دار پر واجب ہوگی اور سنین ماضیہ کی بھی ہوگی، کیونکہ یہ رقم یا تو امانت ہے یا بعد الاذن تصرف کے سبب قرض، ورنہ کالمغصوب، بہر حال جب اس کی واپسی کا ظن غالب ہوگا

Marfat.com

تو دین قوی کا حکم رہے گا، ورنہ مال ضمار کا حکم۔

اس رقم کو کالمرہون کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک حق ثابت اور دین موجود کو ممکن الاستیفاء اور سہل الحصول بنانے کے لئے جس چیز کو صاحب حق اپنے پاس محبوس کرتا ہے وہ شئ مرہونہ بنتی ہے، یہاں مالک مکان کا کوئی حق یا دین فی الحال کرایہ دار پر ثابت وموجود نہیں، وصولی کرایہ کا حق تو حسب شرائط مہینہ اور سال کے اختتام پر ثابت ہوگا، ڈپوزٹ کی رقم صرف اس احتمال وامکان کی بنیاد پر جمع کی اور کرائی جاتی ہے کہ حسب معاہدہ وقت معہودہ پر اگر کرایہ مکان وصول نہ ہوسکے گا، تو اس رقم سے محسوب ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ ایک حق موہوم اور دین مظنون کے بدلے شئ محبوسہ کو رہن نہیں کہا جاسکتا، اس لئے اسے یا تو امانت کے لئے یا قرض یا کالمغصوب اور اس کی زکوۃ کرایہ دار پر لازم ہونی چاہئے۔

یہاں اس کی وضاحت ہوجانی مناسب ہے کہ بلاشبہ وجوب زکوۃ کے لئے ملک تام ضروری ہے اور ملک کی تمامیت رقبۃً ویداً ہر دونوں طرح کی ملکیت پر موقوف ہے، مگر ملک ید کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ میرے پاس اور میرے ہاتھ میں بالفعل موجود ہو، بلکہ جس چیز میں ہمیں شرعاً تصرف کا حق ہو ہم تصرف میں کسی کے اذن کے محتاج نہ ہوں، اور اس کا کبھی نہ کبھی مقبوضہ ہوجانا مظنون بظن غالب ہو، وہ حکماً مقبوضۃً اور یداً مملوکہ ہی کہلائے گی، ورنہ دین قوی وغیرہ میں سنین ماضیہ کی زکوۃ کو واجب الاداء کہنے کا کوئی جواز نہ ہونا چاہئے۔

اس کے ساتھ یہاں اس امر کا استحضار بھی ضروری ہے کہ شئ مرہونہ بقدر دین ہی مضمون ہوتی ہے اور اسی کے بقدر وہ مشغول بالدین مشغول بالحاجۃ ہونے کے سبب کالمعدوم قرار پاتی ہے، اس لئے اس کی زکوۃ راہن پر بعد الاسترداد بھی واجب نہیں ہو پاتی، لیکن کیا اس کا بھی فتوی دیا جاسکتا ہے کہ بشرط نصاب قدر دین سے زائد مالیت کی زکوۃ بھی بعد الاسترداد والانفکاک سنین ماضیہ کی واجب الاداء نہیں ہوگی، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسی سے ملک ید کی حقیقت سمجھی

Marfat.com

جا سکتی ہے۔

۳- کسی مال کا ایسا ہونا کہ اس کا کوئی مالک معین نہ ہو، نہ معلوم الذات ہو، نہ معلوم النوع والجنس، اس کی نظیر شریعت میں نہیں "لا سيابة في الإسلام" حدیث ہے، ہاں بیع بشرط خیار اس کی نظیر ہوسکتی تھی، مگر وہ بھی مختلف فیہ ہے، اس لئے سوال یوں کیا جائے کہ جس مال کا کوئی معلوم الذات معین مالک نہ ہو، بلکہ معلوم النوع والجنس اور مجہول الذات مالک ہو، جیسے کہ مال موقوفہ اور مدارس اسلامیہ جیسے اداروں میں جمع شدہ مال تو اس کی زکوۃ کا کیا حکم ہوگا؟۔

چونکہ مدارس اسلامیہ میں زکوۃ وغیرہ کی جمع شدہ رقم پر مستحق زکوۃ طلبہ کی ملکیت ہوتی ہے، سفراء اور نظماء مدرسہ کا قبضہ دراصل طلبہ مستحق کا قبضہ ہوتا ہے، سارے اکابر دیوبند اس کے قائل ہیں اور یہ معلوم النوع مگر مجہول الذات طلبہ اشخاص حقیقی نہیں، اشخاص حکمی ہیں، اس لئے اس کی زکوۃ کسی پر واجب نہ ہوگی "لعدم تصور التمليك من الأشخاص الحكمية"۔

۴- مال حرام یا تو واجب التصدق ہوتا ہے یا اصل مالک پر واجب الرد، مال حلال کے ساتھ اس کا خلط گو بوجہ استہلاک موجب ملک ہے، مگر اس مقدار کا وہ مستہلک ضامن ہونے کے سبب مدیون بھی بن جاتا ہے، اس لئے بقدر حرام مشغول بالدین والحاجۃ ہونے کے سبب کالمعدوم ہی ہوگا، اس لئے اس قدر حرام کے استثناء کے بعد صرف مابقی پر بشرط نصاب وحول زکوۃ واجب ہوگی، دیکھئے: (درمختار ۲/ ۳۳)۔

اور اس صورت میں ثبوت ملکیت کا ثمرہ صرف وراثت وتوریث میں ظاہر ہوگا، اور بس۔

۵- دین کی زکوۃ دائن پر ہوگی، اس تفصیل وشرائط کے ساتھ جو فقہ کی تمام ہی کتب متداولہ میں صراحۃ موجود ہیں، دین قوی، دین وسط اور دین ضعیف کی ماہیت وحقیقت کا بیان پھر ان کے درمیان سنین ماضیہ اور سنین آتیہ کے اعتبار سے وجوب ادا میں فرق کا مسئلہ، اسی طرح کس دین کے کس مقدار پر قبضہ کے بعد کسب سے وجوب ادا کا حکم ہوگا، اور اس سلسلے میں خود امام

Marfat.com

ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان میں اختلاف اور تعدد اقوال کی ساری بحثیں اور تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں، اس کے نقل واعادہ کی کیا ضرورت۔

مدیون پر اس قدر دین کی زکوۃ واجب ہونے کی بات "لکونه مشغولا بالحاجة کالمعدوم" ہونے کے باوجود خلاف عقل ونقل ہے، البتہ اس دین سے اگر مدیون نے بذریعہ تجارت نفع حاصل کیا ہوگا تو بشرط نصاب وحول مال مستفاد کی طرح اس پر زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

۶- سرکاری غیر سرکاری ملازمین کو ریٹائر ہونے کے بعد جو پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملا کرتی ہے، وہ بہر حال ایک دین ضعیف کے حکم میں ہے، اس کا حکم شرعی معلوم ومعروف ہے کہ بعد القبض بشرط نصاب وحول وغیرہ زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

۷- دین اور قرض کے درمیان جو جوہری فرق ہے اسے متحضر رکھا جائے تو کبھی یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا کہ حکومت یا کمپنی سے بغرض تجارت حاصل کردہ طویل المیعاد قرض وجوب زکوۃ سے مانع ہوگا یا نہیں، اور نہ اس کے جواب میں دین مؤجل کے مانع ہونے نہ ہونے کے درمیان اختلاف ائمہ اور تعدد اقوال کی طرف ذہن بھٹکے گا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرض ایک تبرع ہے، جس میں لزوم نہیں، اس لئے اس کی تاجیل بھی صحیح ولازم نہیں: "التأجيل في القبض باطل" جیسے اصول اور "كل دين حال إذا جله صاحبه صار مؤجلا القرض فإن تأجليه لا يصح" جیسی عبارتوں کا یہی اقتضاء ہے۔

اس لئے حکومت یا کسی سے بھی حاصل کردہ قرض کی رقم، خواہ بظاہر وہ مؤجل ہی ہو، تکمیل نصاب میں یقیناً وہ مانع ہوگا، چنانچہ مکمل قرض کے بقدر وضع کرکے ہی اس کے مالک نصاب ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوگا۔

۸- ہیرے جواہرات کی خریداری بغرض زینت وآرائش ہو یا مقصد اظہار تحول ہو اس

Marfat.com

میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، اگر بغرض تجارت نہ ہو اور عملاً اس کی تجارت بھی کر رہا ہے تو اس میں بشرط نصاب وحول زکوۃ واجب الاداء ہوگی، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرمایہ محفوظ کرنے کی نیت سے ہیرے جواہرات کی خریداری کرے، یا کسی قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے اپنے سرمایہ کو ہیرے اور جواہرات وغیرہ (خلقی طور پر) غیر نامی اشیاء کی شکل میں تبدیل کرے، اور فی الحال عملاً اس میں تجارت بھی نہیں کر رہا ہے، مگر اس کی نیت یہی ہو کہ مناسب موقع پر حسب احوال ومواقع سراً یا علناً فروخت کرلیں گے، تو ایسے جوہریوں کا کیا حکم ہوگا؟۔

میرا خیال یہ ہے کہ جو اس ارادہ سے خریدے اسے حکماً بغرض تجارت خریدار قرار دے کر وجوب زکوۃ کا حکم لگنا چاہئے، اور ہماری سمجھ کے مطابق سد ذرائع جیسے فقہی اصول کا یہی مقتضی ہے، ورنہ پھر اس حرص وہوس کے افراط، بددینی اور خوف خداوندی سے عاری ماحول میں اسقاط زکوۃ کا ایسا حیلہ سرمایہ داروں کے ہاتھ آجائے گا، کہ بس-الامان والحفیظ- اور فقراء ومساکین تو ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کا منظر پیش کریں گے، اس لئے نہ صرف دیانتاً، بلکہ قضاءً بھی وجوب زکوۃ کا فتوی اور حکم ہونا چاہئے، سد ذرائع کے علاوہ دوسرے اصل کلی مثلاً ''الأمر إذا ضاق اتسع وإذا اتسع ضاق'' کا بھی ہی اشارہ ہو رہا ہے۔

۹- تجارتی اموال کے قدر ومالیت کے تحقیق میں کس نرخ کا اعتبار ہوگا؟ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ سے تو حولان حول، یعنی وجوب ادا کے دن کی قیمت ونرخ کا معتبر ہونا منقول ہے، مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اسی دن ادا نہیں کیا تو پھر ادائیگی کے دن کی قیمت ونرخ کا اعتبار ہوگا، اور ہمارے خیال میں صاحبین ہی کا قول ایسر وارفق ہونے کے سبب لائق ترجیح ہے، اب وہ تاجر جس معیار کا ہے، یعنی تھوک فروش ہے یا خوردہ فروش وہ اپنے معیار ومقابل کے اعتبار سے ہی نرخ وقیمت کا حساب لگائے گا۔

۱۰- جو لوگ ''اراضیات'' کی تجارت کرتے ہیں اگر وہ زمین عشری یا خراجی نہیں تب تو

Marfat.com

اس کی مالیت پر بشرط نصاب وحول وغیرہ زکوۃ واجب ہونے میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ کوئی خفاء۔
البتہ اگر وہ زمین عشری یا خراجی ہوگی تو اس میں بظاہر اشکال ہوگا کہ عشر وخراج کے ساتھ وجوب زکوۃ کا حکم لگانے سے تضاعف حق اللہ لازم آئے گا، اور فقہی عبارت، مثلاً "حقوق الله تعالى المتعلقة بالأموال لا يجب فيها حقان" وغیرہ کے خلاف ہوگا، مگر اس سلسلہ میں ہمارا خیال یہ ہے کہ امام محمدؒ کی تحقیق وتوجیہ کو راجح قرار دیتے ہوئے ان تجارتی اراضیات میں عشر وخراج کے ساتھ وجوب زکوۃ کا حکم بھی لگنا چاہئے، یہ فرماتے ہیں کہ عشر وخراج کا محل دراصل پیداوار حقیقی یا حکمی ہوگا اور وجوب زکوۃ کا محل نفس زمین اور اس کی قیمت ہوگی، "فلا يلزم كون حق الله مضاعفاً في محل واحد"۔

محور ثالث

محور ثانی میں صرف یہی ایک سوال تھا کہ اموال تجارت کے نصاب متعین کرنے میں سونے چاندی میں سے کس کے نصاب کو اہل تسلیم کیا جائے؟ اور چونکہ اس کا جواب انفع للفقراء کی روشنی میں واضح تر تھا، اس لئے اس سے تعرض کئے بغیر محور ثالث کے سوالات پر غور کیا۔

۱-اس میں پہلا مسئلہ یہ غور طلب نظر آیا کہ مدارس اسلامیہ کے مہتمم اور ان کے ماتحت سفراء ومحصلین مد زکوۃ کی رقوم پر کس حیثیت سے قابض ہوتے ہیں، چونکہ "جواہر الفقہ" (۳۸۷/۴) میں موجود مباحث ونقول سے یہ بات منقح ہو جاتی ہے کہ رجوع واعتراف اور افادہ اور استفادہ کے بعد حضرات اکابر مثلاً حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، بلکہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سب ہی لوگ بالاتفاق تسلیم کر چکے ہیں کہ مہتمم مدرسہ معطی و مستحق زکوۃ دونوں کے وکیل ہوتے ہیں، اس لئے جیسے خود فقراء و مستحقین زکوۃ کے قابض ہونے کی شکل میں صرف قبضہ فقراء سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، ملک معطی سے وہ رقم نکل جاتی ہے اور معطی بری الذمہ ہو جاتا ہے، اسی طرح مہتمم اور اس کے مامور و ماتحت سفراء کے قبضہ میں آتے

Marfat.com

ہی معطی کی زکوۃ اداشدہ بن جائے گی، کیونکہ "ید الوکیل کید المؤکل" مسلمہ قاعدہ شرعیہ ہے۔

یہاں اس تفریع حکم کے ساتھ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ مہتمم وسفراء معطی زکوۃ کے وکیل کی حیثیت بھی رکھتے ہیں، اس لئے جس طرح خود معطی کو اپنی زکوۃ بلا تملیک فقراء کسی دوسرے مصارف خیر، مثلاً تعمیر مساجد، بناء مدارس اور تکفین میت وغیرہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، اسی طرح مہتمم حضرات بھی بلا تملیک مصارف خیر میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے، اس طرح یہ مسئلہ ہمارے خیال میں مفروغ عنہا بن چکا ہے، ان حضرات اکابر کی اجتماعی رائے سے اب اختلاف کرنے کے بجائے اتفاق کرلینا ہی انشاء اللہ خیر قرار پائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سفراء ومحصلین کو منصوص مصرف زکوۃ "العاملین علیہا" میں داخل مان کر وہ زکوۃ سے انہیں تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں۔

اپنا خیال اور رجحان اس طرف ہے کہ اس سلسلہ میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی جواز کو تسلیم کرلینا چاہئے (کفایۃ المفتی ۴/۲۶۹)۔

یہ صحیح ہے کہ عاملین کا تقرر وانتخاب امیر وسلطان کی طرف سے ہوتا ہے جو مدارس کے سفراء کے حق میں بظاہر مفقود ہے، مگر ملک ہندوستان میں جب خود امیر وقاضی کا تقرر وانتخاب ارباب حل وعقد کی طرف سے کیا جاسکتا ہے اور اس پر دور حاضر کے سارے معروف علماء کا تقریباً اجماع ہو چکا ہے تو مدارس کے مہتمم حضرات جو اپنے اپنے دائرہ میں ارباب حل وعقد کے ہی منتخب ومقرر کردہ ہوتے ہیں ان کی حیثیت امیر کی کیوں نہیں ہوسکتی۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی وہ تحریر جو حضرت تھانوی کے رفع اشکال کے طور پر ہمارے سامنے ہے وہ اس کی واضح دلیل کہی جاسکتی ہے۔

مولانا لکھتے ہیں: "بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں ایک حکومت

Marfat.com

(سیاست اور انتظام ملکی) جس کا ثمرہ تنفیذ حدود وقصاص ہے، دوسرا نظم حقوق عامہ، امر اول میں کوئی اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، لیکن امر ثانی میں اہل حل وعقد بوقت ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصب سلطان وابستہ ہے جو باب انتظام سے ہے، لہذا اہالی انتظام مدارس جو برضاء ملاک وطلبہ ابقاء دین کے لئے کیا گیا ہے بالاولی معتبر ہوگا (امداد الفتاوی ۲۶۷/۶)۔ بلکہ ''فتاوی خلیلیہ'' (ص۳۱۹) میں ان کے الفاظ میں یہ صراحت ہے کہ اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں، اسی طرح مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں، ''چندہ وصول کرنے والے عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہوکر فقراء کے وکیل ہیں، معطین چندہ کی وکالت صرف اس درجہ میں ہے کہ انہوں نے ان حضرات کو وکیل فقراء تسلیم کرکے اپنا چندہ ان کے حوالہ کردیا (جواہر الفقہ ۳۸۸/۴)۔

بہر حال ان اکابر کی ان تحریروں سے بھی مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی کی تائید ہی ہوتی ہے، اور جب ان حضرات کی تحریر سے سفراء کا مثل عمال ہونا اور عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہونا واضح ہورہا ہے تو "إذا ثبت الشیٔ ثبت بلوازمہ"، کے تحت ان کو مدزکوۃ سے عوض عمل بھی دینا جائز ہونا چاہئے، لیکن زمانہ حرص وہوس کا ہے، صبر وقناعت اور جذبہ ایثار سے عام قلوب خالی ہوچکے ہیں اس لئے قدر کفان کی تعین وغیرہ میں باہمی نزاع واختلاف کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے برضاء طرفین بطور تنخواہ اس کی پہلے ہی تعین کی جاسکتی ہے، یہ محض تغیر اسم ہے تغیر مسمی نہیں، درحقیقت یہ کفان اور عمالہ ہی رہے گا۔

باقی رہا کمیشن کی اجازت دینا تو یہ کسی طرح صحیح طریقہ کار نہیں کہا جاسکتا، اس سلسلے میں عام طور پر اس کے عدم جواز کی جو دلیلیں بیان کی جاتی ہیں، گو ہمیں ان دلائل اور طرز استدلال سے کوئی انس اور مکمل اتفاق نہیں، مگر اس طریقہ کار کا کبھی مفضی الی الضمار ہوجانا لازم، بلکہ معلوم ومشاہد ہے، اس کمیشن کی اجازت پر ہمیں کبھی شرح صدر نہیں ہوا۔

Marfat.com

۳- اب رہا تیسرا مسئلہ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم ومصداق کی تعیین کا تو اس سلسلے میں حدیثاً وقدیماً بہت ساری بحثیں ہو چکی ہیں، اور ہر طرح کے رطب ویابس دلائل کا ایک انبار باخبر حضرات کے سامنے آچکا ہے، لیکن حق یہی ہے کہ نظریہ تعمیم کے حاملین کی جتنی بھی پیش کردہ دلیلیں ہیں، برنگ اجتہاد واستنباط ہیں، اس پر نقد وتبصرہ، توجیہ وتاویل سے قطع نظر کسی دلیل میں وہ قوت اور وزن نہیں جو نظریہ تخصیص کے دلائل میں ہیں۔

اور اگر صحیح فیصلہ کی بنیاد قوت دلائل پر ہوا کرتی ہے، اور یقیناً ہوا کرتی ہے، تو یہ بات طے شدہ سمجھنی چاہئے کہ قرآن پاک میں مصارف زکوۃ میں تین آئے ہوئے لفظ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف اور صرف جہاد عسکری ہے اور بس۔

یہ صحیح ہے کہ قرآنی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایتوں میں فی سبیل اللہ کا استعمال لغوی معنی میں بھی ہوا ہے اور یہ لفظ لغوی طور پر سارے ہی قربات وطاعات کو عام اور شامل ہے، لیکن یہ بھی ایک زبردست سچائی اور حقیقت ہے کہ مصارف زکوۃ میں جو فی سبیل اللہ آیا ہے وہ بطور منقول شرعی، بلکہ منقول عرفی کی حیثیت سے جہاد عسکری کے ساتھ مختص ہے اور ظاہر ہے کہ ''سارے استدلال پر بھاری ہے شہادت اس کی''۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اس لفظ کے مطلق استعمال کی صورت میں تبادر ذہنی صرف جہاد عسکری کی طرف ہوتا تھا، اور یہ مفہوم ومصداق عوام وخواص میں اتنا معروف تھا کہ از قبیل عوام ایک صحابیہ اور ایک صحابی جن کا کوئی علمی مقام معروف نہیں اور جن کی کوئی فقیہانہ امتیازی شان نہیں وہ بھی فی سبیل اللہ کا یہی مفہوم سمجھتے اور سمجھاتے تھے۔

آخر ابوداؤد کی روایت میں حضرت ام معقل کا جو واقعہ منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابومعقل سے سفر حج کے لئے اونٹ مانگا تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ وہ اونٹ تو میں نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور صحابیہ اس عذر کو معقول سمجھتی ہوئی کوئی بحث واعتراض نہیں

Marfat.com

کرتیں اور نتیجتاً وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت سے محروم ہوجاتی ہیں، اس سے کیا یہ حجت قائم نہیں ہوجاتی کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فی سبیل اللہ مفہوم ومصداق جہاد عسکری ہی تھا، اور غالباً اسی فرق وتبادر اور منقول شرعی وعرفی ہونے کی بنیاد پر تابعین، تبع تابعین اور سارے ائمہ مجتہدین کا اس مفہوم پر اجماع ہوچکا ہے، اقوال شاذہ اور تفردات قابل اعتناء کب اور کس مسئلے میں ہوتے ہیں کہ یہاں ان کی طرف ادنی التفات کا جواز نکالا جائے، سلف وخلف کے اس اجماع کی صورت میں موجود ایک قطعی اور بدیہی دلیل کے مقابلہ میں دور حاضر یا ماضی قریب وبعید کے اصاغر واکابر کی محض اجتہادی واستنباطی اور صرف ظنی ونظری دلیلوں کا کیا وزن ہوسکتا ہے، فیما أین تذھبون۔

یہ صحیح ہے کہ ام معقل رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔"فھلا خرجت علیه فإن الحج فی سبیل الله" جس سے فی سبیل اللہ کے مصداق میں یک گونہ عموم کا ثبوت ہوتا ہے، یہاں اس حدیث پر سنداً ومتناً بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ دراصل ایک لفظ کے معنی لغوی اور سطح ظاہر سے استفادہ کی صورت ہے اور بس۔

آپ جیسے باخبر حضرات سے کون زیادہ واقف ہوگا کہ یہ بھی ایک معروف طرز استدلال ہے کہ بسا اوقات مختلف مصالح کی بنیاد پر آیت وروایت کی ظاہری سطح پر نظر رکھتے ہوئے اسے مواقع استدلال میں پیش کردیا جاتا ہے، مگر درحقیقت آیت وروایت کا حقیقی انطباق مقصود نہیں ہوتا، اور اس کے نظائر جناب رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور فقہائے عظام سبھوں کے استدلال میں ملتے ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ ﷺ جب رئیس المنافقین کے لئے دعاء استغفار کرتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنی آیت: "إِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" (سورہ توبہ ۸۰) پیش کرتے

Marfat.com

ہوئے آڑے آتے ہیں تو آپ جواب میں جو یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو استغفار سے منع تو نہیں کیا گیا ہے، بلکہ بخاری کے الفاظ میں آپ جو فرماتے ہیں کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہوسکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا یہ کون سا استدلال ہے؟ وہی الفاظ کے سطح ظاہر سے استفادہ کی شکل ہے حقیقی انطباق نہیں۔

اور مثلاً حضرت ابن عباس کے پاس ایک مسلمان آتا ہے جو قتل مسلم کا ارادہ رکھتے ہوئے قتل مسلم کے متعلق دریافت کرتا ہے تو آپ "مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّداً فَجَزَائُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا" (سورہ نساء: ۹۳) کی آیت تلاوت کرتے ہیں، یہاں بھی مصلحتاً اور سد ألباب الفتنہ وہی الفاظ کے سطح ظاہر سے استفادہ ہے، اسی طرح جب حضرت احنف بن قیس جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہونے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو ان کی ملاقات حضرت ابو بکرہ سے ہوتی ہے اور احنف بن قیس کے ارادہ پر مطلع ہو کر انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے جو حضرت ابو بکرہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

"إذا التقى المسلمان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار الخ"

یہ بھی اسی قبیل سے ہے، ورنہ حضرت علی اور حضرت عائشہ وغیرہما اگر حضرات صحابہ پر جوار باب حق کا محض اجتہادی خطا کے سبب قتال تھا، روایت کا انطباق ممکن نہیں، یہاں حضرت ابو بکرہ تقلیل فتنہ کی وقتی مصلحت کے سبب الفاظ کی ظاہری سطح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ روایت پیش کرتے ہیں اور بس۔

اور مثلاً فقہاء کرام جو لکھتے ہیں کہ اگر بحالت صوم غیبت کرنے کے ارادے سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو جواب میں یہ حدیث سنا دیا جائے "من اغتاب فافطر" یہ استدلال بھی ظاہر ہے کہ روایت کا صحیح انطباق نہیں صرف مصلحتاً موقع استدلال میں پیش کر کے ظاہری سطح سے استفادہ ہے، الغرض اس طرح کے بہت سے نظائر ہیں، اس لئے اگر چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے ام معقل سے "فإن الحج فی سبیل الله" فرمایا تھا، تاہم مصرف زکوۃ کے فی سبیل اللہ کے مفہوم ومصداق کے مختص بالغزوہ ہونے کی اجماعی رائے پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔

اور سچی بات یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مختص بالجہاد العسکری ہونے کے سبب مضبوط اور جامع تر دلیل بس یہی اس کا عرفی واجماعی ہونا ہی ہے، دیگر سارے دلائل کے متعلق فیہ مافیہ کہا جاسکتا ہے، مثلاً کلمہ "انما" اگر حصر حقیقی کے لئے ہی ہو اور کوئی فی سبیل اللہ کو ہر قاضی، مفتی، عالم مشغول بخدمت الدین پر عام وشامل مان لے تو اس سے مصارف زکوۃ کے "اصناف ثمانیہ" کا حصر حقیقی کب ٹوٹے گا۔ اصناف تو اب بھی وہی آٹھ رہیں گے، ایک صنف کے صرف افراد بڑھیں گے، "ولا مانع من ذلک"، اسی طرح دوسرے دلائل کا بھی تجزیہ ممکن ہے، اس لئے اس سے زیادہ مزید کچھ کہنا لاحاصل یا تحصیل حاصل ہے۔

اجماع سلف صالحین کے خلاف آج فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تعمیم کی کوشش، أعاذنا الله، "مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْراً" (سورہ نساء:۱۱۵) کی وعید کا مستحق بنا سکتی ہے۔

Marfat.com

زکوۃ وصدقات واجبہ کی وصولی کا طریقہ

مدارس اسلامیہ کے سفراء و محصلین کی حیثیت اور کمیشن کا مسئلہ

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ☆

۱- زکوۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے تیسرا رکن ہے اور جس طرح اللہ تعالی شانہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے دیگر ارکان کی تفصیلات بیان کی ہیں، اسی طرح قرآن وحدیث میں زکوۃ سے متعلق ضروری احکام کہ کن اموال میں زکوۃ فرض ہے؟ اور کس مقدار میں فرض ہے، نیز زکوۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم کا طریقہ کیا ہے، ہمیں واضح طور پر ملتے ہیں، چنانچہ زکوۃ کی تحصیل کے بارے میں اللہ تعالی شانہ نے کتاب اللہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" (سورہ توبہ: ۱۰۳)۔

(اے رسول آپ مسلمانوں کے مال کا صدقہ وصول کیجئے اور اس کے ذریعہ ان کو پاک اور مزکی بنایئے اور ان کے لئے دعاء کیجئے آپ کی دعاء ان کے حق میں راحت وسکون ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

☆ ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

اس آیت کے ذیل میں جمہور مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اس میں زکوۃ کے جمع و تقسیم کا اختیار رسول اکرم ﷺ اور ان کے بعد امام المسلمین کو دیا گیا ہے، آیت میں لفظ ''خذ'' امر کا صیغہ ہے جو مستلزم ہے وجوب کو، جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ منشاء خداوندی یہی ہے کہ زکوۃ کی وصولی امام کے ذریعہ ہو اور نہ صرف اس کی وصولی ہو، بلکہ خرچ بھی امام ہی کے ذریعہ ہو، چنانچہ دوسری آیت جو زکوۃ کی تقسیم کے بارے میں ہے اس میں یہ واضح حکم ہے کہ مساکین اور فقراء کے بعد زکوۃ کی مد سے اولاً ان عاملین کو دیا جائے گا جو زکوۃ کی تحصیل و تقسیم و حفاظت اور حساب و کتاب پر مقرر ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ'' (سورہ توبہ:۶۰)

(صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے جو زکوۃ کے کام کے لئے مقرر کئے گئے ہوں اور ان کے لئے جن کے دل میں حق کی الفت پیدا کرنی ہے، اور غلام کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے یہ اللہ کا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ زکوۃ کے وصول کرنے اور تقسیم کرنے کی ولایت امام اور اس کے مقرر کردہ والی کو حاصل ہے، اس مدعا پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ایک حصہ عاملین کا بھی زکوۃ میں فرض کیا ہے اور یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اداء زکوۃ کے لئے عامل کا ہونا ضروری ہے اور عامل وہ شخص ہے جس کو امام وصولی زکوۃ کے لئے مقرر کرتا ہے، پس اس نص نے صاف بتادیا کہ امام ہی وہ شخص ہے جس کو زکوۃ وصول کرنا چاہئے اور اس نص کی تائید اللہ

Marfat.com

تعالی کے اس قول سے ہوتی ہے "خذ من أموالهم صدقة" (تفسیر کبیر)۔

آیت کے اسی مفہوم کو تمام مفسرین اور فقہاء نے بیان کیا ہے، اسی لئے وہ لکھتے ہیں کہ زکوۃ کی وصولی کا اختیار امام المسلمین کو حاصل ہے اور عامل وہ شخص ہے جو زکوۃ کے لئے امام کی طرف سے مقرر ہو چنانچہ الکافی کے حوالہ سے "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"ومنهما العامل هو من نصبه الإمام لاستيفاء الصدقات والعشور كذا في الكافي" (الہندیہ ۱/۱۸۸)۔

اور صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"وأما العاملون عليها فهم الذين نصبهم الإمام لجباية الصدقات" (بدائع ۲/۹۰۳)۔

امام بابرتی کہتے ہیں:

"العامل هو الذي يبعثه الإمام لجباية الصدقات" (علی ہامش فتح القدیر ۲/۲۶۲)

اسی طرح دیگر فقہاء نے عاملین کی تعریف یہی کی ہے کہ وہ زکوۃ پر امام کا مقرر کردہ ہوتا ہے چنانچہ امام رازی شافعیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"العامل هو الذي نصبه الإمام لأخذ الزكوة" (تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۴)۔

نیز عامل میں وہ تمام افراد داخل ہیں جو زکوۃ کے حصول، اس کی حفاظت، اس کی تقسیم اور اس کے حساب وکتاب پر مقرر ہوں، چنانچہ فقہ شافعی میں عامل کی تفصیلات میں حاشر، عریف، حاسب، کاتب، جابی، قسام، حافظ المال کو داخل کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں:

"قال أصحابنا: وإذا لم تقع الكفاية بعامل واحد أو كاتب واحد أو حاسب أو حاشر ونحوه زيد في العدد بقدر الحاجة وفي أجرة الكيال والوزان وعادّ الغنم وجهان مشهوران" (المجموع شرح المہذب ۶/۱۸۸)۔

Marfat.com

اسی طرح فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی رحمہ اللہ عامل کی تشریح میں محصل، محافظ، کاتب، تقسیم کنندہ، عشر وصول کنندہ، وزن کرنے والا، گننے والا وغیرہ کو داخل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"العامل على الزكاة هو الجابي لها، والحافظ، والكاتب والقاسم والعاشر والكيال والوزان والعداد والساعي والراعي والسائق والحمال والجمال ومن يحتاج عليه فيها غير قاض ولا وال" (الانصاف ۳/ ۲۲۳)۔

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے کتاب اللہ میں "العاملین" مطلق ذکر کیا ہے اور اس میں وہ تمام افراد داخل ہیں جو عشر و زکوۃ وصول کرتے ہیں یا اس کی حفاظت کرتے ہیں یا اس کو ڈھوتے ہیں یا اس کا حساب و کتاب کرتے ہیں یا اس کی تقسیم کرتے ہیں۔

لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں، جبکہ خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا، اس لئے اب جو ممالک اسلامیہ ہیں کیا ان کے بادشاہ پر امیر المومنین کا اطلاق ہو گا یا نہیں، اور کیا انہیں اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ زکوۃ کی وصولی و تقسیم کے لئے عمال مقرر کریں، اور اگر وہ عمال مقرر کرتے ہیں تو کیا وہاں بادشاہ کی اجازت کے بغیر کسی پرائیویٹ ادارہ، مدرسہ یا تنظیم کو شرعاً اس کا اختیار ہے کہ وہ مال زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر کرے اور اپنے مقرر کردہ عمال کو زکوۃ کے مال سے وظیفہ و تنخواہ دے؟

فقہاء نے اس بارے میں جو تصریحات کی ہیں ان سے دو امر ظاہر ہوتا ہے، اول یہ کہ زکوۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے اور اس کے لئے عمال مقرر کرنے کا اختیار اصلاً اسی امیر کو حاصل ہے جو شرعی طریقہ پر امیر بنا ہو، لیکن اس امام عادل کی کمزوری کی بنا پر اگر کوئی دوسرا فرد نظام حکومت پر غلبہ پالیتا ہے اور وہ زکوۃ وصول کرتا ہے تو پھر یہ زکوۃ ادا ہو جائے گی اور زکوۃ وصول کرنا

Marfat.com

درست ہوگا (البدائع ر ۸۸۵)۔

اس لئے اس زمانہ میں جہاں جہاں مسلم سلطنتیں ہیں اگر وہاں کی حکومت کا سربراہ زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کا نظام قائم کرتا ہے تو اسے اس کا شرعاً حق ہوگا اور وہاں کی رعایا (تمام مسلمین) پر زکوۃ اسی کو ادا کرنا واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ زکوۃ کو اس کی مد میں خرچ کرتا ہو، اسی طرح اس کے مقرر کردہ عمال زکوۃ کی مد سے وظیفہ پائیں گے۔

لیکن اگر ایسے ان تمام ممالک میں جہاں زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کا نظام شرعی نہیں ہے اور وہاں کے پرائیویٹ ادارے اور تنظیمیں یا مدرسے زکوۃ وصول کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں تو اس طرح سے زکوۃ وصول کرنا جائز ہوگا اور زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس اتفاق کے باوجود فقہاء متاخرین (عصر حاضر) کا رجحان اس طرف ہے کہ ایسی تنظیموں اور اداروں کے مقرر کردہ عمال شرعاً ''عاملین علیہا'' میں داخل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں ہوتے ہیں، لہذا ان پر زکوۃ کی رقم خرچ نہیں کی جائے گی۔

علماء ہند میں حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی وغیرہ کا یہی فتوی ہے اور یہی قول دیگر فقہاء متقدمین کا ہے، اس لئے کہ تمام ہی فقہاء ''عاملین'' کے لئے امام کی شرط لگاتے ہیں اور یہ شرط نص قرآنی سے مستنبط ہوئی ہے، نص اسی کی طرف مشیر ہے اور اسی پر آج سے پچاس برس پہلے تک امت کا عمل تھا۔

لیکن ادھر نصف صدی سے مختلف دینی اداروں میں یہ سلسلہ شروع ہوا ہے کہ ان کی طرف سے زکوۃ کی وصولی کے لئے جو افراد متعین ہوتے ہیں انہیں زکوۃ کی مد سے تنخواہ دی جاتی ہے۔

اس لئے موجودہ صورت حال پر غور کرتے وقت یہ نکتہ نگاہ کے سامنے رہنا چاہئے کہ اگر یہ ادارے ایسے ملک میں ہیں جہاں مسلمانوں کا امیر ہے تو فقہاء کے قول کے مطابق ایسے ممالک

Marfat.com

میں امیر کو زکوۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے کا شرعاً حق ہے، کسی دوسرے کو نہیں ہے، اگر کوئی وصول کرتا ہے تو وہ ناجائز ہے، بلکہ صحیح قول کے مطابق ارباب اموال کو بھی اپنی زکوۃ کی رقم کو انفرادی طور پر تقسیم کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، البتہ اگر کوئی امیر ایسی تنظیموں کو زکوۃ وصول کرنے اور خرچ کرنے کا اختیار دیتا ہے تو اس حقیر کی رائے میں ایسے اداروں اور تنظیموں کو زکوۃ وصول کرنے اور اس کے لئے عمال مقرر کرنے کا شرعی حق ہوتا ہے اور ارباب اموال کو بھی اپنی زکوۃ دینے کا اختیار وحق ہوگا۔

اسی طرح ایسے علاقہ میں جہاں امیر المسلمین نہیں ہے، اگر وہاں کے ارباب حل وعقد زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کے لئے کوئی ادارہ قائم کرتے ہیں یا مدارس اسلامیہ کی طرف سے زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کا نظام چلتا ہے تو میری رائے میں زکوۃ کی تحصیل وتقسیم وغیرہ پر مامور افراد، عاملین زکوۃ میں شمار ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ بھی ارباب حل وعقد کی نگرانی میں چلتے ہیں اور ان کی مجلس شوری ہوتی ہے اور اصولاً امیر کے فقدان کی صورت میں ارباب حل وعقد ہی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کو چلائیں، جہاں قاضی نہ ہوں وہاں قاضی کا تقرر کریں، جیسا کہ باب قضاء میں یہ مسئلہ معروف ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"أما في بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم"۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے وہ زکوۃ وعشر کی تحصیل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"زکوۃ وعشر وغیرہ فرائض مالیہ کا وجوب جن حکم شرعیہ ومصالح بشریہ پر مبنی ہے ان کا تقاضہ یہ ہے کہ اداء زکوۃ وعشر اور مستحقین پر ان کی تقسیم میں تنظیم کامل کالحاظ رکھا جائے اور ظاہر ہے

Marfat.com

کہ انفرادی تصرفات میں تنظیم مفقود ہوتی ہے، اس غلامی کے دور میں جو تفرق وتشتت کا دور ہے، امکانی صورت یہی نظر آتی ہے کہ ارباب حل وعقد کی کوئی جماعت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے''۔

''لیکن جس مقام (صوبہ) میں امارت شرعیہ قائم ہو اور اس کے ماتحت جمع وتقسیم صدقات کا کام باقاعدہ اور منظم طریق پر ہو رہا ہو وہاں کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ امارت شرعیہ کے بیت المال میں ہی یہ رقوم جمع کریں، اس جگہ کوئی دوسری کمیٹی بنانا قائم شدہ تنظیم کو خراب کرنے کے معنی میں ہوگا، جو قطعاً ناجائز و مذموم ہے، جہاں امارت قائم نہ ہو وہاں کے مسلمان اگر کوئی ایسی کمیٹی بنالیں تو ''قیام امارت شرعیہ'' تک وہ ایسا کرسکتے ہیں''۔

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہوا کہ امیر کی عدم موجودگی میں ارباب حل وعقد کو زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کا ادارہ قائم کرنے کا اختیار ہے اور چونکہ مدارس اسلامیہ کے چلانے والے ارباب حل وعقد ہی ہوتے ہیں، اس لئے ایسے مدارس کے اگر ''مدرسین'' زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کا کام کرتے ہیں تو ان کو زکوۃ کی تحصیل وتقسیم کی مدت میں زکوۃ کی مد سے تنخواہ دی جاسکتی ہے، البتہ انہیں دینی کام، یعنی درس وتدریس کرنے کی بناپر ''عاملین'' میں اس وجہ سے شمار کرنا کہ وہ غریب ومستحق زکوۃ طلبہ کو تعلیم دیتے ہیں، اصالۃً درست نہیں ہوگا، ہاں تعلیم دینے پر اگر فیس متعین ہو اور زکوۃ کی رقم طلبہ کو دے دی جائے پھر وہ اس رقم سے مدرسہ میں تعلیمی فیس جمع کردیں تو درست ہوگا، لیکن اس میں یہ امر ملحوظ رکھا جائے گا کہ روپے کی حیثیت کرنسی کی ہے اور اس سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، جب کہ چیک میں یہ بات نہیں ہے، لہٰذا طلبہ کو کرنسی دی جائے چیک دے کر وصول نہ کیا جائے۔

اور چونکہ ''بیت المال'' کی طرف سے امیر کے مقرر کردہ عاملین کو زکوۃ کی مد سے دی جانے والی رقم کی دو جہتیں ہیں، ایک یہ کہ ''عامل'' کو اس کے عمل کی ''اجرت'' دی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ عامل جو کچھ لیتا ہے وہ زکوۃ کی حیثیت سے لیتا ہے، اس لئے یہ دونوں جہتیں مذکورہ

Marfat.com

بالاقسم کے مدارس اسلامیہ کے سفراء و محصلین میں بھی ہوں گی۔

امام نووی نے اس مسئلہ پر بحث کے ذیل میں کہ کیا کسی ہاشمی کو صدقات کی تحصیل پر مقرر کیا جاسکتا ہے اور کیا ایسے ہاشمی عامل کو زکوۃ کی مد سے رقم دی جائے گی، وہ اصحاب شافعی سے دو قول نقل کرتے ہیں، جواز کا قول بھی اور عدم جواز بھی، اور اس کی دلیل میں وہ لکھتے ہیں:

"قال أصحابنا الخراسانيون: هذا الوجهان مبنيا على أن ما يأخذ العامل أجرة أو صدقة وفيه وجهان، إن قلنا أجرة جاز وإلا فلا وهو يشبه الإجارة من حيث التقدر بأجرة المثل ويشبه الصدقة من حيث أنه لا يشترط عقد الإجارة ولا مدة معلومة ولا عمل معلوم"

امام نوویؒ نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ امام و امیر صدقات کی وصولی کے لئے جن عمال کو مقرر کرے گا تو کیا وہ متعین اجرت پر ان کو رکھے گا یا ان کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے کام کرنے کے بعد ان کو اجرت مثل دے گا، وہ لکھتے ہیں:

"الإمام بالخيار إن شاء بعث العامل من غير شرط وأعطاه بعد مجيئه أجرة المثل من الزكوة وإن شاء استاجره بأجرة معلومة من الزكوة وكلاهما جائز باتفاق الأصحاب۔

أما الأول فللأحاديث الصحيحة فى ذلك، ولأن الحاجة تدعو إليه لجهالة العمل فيوخر الأجرة حتى يعرف عمله فيعطى بقدره۔

وأما الثانى فهو القياس والأصل ولا شک فى جوازه" (المجموع شرح المهذب ۶/۱۶۸)۔

امام نوویؒ کی اس تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ عامل کو اجرت پر متعین کیا جائے، مگر احادیث میں صدقات وصول کرنے اور اجرت دینے کا جو طریقہ آیا ہے وہ یہ

Marfat.com

ہے کہ زکوۃ وصول کر کے آنے کے بعد عمل کے حساب سے عامل کو اجرت دی جاتی تھی، اسی لئے یہ طریقہ بھی درست ہے۔

فقہ حنبلی میں بھی عاملین زکوۃ کو اجرت پر مقرر کرنے اور بغیر مقرر کئے ان کو عمل کے بعد اجرت دینے کی بات آئی ہے اور یہ دونوں طریقہ جائز ہے۔

علامہ سلیمان مرداوی لکھتے ہیں:

"یخیر الإمام إن شاء أرسل العاملین من غیر عقد ولا تسمیة شیئ وإن شاء عقد له إجارة" (الانصاف ۳/۲۲۷)

اسی طرح فقہ حنفی کے محقق علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"والتحقیق أن فیه شبها بالأجرة وشبها بالصدقة، فللأول یحل للغنی ولا یعطی لو هلک المال أو أداها صاحب المال إلی الإمام وللثانی لا یحل للهاشمی ویسقط الواجب عن أرباب الأموال لو هلک المال فی یده؛ لأن یده کید الإمام وهو نائب عن الفقراء" (البحر الرائق ۲/۲۵۹)

اس عبارت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عامل کو جو رقم دی جائے گی اس کی حیثیت اجرت کی بھی ہے اور صدقہ کی بھی، اور عامل کو یہ رقم اس وجہ سے دی جاتی ہے کہ وہ زکوۃ کی تحصیل و تقسیم کی مدت میں اسی کام میں مشغول رہتا ہے، اس لئے اس مدت میں عامل کو زکوۃ کی مد سے بہ قدر کفایت (یعنی جو اس کے لئے اور اس کے اہل وعیال کے لئے کافی ہو سکے) اجرت دی جائے گی (البحر الرائق ۲/۲۵۹)۔

اور دیگر فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عاملین زکوۃ کو جو اجرت زکوۃ کی مد سے دی جائے گی وہ ان کے کام کی مدت کے حساب سے دی جائے گی اور اس قدر دی جائے گی جو ان کے لئے اور ان کے اہل وعیال کے لئے اس مدت میں کافی ہو سکے، نہ یہ کہ اگر وہ

Marfat.com

ایک ماہ کام کرتے ہیں تو اتنی رقم دی جائے کہ سال بھر کے لئے کافی ہو سکے، اگر وہ مستحق زکوۃ نہیں ہیں تو اتنا زیادہ دینا جائز نہ ہوگا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کی طرف سے زکوۃ کی وصولی کے لئے جو سفراء و محصلین مقرر ہوتے ہیں، عموماً ان کو ماہ رمضان میں زکوۃ وصول کرنے پر اجرت بہ طور کمیشن دی جاتی ہے، وہ ان کی اس مدت عمل کی ضرورت سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے جو فقہاء کی تصریحات کی رو سے درست نہیں ہے، اس لئے اگر چہ یہ کہا جاتا ہے کہ کمیشن پر عاملین زیادہ کام کرتے ہیں مگر صورت حال یہ ہے کہ کمیشن کا مروجہ طریقہ ایسا ہے جس میں فقراء کی حق تلفی ہوتی ہے، اس لئے اگر چہ میرے نزدیک زکوۃ کی تحصیل کے معاملہ میں عاملین کی تقرری اجرت مقرر کر کے اور بغیر اجرت مقرر کئے دونوں طرح سے جائز ہے، اور اس معاملہ میں عمل کی جہالت اور اجرت کی جہالت نیز مدت کی جہالت قابل انگیز بھی ہے، اور بہ وقت ضرورت امام و امیر کمیشن کے طریقہ کو اختیار بھی کر سکتا ہے، مگر موجودہ حالت میں کمیشن کے جواز کا فتوی دینا غلط نظام کو تقویت دینا اور مفسدہ کو بڑھانا ہوگا، اس لئے کمیشن کے مروجہ طریقہ کو نادرست قرار دیا جانا ہی احوط ہے اور باب اجارہ پر قیاس تقاضہ بھی یہی ہے۔

"نظام زکوۃ" کی ابتری اور تحصیل و تقسیم کے معاملہ میں شریعت کے منشاء کی خلاف ورزی و لامرکزیت اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف عمل کو ختم کرنے کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ فقہ اکیڈمی کے پانچویں سمینار میں اس پر خصوصی تجویز منظور کی جائے اور ارباب مدارس و خیراتی اداروں کے منتظمین سے گزارش کی جائے کہ وہ زکوۃ کی تحصیل و تقسیم میں مرکزیت کو اختیار کریں اور اس بارے میں ہونے والی خامیوں و کوتاہیوں کو دور کریں۔

Marfat.com

ادائیگی زکوۃ کے شرائط وارکان

مولانا احمد دیولوی ☆

زکوۃ کے موضوع پر ''اعظم گڈھ'' میں ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۳ھ کو منعقد کئے جانے والے مجوزہ سمینار کی طرف سے جاری کردہ سوالات کے جوابات:

۱-قرآن مجید کا ارشاد ہے:

''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' (سورہ توبہ: ۱۰۳)۔

اس قرآنی نص اور اس معنی کے دوسرے نصوص میں علی العموم وعلی الاطلاق اموال میں زکوۃ دینے کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے، اس لئے شرعا جن چیزوں پر اموال ہونے کا اطلاق ہوتا ہو ان سب میں مطلقاً علی العموم زکوۃ واجب ہے، اس حکم کلی اور حکم عام وحکم مطلق سے صرف وہی اموال مستثنی ہیں جن کا مستثنی ہونا نص شرعی سے ثابت ہو، مثلاً نصوص شرعیہ میں آدمی کے ذاتی استعمال کی سواری، سکونت والے مکان، ذاتی خدمت کے لئے رکھے گئے غلام ولونڈی اور متعدد چیزوں کی زکوۃ کو مستثنی قرار دیا ہے، اس طرح کا استثناء جن اموال کے لئے ثابت نہیں ان میں زکوۃ واجب ہے، ان اموال میں مقدار زکوۃ ونصاب اور وقت کی جو تحدید شریعت میں کی گئی ہے اسے ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

محل زکوۃ، یعنی اموال میں وجوب زکوۃ کے لئے جن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ان

☆ دار العلوم ماٹلی والا۔

Marfat.com

میں سے پہلے نمبر پر ذکر کردہ شرط "ملک تام" کی تعریف میں پائے جانے والے اہل علم کے مختلف اقوال میں سے ہمارے نزدیک یہ تعریف سب سے زیادہ جامع اور قابل قبول ہے کہ:

"کسی آدمی کو کسی چیز اور مال کے اوپر اور اس سے منفعت حاصل کرنے پر ایسی ملکیت شرعاً وقانوناً حاصل ہو جس کی وجہ سے اسے اس چیز و مال میں کسی مانع کے بغیر ہر طرح کے شرعی تصرف کا حق واختیار ہو" (المدخل الفقہی العام للأستاذ مصطفیٰ أحمد الزرقاء، مطبوع دار الفکر ۱۹۶۸ دمشق ۱/۲۴۱/ ۲۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو، مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۹/ ۱۷۸/ ۱۷۹۔)

شرط مذکور کے تحت کئے گئے سوالات کے جوابات

۱- بائع کے پاس موجود جس مال تجارت کی پیشگی قیمت مشتری (خریدار) کی طرف سے ادا کر دی گئی ہو وہ مال تجارت اگرچہ مشتری کو موصول نہ ہوا ہو اس کی زکوۃ مشتری پر واجب ہے، جب کہ مشتری کے لئے اس پر پورا حق تصرف حاصل ہو، اس کے لئے اس مال تجارت میں تصرف سے کوئی مانع نہ ہو اور اس خطرہ کا غالب گمان نہ ہو کہ خریدار کے تصرف سے پہلے وہ کسی بھی وجہ سے، مثلاً غصب، ناجائز خرد برد، قدرتی یا غیر قدرتی آفت وبلا کی وجہ سے ضائع ہو کر مشتری تک پہنچنے نہیں پائے گا، ایسا مال تجارت چونکہ شرعاً وقانوناً بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آ گیا ہے، اس لئے اس کی زکوۃ مشتری پر واجب ہے، البتہ اس مال تجارت کی جو قیمت مشتری سے بائع کو ملی ہے اس کی زکوۃ بائع پر واجب ہے، دونوں ہی آدمیوں پر زکوۃ اسی صورت میں واجب ہوگی، کہ مال نصاب کو پہنچ گیا ہو اور اس پر حولان حول ہو گیا ہو۔

۲- کرایہ کے مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ فسخ ہونے یا تکمیل مدت اجارہ کی صورت میں کرایہ دار کو واپس ملتی ہے اس کی زکوۃ کرایہ دار پر واجب ہے مالک مکان پر نہیں، کیونکہ وہ شرعاً کرایہ دار کی ملکیت ہے، مالک مکان کی نہیں، وہ مالک مکان کے پاس معنوی

Marfat.com

طور پر امانۃ محفوظ ہے، اس محفوظ میں مالک مکان کو شرعاً حق تصرف نہیں مگر کرایہ دار پر اس کی زکوۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی، جس وقت اسے وہ رقم واپس مل جائے، کیونکہ واپسی سے پہلے اس رقم پر کرایہ دار کو ملک تام نہیں حاصل ہے، رقم مذکور جتنی مدت مالک مکان کے پاس رہی اس پوری مدت کی زکوۃ اس رقم کی واپسی پر کرایہ دار کو نکالنا لازم ہوگا، لیکن بطور کرایہ مکان کے مالک کو جو رقم پیشگی ملی ہوئی ہو، اور اسے جو کرایہ دار کو واپس نہیں ملی ہو، اس کی زکوۃ مالک مکان پر واجب ہے جب کہ وہ نصاب کو پہنچے اور حولان حول ہو۔

۳- مدارس اور اس قسم کے دوسرے اداروں میں مختلف لوگوں کی طرف سے دی ہوئی رقوم میں زکوۃ واجب نہیں ہے، وہ رقوم بذات خود اموال زکوۃ، صدقات نافلہ، اوقاف سے حاصل شدہ چیزوں اور تبرعات وعطیات پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کا کوئی معین مالک نہیں ہوتا۔

۴- ہمارے نزدیک طاعت سمجھے بغیر اموال حرام کی زکوۃ بلا امید ثواب محض بعض مصالح کی بناء پر (جس کی تفصیل پیش کرنے سے ہم مصلحۃ اغماض کر رہے ہیں) دی جائے اور وصول کی جائے، یہ ان ممالک ومقامات میں لیا جائے جہاں اسلامی نظام حکومت رائج نہیں، زکوۃ کے نام پر اس طرح کے اموال حرام سے حاصل شدہ مال کے مصارف اہل علم کی صوابدید سے متعین کئے جائیں، لیکن جہاں اسلامی نظام حکومت رائج ہو وہاں ہمارے خیال میں اسلامی حکومت کو چاہئے کہ سزا وتعزیر کے طور پر اس قسم کے جملہ اموال کو بحق سرکار ضبط کر لے، اور غلط ذرائع سے اموال حرام حاصل کرنے والوں کو مناسب سزا دے اور اس طرح کے ذرائع کا سد باب کرے۔

اگر اموال حرام اموال حلال میں اس طرح مخلوط ہو گئے ہوں کہ دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہو تو بھی ان کی زکوۃ دی جائے اور وصول کی جائے، محتاط ترین تخمینہ لگا کر حلال اموال والی زکوۃ میں امید ثواب رکھنی چاہئے اور حرام اموال والی زکوۃ میں نہیں، حلال اموال والی زکوۃ کے مصارف تو خود قرآن مجید نے بیان کر دیئے ہیں۔ حرام اموال والی زکوۃ کے مصارف اہل علم

Marfat.com

کی صوابدید سے متعین کیے جائیں۔

۵- دین (قرض) کی زکوۃ مدیون (مقروض) پر واجب ہے، جب کہ قرض والی رقم مدیون کے پاس کم از کم سال بھر رہ جائے، سال بھر یا اس سے زیادہ جتنی مدت تک دین مدیون کے پاس رہے گا، تب تک کی زکوۃ مدیون پر ہی واجب رہے گی، بشرطیکہ حاصل شدہ قرض نصاب زکوۃ تک پہنچے، اور اس کے پاس موجود رہے، کسی معقول وجہ سے تلف نہ ہو جائے، تلف وضائع ہونے کی صورت میں قرض حاصل شدہ رقم میں مقروض پر زکوۃ واجب نہیں، سال بھر کے اندر اگر قرض دہندہ (دائن) کو واپس مل جائے تو اس کی زکوۃ قرض دہندہ پر واجب ہوگی، سال بھر کے بعد قرض واپس ہونے پر ان کی زکوۃ قرض دہندہ پر اس وقت واجب ہوگی، جبکہ واپسی کے بعد حولان حول ہو جائے، خلیفہ راشد عمر بن خطاب اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی شدہ فتاوی وفرامین اور اقوال سے اسی طرح کا حکم مستفاد ہوتا ہے، جس کی تفصیل "المحلی للحافظ ابن حزمؒ" (جلد ۶ رص ۹۹ اور ص ۱۰۵ مسئلہ نمبر ۶۹۴ / ۶۹۵ / ۶۹۶) میں موجود ہے، کیونکہ قرض پر دیا جانے والا مال درحقیقت دائن (قرض دہندہ) کے قبضہ، حق تصرف اور انتفاع سے نکل کر مقروض (مدیون) کے قبضہ میں چلا جاتا ہے، اور اِس پر تصرف وانتفاع کا حق واختیار بھی مدیون ہی کو رہتا ہے، اور عملی طور پر اس پر ملکیت بھی مدیون ہی کی رہتی ہے، صرف حکمی ملکیت دائن (قرض دہندہ) کو رہ جاتی ہے، ہمارے نزدیک ہمارے اختیار کردہ موقف کے درست ہونے کے لئے اتنی ہی بات بہت کافی ہے، جبکہ اس کی موافقت میں خلیفہ راشد عمر بن خطابؓ اور متعدد صحابہؓ کے آثار منقول ہیں، بلکہ درحقیقت انہیں آثار صحابہ کی روشنی میں ہی ہم نے موقف مذکور اختیار کیا ہے۔

ہمارے اختیار کردہ موقف کی صورت میں قرض کی وصولیابی کی امید اور ناامیدی کے اعتبار سے وجوب زکوۃ کے معاملہ میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔

Marfat.com

۶-سرکاری ملازم کو ریٹائرڈ ہونے پر اس طرح کی جو رقوم ملیں، ان رقوم کی وصولیابی کے بعد ان میں حسب ذیل تفصیل کے مطابق ہمارے نزدیک اس طرح کے سرکاری ملازم پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ملازمت جوائنٹ کرنے بعد سرکاری ملازم کی مقررہ تنخواہ سے ماہ بماہ وضع ہونے والی رقم اور اس پر سرکار کی اضافہ کردہ رقم مجموعی طور پر جب نصاب زکوۃ کو پہنچ جائے تو اس پر حولان حول ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہو جائے گی، اور جوں جوں ماہ بماہ جمع ہوتے رہنے والی رقم میں اضافہ ہوتا جائے گا، سال بسال علی الحساب مقدار زکوۃ میں اضافہ ہوتا جائے گا، مگر اس طرح کے سرکاری ملازم کے اوپر واجب ہونے والی زکوۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جس وقت اسے سرکار سے رقوم وصول ہو جائیں، وصول ہونے کے پہلے ملازم پر اس کی ادائیگی واجب نہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک رقوم مذکورہ سرکار کے پاس ملازم کی رضامندی سے بطور امانت اس طرح محفوظ ہیں جن پر تصرف کا اختیار وصول ہونے سے پہلے ملازم کو حاصل نہیں، اگر ملازم کو اس پر اس طرح کا حق تصرف حاصل ہو کہ جب چاہے سرکار سے وصول کر کے تصرف کر سکتا ہے، تو سال بسال اس کی زکوۃ کی ادائیگی ملازم پر واجب ہوگی۔

مذکورہ بالا دونوں قسم کی رقوم (یعنی ملازم کی تنخواہ سے وضع شدہ رقم اور اس پر سرکار کی اضافہ کردہ رقم) پر سرکار یا کمپنی انٹرسٹ کے نام پر جو اضافہ جوڑ کر ریٹائرمنٹ کے بعد ملازم کو دیتی ہے اس بابت وضاحت کی جائے کہ سرکار یا کمپنی وہ اضافہ کس بنیاد پر اور کیوں کرتی ہے؟ اس وضاحت کے بعد ہی ہم اس کے جواب پر غور کر سکیں گے۔

دوسری شرط نما کی حقیقت اور اس کی صورتیں

کسی مال میں وجوب زکوۃ کے لئے نما کا پایا جانا شرط ہے ''نما'' کے لفظی ولغوی معنی بڑھوتری، بڑھنا ہیں، اس لئے غیر نامی اموال (جن اموال میں بڑھوتری نہ ہو) میں زکوۃ فرض

Marfat.com

نہیں، شریعت میں اموال نامیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ ان اموال میں ''نما'' بالفعل پایا جائے جیسے پالتو چوپائے، جانور بذات خود چھوٹے سے بڑے ہوتے اور کم وزن سے زیادہ وزن والے ہوتے اور دودھ اور بچے دیتے ہیں، اور زرعی زمین وباغات کی پیداوار زرعی زمین وباغات سے فصل حاصل ہوا کرتی ہے، ان دونوں چیزوں میں پایا جانے والا بالفعل نما طبعی اور قدرتی ہوا کرتا ہے، اموال تجارت بھی اموال نامیہ ہیں، ان میں پایا جانے والا ''نما'' بھی بالفعل ہوا کرتا ہے، مگر وہ بالفعل نما قدرتی وطبعی نہیں ہوتا بلکہ کسبی ہوتا ہے، اموال تجارت والے بالفعل نما کو خود قرآن مجید نے کسبی کہا ہے، چنانچہ فرمایا:

''یا أیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض'' (الآیۃ سورۃ البقرۃ:۲۶۷)۔

نما کی دوسری قسم تقدیری کہلاتی ہے جن کو آدمی چاہے تو بڑھا سکتا ہے اور نہ چاہے تو وہ بڑھ نہیں سکتے، جیسے سونا چاندی کی دھات یا ان کی مصنوعات اموال نامیہ کی نما میں قدرتی یا غیر قدرتی قسم کی ایسی رکاوٹ ہوسکتی ہے جن کی بنا پر زکوۃ کا وجوب ساقط ہوسکتا ہے، اس کی تفصیل مطولات میں ہے (فقہ الزکاۃ للقرضاوی ۹۰/۹۷)۔

وجوب زکوۃ کی تیسری شرط مال کا حاجت اصلیہ سے زیادہ ہونا ہے

حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول اور شرعی دائرہ وحدود میں رہتے ہوئے ہر آدمی کے معیار زندگی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔

وجوب زکوۃ کی چوتھی شرط مال کا دین سے محفوظ ہونا

ہمارے نزدیک مدیون پر دین کی زکوۃ واجب ہے بشرطیکہ مال دین نصاب زکوۃ کو پہنچ رہا ہو اور اس پر حولان حول ہو جائے، جب تک دین مدیون پر برقرار رہے تب تک سال بسال اس

Marfat.com

کی زکوۃ مدیون پر واجب ہوگی، دین ہی سے جتنا حصہ معاہدہ کے مطابق قسطوار یا بلا معاہدہ کے ادا کرتا جائے اتنے حصہ کی زکوۃ مدیون کے ذمہ سے ساقط ہوتی جائے گی، قرض دینے کے بعد قرض دہندہ پر قرض میں دیئے گئے مال کی زکوۃ اس تفصیل کے مطابق نہیں واجب ہوگی جس کا ذکر وجوب زکوۃ کی پہلی شرط سے متعلق سوالات کے جوابات میں سوال نمبر ۵ کے تحت گزشتہ تحریر میں آچکا ہے۔

اسلام میں کن اموال میں زکوۃ واجب ہے؟ چند اور سوالات

کمپنیز پر زکوۃ: کسی کمپنی میں متعدد شرکاء ہیں اور ان میں ہر شریک نے اپنے اپنے حصے کا مال جمع کر رکھا ہے اور اس مال پر اس شریک کا ملک تام صادق آتا ہے اور وہ مال اتنا ہے جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اس شریک پر اپنے حصہ والے مال میں زکوۃ واجب ہے، اگر اس مال پر شریک کا ملک تام صادق نہ آتا ہو تو اس مال میں شریک پر زکوۃ نہیں واجب ہے اور جس شریک کا مال اتنا نہیں ہے جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اس شریک پر زکوۃ نہیں واجب ہے خواہ اس پر ملک تام صادق آئے، اور کمپنی کے اوپر مختلف حصہ داروں کے جمع شدہ مال میں زکوۃ قطعاً واجب نہیں، بشرطیکہ کمپنی کی حیثیت مدیون و مقروض کی طرح نہ ہو، اگر کمپنی ایسی ہے جو مختلف حصہ داروں کے جمع کردہ مال کی معنوی طور پر مقروض مدیون ہو تو نصاب زکوۃ پورا ہونے کی صورت میں حولان حول پر کمپنی کے اوپر زکوۃ اس وقت تک واجب رہے گی، جب تک اس سے قرض دار ہونے کا وصف ختم نہیں ہوتا۔

ہیرے اور جواہرات

جن ہیروں اور جواہرات کی تجارت ہو رہی ہو ان پر زکوۃ واجب ہے اور جو لوگ انکم ٹیکس اور سرکاری قوانین نیز شرعی زکوۃ سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں لاکھوں، کروڑں روپے کی مالیت پر مشتمل سرمایہ محفوظ کرنے کی بجائے ہیرے جواہرات خرید

Marfat.com

کر محفوظ کر دیتے ہیں شرعاً و قانوناً وہ بہت بڑے مجرم ہیں، سزا و تعزیر کے طور پر ان سے وہ ہیرے جواہرات چھین کر بحق سرکار ضبط کر لئے جائیں، اگر کسی بھی وجہ سے ان مجرموں سے یہ ہیرے و جواہرات چھینے نہ جاسکیں تو وہ بہر حال عند اللہ بہت بڑے مجرم اور حقوق اللہ اور حقوق العباد نہ ادا کرنے کے مرتکب ہیں، ان سے اللہ تعالی سمجھے گا، ہوسکتا ہے کہ دنیا ہی میں اللہ تعالی انہیں ان کے جرم کی کوئی سزا دیدے اور آخرت کی سزا تو متعین ہے بشرطیکہ وہ توبہ اور رجوع إلی اللہ کے بغیر فوت ہوئے ہوں، اس طرح کے شرعی مجرموں کو سانڈ کی طرح اس طرح چھوڑ دیا جائے جس طرح بہت سارے زنا کار، شراب خوار، چور و قاتل بغیر کسی مواخذہ کے دندناتے پھر رہے ہیں، اس کے علاوہ آخر ہمارے لئے چارہ کار کیا ہے، ہم شرعی مانع کی وجہ سے اس میں زکوۃ واجب نہیں قرار دے سکتے۔

محض زیب و زینت کے طور پر حد اعتدال کے اندر ہیرے اور جواہرات و زمرد کے استعمال کے لئے یا کبھی کبھار حسب مواقع استعمال کے لئے خواتین یا مرد کرتے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب نہیں اور حد اعتدال سے زیادہ کسی بھی مقصد سے خواتین یا مردوں کا اپنے ملک میں رکھنا بھاری جرم ہے، ایسی صورت میں وہی طریق عمل اختیار کیا جائے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اعتدال کا معیار، احوال و ظروف کو ملحوظ رکھتے ہوئے عادل اہل نظر و اصحاب بصیرت مقرر کریں گے۔

اموال تجارت پر زکوۃ

جو سامان تجارت تاجر کے قبضہ و تصرف میں ہے ادائیگی زکوۃ کے لئے اس کی مالیت کا حساب ادائیگی زکوۃ کے وقت کے نرخ سے کیا جائے گا، اس کا تاجر اگر اسے تھوک بھاؤ سے فروخت کرنے کے اصول پر عمل پیرا ہے تو تھوک بھاؤ کا اعتبار ہوگا، اور اگر پھٹکر بھاؤ سے فروخت کرتا ہے تو پھٹکر بھاؤ کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں سے فروخت کرتا ہے تو دونوں کا علی الحساب

Marfat.com

اعتبار ہوگا۔

کمپنی سے خرید کر لئے گئے شیئرز میں زکوۃ شیئرز خریدنے والے پر واجب ہے کیونکہ معنوی طور پر شیئرز مال ہیں، نصاب زکوۃ تک پہنچنے اور حولان حول ہونے کی صورت میں ان کی زکوۃ ان کے خریدار پر واجب ہے۔

جس مال کے ذریعہ کمپنی سے شیئرز خریدنے والا شیئرز خریدتا ہے وہ مال معنوی طور پر خریدار کمپنی کو مضاربت یا شرکت تجارت کے لئے دیتا ہے جس کی نفع میں شیئرز کا خریدار حصہ دار ہوتا ہے یعنی کہ اس نے اپنا یہ مال مضاربت والی تجارت میں لگا دیا ہے، دریں صورت مال مذکور کے عوض اسے جو شیئر ملا ہے اور وہ اس شیئر کو موقع ملنے پر فروخت کر دیا کرتا ہے تو اس طرح کا کاروبار شرعاً ناجائز وممنوع ہے کہ آدمی جس مال کے عوض شیئر خریدے وہ مال معنوی طور پر خریدار کی طرف سے مضاربت میں لگا رہے، اس کے باوصف اسی مضاربت والے مال کے عوض اسے جو شیئر ملا ہوا ہے اسے بھی وہ فروخت کا حقدار بنا رہے، خریدی ہوئی چیز خریدار کے ملک میں اس طرح آجاتی ہے کہ جس چیز کے عوض اس نے وہ چیز خریدی ہے اس عوض پر اس کی کسی طرح کی ملکیت باقی نہیں رہ جاتی اور شیئر والا معاملہ اس کے برعکس ہے، اس لئے یہ کاروبار فی نفسہ ناجائز وممنوع ہے، دریں صورت ہم یہ عرض کرنے سے قاصر ہیں کہ شیئرز میں کس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور جب ہم اس معاملہ میں کچھ عرض کرنے سے قاصر ہیں تو اس کے بعد والے دوسرے سوال کے جواب سے اور بھی زیادہ قاصر ہیں آخر شیئرز کو کس کی ملکیت قرار دیا جائے اور جس مال کے عوض شیئرز خریدے جائیں اسے کس کی ملکیت مانا جائے۔

بونڈس سے متعلق سوال کے سلسلہ میں عرض ہے کہ بونڈس والی رقم جب قرض دہندہ کو واپس ملے گی تو اس میں قرض دہندہ پر زکوۃ واجب ہوگی، جب کہ واپسی کے بعد اس رقم پر حولان حول ہو جائے جتنی مدت تک وہ رقم سرکار یا کمپنی کے پاس رہے اس کی زکوۃ قرض دہندہ پر نہیں

Marfat.com

واجب ہوگی۔

محور ثانی - نصاب زکوۃ

ہمارے نزدیک چاندی اور سونے کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں زکوۃ دینے کے لئے چاندی والا نصاب سونے والے نصاب کے بالمقابل اصل قرار دیئے جانے میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے، عہد نبوی وعہد صحابہ میں بھی چاندی وسونے کے نرخ میں اچھا خاصا فرق رہا کرتا تھا اگرچہ آج دونوں کے نرخ میں عہد نبوی اور عہد صحابہ والے فرق سے زیادہ فرق پیدا ہوگیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اللہ ورسول کے احکام پر مشتمل زکوۃ سے متعلق جو تحریری فرمان عمال کے نام دربار خلافت سے جاری کیا تھا اس میں صراحت ہے کہ جس آدمی پر بنت مخاض یا ابن مخاض (اونٹنی کا جو بچہ سال بھر کا ہوکر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) زکوۃ میں فرض ہو اور اس کے پاس بنت مخاض یا ابن مخاض نہ ہو، بلکہ اس کے پاس بنت لبون یا ابن لبون ہو (اونٹنی کا جو بچہ دو سال کا پورا ہوکر تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) تو اس سے ابن لبون یا بنت لبون لے کر بیس درہم (چاندی کا سکہ یا اس کے مساوی چاندی) اسے واپس کردیا جائے (عام کتب حدیث)۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس حدیث اور اس معنی کی دوسری احادیث سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ نقدین کے علاوہ دوسرے اموال میں زکوۃ دینے کے لئے اولیت کا مقام چاندی والے نصاب کو حاصل ہے، نیز حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی شدہ ایک حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال موجود ہو جس کی بنا پر وہ غنی قرار پاتا ہو، اس کے لئے دوسروں سے مانگنا قابل مواخذہ جرم ہے، اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمی کو کتنا مال غنی بنا دیتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچاس درہم (چاندی کے سکے یا اس کے مساوی چاندی والا دھات) یا اتنا سونا جو پچاس درہم کے مساوی ہو (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)۔

Marfat.com

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اصل قرار دینے میں آپ نے چاندی کو سونے کے بالمقابل اولیت کا درجہ دیا ہے، بنا بریں ہمارے نزدیک چاندی اور سونے کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں چاندی والے نصاب کو اصل قرار دینا چاہئے، ایسا کرنے میں مستحقین زکوۃ کا زیادہ فائدہ ہوگا، اور ایجاب زکوۃ میں شریعت نے مستحقین زکوۃ کا فائدہ ملحوظ رکھا ہے، ان باتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ چاندی اور سونے کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں زکوۃ دینے کے لئے چاندی والے نصاب کو سونے والے نصاب کے بالمقابل اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

اس سوال کی دوسری شق (یعنی کہ نصاب حرمت زکوۃ اور نصاب موجب زکوۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے یا سونے کے نصاب سے؟) کا جواب ہماری مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے، یعنی نصاب موجب زکوۃ کی کم از کم مقدار سونے اور چاندی کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے اور نصاب حرمت زکوۃ کا بھی وہی معاملہ ہوگا، یعنی کہ پچاس درہم چاندی یا اس کے مساوی مال جس کے پاس ہو وہ غنی ہے، اس کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں، مگر یہ عام حکم ہے، اس عموم سے احوال وظروف کے پیش نظر استثناء وتخصیص کی گنجائش ہے، مثلاً ایک فرمان نبوی یہ صادر ہوا ہے کہ: "**ولا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی**" (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی واحمد والنسائی وابن ماجہ)۔

اس فرمان میں کہا گیا ہے کہ غنی کے لئے صدقہ لینا حلال نہیں، مگر عاملین زکوۃ ومجاہدین اگر غنی بھی ہوں تو دوسرے نصوص کی بنیاد پر زکوۃ لے سکتے ہیں، اور اسی فرمان میں جو یہ مذکور ہے کہ "مرة سوی" ہٹے کٹے صحت مند آدمی کے لئے زکوۃ حلال نہیں، اس کا مقتضی ہے کہ ایسا آدمی خواہ پچاس درہم چاندی یا اس کے مساوی مال سے کم رکھتا ہو تو اس کے لئے زکوۃ لینا حلال نہیں، جب خرچ چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

Marfat.com

محور ثالث- مصارف زکوۃ

۱-اس سوال میں مذکورہ دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ذمہ داران مدارس اپنی صوابدید سے نظم ونسق چلانے کے لئے موزوں ومناسب سمجھیں، ہمارے نزدیک اختیار کرسکتے ہیں اور دونوں میں سے ہر صورت مختلف مدارس اسلامیہ میں رائج بھی ہے، ہمارے نزدیک مہتمم مدرسہ بعض اعتبار سے زکوۃ دہندگان کا وکیل ہے اور بعض اعتبار سے مستحقین زکوۃ کا۔

۲-زکوۃ کی وصولی اور اس کے حساب وکتاب پر مقرر کئے گئے لوگوں کو تنخواہ ومعاوضہ کا شرعی ثبوت تو ملتا ہے مگر کمیشن پر یہ کام کرنے کی کوئی مثال عہد نبوی اور عہد صحابہ وقرون اولی میں نہیں ملتی، اس لئے ہمارے نزدیک یہ طریق طریق اسلاف کے خلاف ہونے کے سبب قابل اجتناب ہے، اگر طے شدہ کمیشن پر ہی کام نہ کرانے کی سبب مدارس کی آمدنی بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے تو اس کے اسباب وعوامل معلوم کرکے انہیں ختم کرنے کی عملی طور پر مخلصانہ کوشش کی جائے نہ کہ مدارس کی آمدنی کو زیادہ متاثر ہونے سے بچانے یا اسے بڑھانے کی غرض سے طریق اسلاف کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔

ہمارے نزدیک دینی اداروں کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کردہ افراد ''عاملین علیہا'' کے مفہوم میں داخل ہیں۔

زکوۃ وصول کرنے کرانے کے لئے کمیشن کی صورت اختیار کرنی ہمارے نزدیک طریق اسلاف کے خلاف ہونے کے سبب نامناسب ہے، دریں صورت کمیشن کی شرح فیصد مقرر کرنے کے لئے کسی خاص حد کی تعیین کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

زکوۃ کے حساب وکتاب کے لئے مقررہ عملہ ہمارے نزدیک عاملین زکوۃ کے مفہوم میں داخل ہیں، اس کی کارکردگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جانبین کی رضامندی سے طے کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

چند جدید مسائل زکوۃ سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا نعمت اللہ قاسمی ☆

ملک تام

۱- ملک تام سے مراد جو رقبۃً و یداً مملوک ہو۔ (عالمگیری ۱۷۳)

۲- جس مال تجارت کی قیمت ادا کردی گئی ہے، مگر اب تک قبضہ نہیں ہوا، قبل القبض زکوۃ واجب نہیں ہے۔

"ولا فیما اشتراہ لتجارۃ قبل قبضہ"۔

قبضہ کرنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے (عالمگیری ۲/۱۷۲)۔

صاحب "بحر" نے بھی لکھا ہے کہ سنین ماضیہ کی بعد القبض زکوۃ ادا کرے گا (بحر/۲۰۸)۔

مگر علامہ شامی نے لکھا ہے کہ قاضی خاں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (شامی ۲/۷)۔

۳- بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہے وہ مالک ہوگیا، لہذا اس کی زکوۃ بائع پر ہے نہ کہ مشتری پر (بحر/۲۰۲۳)۔

☆ استاذ دار العلوم دیوبند۔

Marfat.com

۴-کرایہ پر دی گئی پیشگی رقم ،اس رقم کا مالک، مالک مکان ہوگیا،لہذا اس کے ذمہ ہی زکوۃ واجب ہوگی (شامی ۶/۵)۔

ڈپوزٹ کی رقم پر زکوۃ

اس کی زکوۃ کرایہ دار پر ہوگی، اس لئے کہ وہ بہ طور قرض کے دئے ہوئے ہے (شامی ۳۵/۲)۔

۵-مدارس میں جمع رقم پر زکوۃ نہیں ہے "فلا زکوة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک"۔

۶-مال مخلوط میں مال حرام کی مقدار نکالنے پر بہ قدر نصاب بچتا ہے تو اس باقی مقدار میں زکوۃ واجب ہے (شامی ۳۵/۲)۔

دین کی زکوۃ کس پر؟

دین کی زکوۃ دائن پر ہوگی، مدیون پر کسی حال میں بھی نہ ہوگی۔

وصولیابی اور عدم وصولیابی کے اعتبار سے دین کے اقسام:

۱- جس کا مدیون اقرار کرتا ہو۔

۲-جس کا مدیون انکار کرتا ہو،مگر دائن کے پاس شہادت موجود ہے۔

۳-مدیون انکار کرتا ہے اور دائن کے پاس شہادت موجود نہیں ہے۔

ان تینوں صورتوں میں مدیون کے اندر دین کی ادائیگی کی استطاعت ہے یا استطاعت نہیں ہے اور معسر ہے، ابتداء علماء احناف صرف اس دین کو جس کا مدیون انکار کرتا ہے اور کوئی شہادت بھی دائن کے پاس نہیں ہے اس کو مال ضمار کے حکم میں کہتے تھے،مگر حالات کی تبدیلی سے اس کو بھی مال ضمار کے حکم میں کہنے لگے جس پر شہادت موجود ہو، اس لئے کہ عدالت کے ذریعہ

Marfat.com

قرضہ وصول کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے اس کے بعد حالات میں اور زیادہ تبدیلی آئی کہ آدمی اقرار بھی کرتا ہے اور دین کی ادائیگی پر قادر بھی ہے پھر بھی ٹال مٹول کرتا ہے اور ادا نہیں کرتا ہے اور دائن کے لئے وصول کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے جس کی بناء پر بعض فقہاء احناف نے دین کی صرف دو قسمیں قرار دیں:

۱-جس دین کی وصولیابی کی بالکل امید نہیں یا امید ضعیف ہے۔

۲-جس دین کی وصولیابی کی امید قوی ہے۔

جس دین کی وصولیابی کی امید قوی ہے اگر وہ دین قوی ہے تو سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرے گا اور اگر دین متوسط ہے یا ضعیف ہے تو سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہے اور دین کے ملنے کی امید بھی نہیں یا ضعیف امید تھی اگر وہ مل جائے تو وہ مال مستفاد کے حکم میں ہوگا۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

ملازمت کی وجہ سے اجرت کا استحقاق ہے، مگر جب تک قبضہ نہ کرے ملک تام حاصل نہیں ہے، بلکہ عند الاحناف یہ دین متوسط ہے، لہذا دین متوسط میں اصح روایت کی بنا پر سنین ماضیہ کی زکوۃ دینا واجب نہیں ہے۔

نامی کی حقیقت

نمو، بمعنی بڑھوتری، نمو حقیقی توالد وتناسل یا تجارت کی شکل میں نمو تقدیری نمو اور اضافہ کرنے پر قدرت کا ہونا، بایں طور کہ وہ مال خود اس کے قبضہ میں ہو یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو (شامی ۲/۷)۔

حقیقۃً نمو و اضافہ مراد نہیں ہے (بدائع ۲/۱۱)۔

Marfat.com

حوائج اصلیہ کی تعریف

جس کے بغیر زندگی بسر کرنا دشوار ہو (دیکھئے: شامی ۲/۶)۔

انسان کی بہت سی ضرورتیں ہیں اور موجودہ دور میں بہت سی غیر ضروری چیزوں کو لوگوں نے اپنے طور پر ضروری کرلیا ہے، مگر زکوۃ کے سلسلہ میں حوائج اصلیہ سے مراد وہی ضرورت ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو، حوائج اصلیہ میں حالات کے اعتبار سے اور اسی طرح زکوۃ ادا کرنے والے کی حیثیت کے اعتبار سے کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا۔

کون سا دین مانع زکوۃ ہے

ہر اس دین سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ آدمی کی طرف سے ہو وہ دین حقوق اللہ کے قبیل سے ہو، جیسے زکوۃ، یا حقوق العباد کے قبیل سے ہو، پھر دین معجّل ہو یا دین مؤجل ہو، چونکہ دین کی ادائیگی حوائج اصلیہ میں داخل ہے، زکوۃ کے وجوب کے لئے حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا ضروری ہے، اس لئے مدیون ہوتے ہوئے غناء کا تحقق نہیں ہوگا۔

یہی قول امام مالک اور احمد کا بھی ہے، مگر امام شافعی کے یہاں زکوۃ کے وجوب کے لئے دین سے محفوظ ہونا شرط نہیں ہے۔

طویل الاجل قرضوں کا حکم

موجودہ دور میں زراعتی یا کارخانہ قائم کرنے کے لئے بڑی رقمیں حکومت سے لی جاتی ہیں اور اس سے خوب نفع بھی کمایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ کے قول پر ہر طرح کے دیون کو وضع کرنے کے بعد اس کے پاس بہ قدر نصاب ہے تو زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

مگر جب اس طرح کے قرضوں کا عام رواج ہو جائے اور ان دیون کو مانع زکوۃ قرار دیا

Marfat.com

جائے تو زکوۃ کی وصولیابی بہت زیادہ متاثر ہوگی، شرعاً یہ بات مشروعیت زکوۃ کی حکمت کے منافی ہے، اس لئے تجارتی دین کو حوائج اصلیہ میں شمار کرنا مشکل ہے، اگر امام شافعی کا قول لیا جائے تو اس سے مالک کا ضرر ونقصان ہے، اس لئے اگر درمیانی شکل نکالی جائے، جیسے بعض فقہاء نے دین مہر میں معجّل اور موٴجل کی تفریق کی ہے تو مناسب ہوگا، لیکن اس میں اجتماعی فیصلہ معتبر ہوگا، انفرادی رائے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں یا تو ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کیا جائے یا پھر امام شافعی کے قول پر حالات کی بنا پر فتوی دیا جائے۔

کمپنی پر زکوۃ

اقتصادی تجارتی ترقی کے ساتھ شرکت کی ایک قسم وجود میں آئی ہے، جس میں خود کمپنی کو ایک شخص حکمی قرار دیا جاتا ہے اور کمپنی کے لئے ذمہ ثابت کیا جاتا ہے اور کمپنی کا یہ ذمہ شرکاء کے ذمہ سے الگ ہوتا ہے، فقہاء نے اگرچہ اس لفظ کو استعمال نہیں کیا ہے، مگر بہت سے ایسے احکامات بیان کئے ہیں جو شخص حکمی کے نظریہ پر منطبق ہیں۔

مثلاً مسجد اور اسی طرح دیگر ادارے کے لئے وصیت کرنا راجح قول کے مطابق بلا تفصیل صحیح ہے، شامی میں ہے: "ینبغي أن یفتی لصحة الوصیة للأزهر ویصرف لطلبته کما یقضي به العرف"۔

اوقاف کے لئے حقوق ثابت ہوتے ہیں اس طرح اوقاف پر دوسروں کے حقوق ثابت ہوتے ہیں اور متولی اس کی نمائندگی کرتا ہے اور وقف کی ضروریات کے لئے متولی سامان خریدتا ہے اور وقف سے اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت وقف کا متولی قاضی کی اجازت سے وقف کے لئے قرض لیتا ہے تو خود وقف مقروض ہوتا ہے، اسی طرح خود حکومت کو شخص حکمی قرار دے کر اس پر احکامات متفرع کئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

چونکہ اموال زکوۃ میں احناف کے یہاں ''خلطۃ الشیوع'' اور ''خلطۃ الجوار'' کسی کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ ہر شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے گا، دیگر ائمہ مویشی کی زکوۃ میں خلطۃ الشیوع جس کو وہ حضرات خلطۃ الاعیان سے اور خلطۃ الجوار جس کو وہ حضرات خلطۃ الاوصاف سے تعبیر کرتے ہیں، دونوں طرح کی خلطۃ کا کچھ شرائط کے ساتھ اعتبار کرتے ہوئے اس کو شخص حکمی قرار دیتے ہیں اور اس پر زکوۃ کو واجب کہتے ہیں۔

مویشی کی زکوۃ کے علاوہ اموال تجارت وغیرہ میں خلطۃ الشیوع یا خلطۃ الجوار کا اعتبار کرنے میں اختلاف ہے (دیکھئے: مغنی لابن قدامہ ۲/۶۱۹)۔

حضرت امام شافعی کے یہاں صحیح قول کے مطابق مویشی کے علاوہ دیگر اموال میں خلطۃ کا اعتبار ہے (دیکھئے: شرح المہذب ۵/۴۵)۔

مگر خلطہ کے تحقق کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ سب شرکاء مسلمان ہوں (مغنی ۲/۶۰۹، شرح المہذب ۵/۴۳۴)۔

اس بنا پر اگر کمپنی کے تمام شرکاء مسلمان ہوں تو شوافع کے قاعدہ کے مطابق کمپنی پر زکوۃ واجب ہوگی اگرچہ بعض شرکاء کا حصہ انفرادی طور پر مقدار نصاب نہ ہو اور جب کمپنی زکوۃ ادا کردے تو اس کے شرکاء کو الگ سے اس کی زکوۃ نہیں نکالنی ہوگی، اگر کمپنی کے تمام شرکاء مسلمان ہوں تو سہولت کے پیش نظر امام شافعی کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اگر تمام شرکاء مسلمان نہیں ہیں، بلکہ کچھ غیر مسلم ہیں تو سب ائمہ کے نزدیک ہر حصہ دار کو اپنے حصہ کی الگ الگ زکوۃ نکالنی ہوگی۔

ہیرے جواہرات پر زکوۃ

ہیرے اور جواہرات کو زینت کے لئے اور کسی غیر تجارتی مقصد کے لئے خرید رکھا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے مال نامی ہونا شرط ہے، چاہے حقیقۃً نامی ہو یا تقدیراً، اور یہ مال نامی نہیں ہیں اور حوائج اصلیہ میں بھی داخل نہیں ہیں، مگر زکوۃ کے

Marfat.com

وجوب کے لئے حوائج اصلیہ سے زائد کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا نامی ہونا بھی شرط ہے، حوائج اصلیہ سے زائد ہونے کا اثر زکوۃ لینے پر پڑے گا (شامی ۸/۲)۔

اموال تجارت پر زکوۃ نرخ کا تعین

سامان تجارت میں نرخ کے تعین میں اپنی لاگت کا اعتبار نہیں، بلکہ بازار بھاؤ کا اعتبار ہوگا، اس لئے اگر نرخ کم ہوگیا اور لاگت کا اعتبار کیا جائے تو مالک کا ضرر ونقصان ہے اور اگر نرخ بڑھ گیا تو لاگت کا اعتبار کرنے میں لازم آتا ہے کہ صرف راس المال کی زکوۃ ادا کرے، جبکہ راس المال اور نفع دونوں کی زکوۃ ادا کرنا ہے تو کس دن کے نرخ کا اعتبار ہوگا؟۔

امام صاحب کے بیان کے مطابق حولان حول کے وقت کا اور صاحبین کے بیان کے مطابق جس دن زکوۃ ادا کرے گا اس دن کے نرخ کا اعتبار ہوگا۔

نرخ میں تھوک کا اعتبار ہوگا، یا پھٹکر کا؟

انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے، جیسا کہ نصاب کے سلسلے میں فقہاء نے اعتبار کیا ہے یا جس طرح کی تجارت کرتا ہے، اگر تھوک فروش ہے تو تھوک کی قیمت کا اعتبار کرے اور اگر پھٹکر فروش ہے تو پھٹکر کا اعتبار کرے، نقد قیمت کا اعتبار ہوگا ادھار قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

بونڈز دین قوی کے قبیل سے ہے، اس لئے سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب ہوگی۔

شیئرز کے سلسلے میں لکھا جاچکا ہے کہ تجارتی کمپنیاں مختلف قسم کی ہوتی ہیں، بعض میں پورا حصہ مال نامی ہوتا ہے، بعض میں کچھ غیر نامی کی شکل میں ہوتا ہے اور کچھ نامی شکل میں، جو نامی ہے اسی پر زکوۃ ہے، اور غیر نامی پر زکوۃ واجب نہیں ہے، حصص بنفسہ نامی نہیں ہیں، ہاں اگر حصص کو خرید وفروخت کی غرض سے خریدتا ہے تو خود حصص مال تجارت ہوں گے، ورنہ مال تجارت کے قبیل سے نہیں ہوں گے۔

Marfat.com

پورے حصص یا حصص کے کچھ حصہ پر زکوۃ

حنفیہ کے اصول کے مطابق اس کے حصہ میں جتنا حصہ کمپنی کے غیر نامی اثاثوں میں صرف ہوا ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور جتنا حصہ نقد رقم یا مال تجارت کی شکل میں ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی اگر اس نے حصص کو خرید وفروخت کی غرض سے خریدا ہے تو کل حصہ مال تجارت ہوگیا ایسی صورت میں کل حصہ پر زکوۃ واجب ہوگی۔

نصاب زکوۃ

زکوۃ کے وجوب کے لئے مال نامی اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ مقدار نصاب کا مالک ہونا بھی ہے، تاکہ زکوۃ نکالنے پر مالک کو کسی طرح کا ضرر ونقصان نہ ہو جو قابل اعتبار ہو، سونے چاندی دونوں کو جب شریعت نے معیار قرار دیا ہے تو خواہ مخواہ کسی ایک کو قرار دینا بے دلیل ہوگا، تفاوت کی صورت میں اموال زکوۃ کی قیمت میں چاندی کے نرخ کا اعتبار کیا جائے یا سونے کا یہ مسئلہ روح شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے بہت پہلے طے کردیا ہے (مغنی ۳/ ۳۳، شامی ۲/ ۳۱)۔

مہتمم مدرسہ کی حیثیت

مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندگان کا بھی وکیل ہے اور مستحقین زکوٰۃ کا بھی جس کی وجہ سے زکوۃ دینے والوں نے سفراء کو زکوۃ دی اس کی زکوۃ ادا ہوگئی، جیسے حکومت اسلامی کے مصدق وساعی کو زکوۃ دیتے ہی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، اس لئے کہ امیر المومنین اور اس کے واسطہ سے عاملین مستحقین زکوۃ کے وکیل ہیں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے حضرت مولانا تھانوی کو اسی طرح کا جواب لکھا تھا جس پر وہ بھی مطمئن ہوگئے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ ہوتے ہیں، جیسا کہ امیر نائب جملہ عالم

Marfat.com

کا ہوتا ہے، پس جوشئ مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے اسی کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کی ہوگئی، اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے۔

طلبہ پر فیس مقرر کرنا اور اس کو مد زکوۃ سے ادا کرنا

طلبہ پر کمرہ کا کرایہ، تعلیمی فیس، بجلی کی اجرت اور طعام کی قیمت مقرر کر کے ان کے ذمہ اس کو لازم کرنا درست ہے اور جب طلبہ مدیون ہو جائیں تو ان کے دین کو مد زکوۃ سے ادا کرنا بایں طور کہ ان کو مد زکوۃ سے مقررہ روپیہ دیا جائے اور وہ مدرسہ میں داخل کریں، صحیح اور درست ہے اور بہت سے مدارس میں اس طرح کا نظم پایا جاتا ہے، البتہ مہتمم مدرسہ اور خود بدون طلبہ کے وکیل بنائے ہوئے ادا کرے گا تو وہ زکوۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ طلبہ باقاعدہ مہتمم مدرسہ کو وکیل بنائیں کہ آپ ہماری طرف سے ہمارا مقررہ وظیفہ وصول کر کے ہمارے دین میں محسوب کرلیں تو صحیح ہوگا۔

نوٹ: ابتداء میں مہتمم مدرسہ کو مستحقین زکوۃ کا وکیل تسلیم کیا گیا ہے، مگر اس میں کسی طالب علم کا تعین نہیں ہے، اس لئے اس وکالت کی بنا پر طلبہ پر مدرسہ کا کوئی متعین حق ثابت نہیں ہوتا ہے، ہاں جب مدرسہ باقاعدہ طلبہ کا وظیفہ مقرر کرے اس وقت لڑکوں کو استحقاق حاصل ہوگا، اس لئے اس کو وصول کر کے ان کے دین میں محسوب کرنے کے لئے طلبہ باقاعدہ وکیل بنائیں، اس لئے اس وکالت کی بنیاد پر طلبہ کا وظیفہ بہ مد زکوۃ مقرر کرے تو اس وقت میں زکوۃ کا استحقاق ہوگا، اس لئے اس کو وصول کر کے ان کے دین میں محسوب کرنے کے لئے باقاعدہ وکیل بنانا ضروری ہوگا۔

سفراء مدرسہ کو مد زکوۃ سے تنخواہ دینا

جب مہتمم مدرسہ کو مثل امیر مستحقین زکوۃ کا وکیل تسلیم کرلیا گیا تو محصلین وسفراء وعاملین میں داخل ہوں گے اور ان کو ان کی کارکردگی کے مطابق مد زکوۃ سے بہ طور عمالہ دیا جاسکتا ہے، مگر

Marfat.com

ان کی وصول کردہ زکوۃ میں سے نصف سے زائد دینا جائز نہ ہوگا اور جب یہ بہ طور اجارہ نہیں ہے، بہ طور عمالہ ہے تو کمیشن بھی صحیح ہوگا۔

حساب لکھنے والوں کو ان کی کارکردگی کے بہ قدر مد زکوۃ سے دیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی عاملین کے حکم میں ہیں۔

Marfat.com

زکوۃ کے شرعی احکام

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی ☆

زکوۃ کے احکام سے متعلق سولہ سوالات پر مشتمل سوالنامہ کے جوابات اختصار کے ساتھ بالترتیب ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱- شریعت اسلامی میں ملک تام سے مراد وہ ملک ہے جس میں مالک کا قبضہ بھی ہو، لہذا اموال زکوۃ میں اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی مفقود ہو جائے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں۔

وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو اور مال اب تک مشتری کے قبضہ میں نہ آیا ہو تو چونکہ قیمت کی ادائیگی کے بعد بائع اس قیمت کا مالک بن گیا اور اس پر قابض بھی ہو گیا، اس لئے بائع کے ذمہ اس قیمت پر (نصاب وحولان حول کے بعد) زکوۃ واجب ہوگی اور مال چونکہ مشتری کے قبضہ میں نہیں آیا، گو مشتری اس کا مالک ہے، مگر ملک تام نہ ہونے کی وجہ سے اس مال پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

۲- کرایہ کی جو رقم پیشگی دی جاتی ہے اور فسخ یا مدت پوری ہونے کے بعد واپس کی جاتی ہے وہ رقم بہ طور وثیقہ کے رکھی جاتی ہے جس طرح شیٔ مرہون بہ طور وثیقہ رکھی جاتی ہے اور چونکہ

☆ مفتی دار العلوم دیوبند و نائب مہتمم۔

Marfat.com

اس رقم پر ملک تام کسی کی نہیں ہے، کرایہ پر لینے والا اس رقم کا مالک تو ہے، مگر اس کا اس پر قبضہ نہیں ہے اور کرایہ پر دینے والا اس رقم کا مالک نہیں، البتہ قبضہ ضرور ہے، اس لئے اس رقم پر زکوۃ واجب نہ ہوگی (شامی ۲ر ۲۶۳)۔

۳- مدارس اور اداروں میں جو رقم آتی ہے ارباب مدارس مثل عمال بیت المال کے معطین اور آخذین ہر دو کی طرف سے وکلاء ہیں، مالک نہیں ہیں، لہذا مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم میں ملکیت نہ پائے جانے کی وجہ سے ان رقوم میں زکوۃ واجب نہیں، نہ معطین کی طرف سے نہ آخذین کی طرف سے۔

۴- خالص مال حرام میں زکوۃ واجب نہیں، کیونکہ اس کا مالک معلوم ہونے کی صورت میں وہ مال ردالی صاحب المال کے اصول کے پیش نظر واجب الرد ہے، اور اگر مالک معلوم نہیں تو کل مال واجب التصدق ہے، اور مال حرام جب مال حلال کے ساتھ خلط ہو جاتا ہے تو وہ مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دیکھا جائے گا کہ اگر مال مخلوط میں سے بہ قدر مال حرام نکال کر نصاب تک پہنچتا ہے تو باقی مال پر، یعنی نصاب تک پہنچنے والے اس مال پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر بہ قدر نصاب نہیں بچتا ہے تو پھر اس پر زکوۃ واجب نہیں (دیکھئے: شامی ۲ر ۲۹)۔

۵- دین کی وصولیابی کی امید نہ ہو تو اس دین پر زکوۃ واجب نہیں اور اگر دین کی وصولیابی کی امید ہو تو پھر دین کے تین درجے ہوں گے (۱) دین قوی، (۲) دین متوسط، (۳) دین ضعیف:

دین قوی وہ دین کہلاتا ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے بدلہ میں کسی کے ذمہ واجب ہوا ہو، اور متوسط وہ دین ہے جو مال ہی کے بدلہ میں واجب ہوا ہو، مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا چاندی نہ ہو، بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور سامان ہو، اور دین ضعیف وہ دین کہلاتا ہے جو کسی

Marfat.com

مال کے بدلہ میں مدیون کے ذمہ واجب نہ ہوا ہو، جیسے دین مہر، بدل خلع، میراث، وصیت وغیرہ۔

ان تینوں دیون کا حکم یہ ہے کہ دین قوی اگر بہ قدر نصاب ہے اور چالیس درہم پر دائن کا قبضہ ہو جائے تو اس میں ایام ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے، اور دین ضعیف پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں، بلکہ قبضہ ہونے کے بعد حسب ضابطہ زکوۃ واجب ہوگی، رہا دین متوسط کا حکم تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین متوسط میں اصح روایت کے مطابق ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں، بلکہ وصول ہونے کے بعد جب اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو۔

اگر مدیون کے ذمہ ایسا دین ہے جس کا طالب بندہ ہے جیسے قرض، زکوۃ، مال خراج، دین مہر وغیرہ تو مدیون کے اتنے مال پر زکوۃ واجب نہیں، جتنا مال اس کے ذمہ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اگر اس سے زائد مال بہ قدر نصاب موجود ہو تو اس پر حسب ضابطہ شرعیہ زکوۃ واجب ہوگی، مدیون قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود اگر قرض ادا نہ کرے تو وہ مال مدیون کے ذمہ دین ہی میں مشغول سمجھا جائے گا اور اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، البتہ اگر اس مشغول فی اداء الدین مال کو تجارت میں لگائے اور اتنا نفع ہو کہ دین کی ادائیگی کے بعد بہ قدر نصاب مال، مدیون کے پاس بچتا ہو تو اس پر حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔

٦- پرائیویڈنٹ فنڈ جو حکومت کے ذمہ واجب الاداء ہے، ملازم اس رقم کا صرف استحقاق رکھتا ہے، اس رقم پر مالک و قابض نہیں ہوا ہے، اس رقم کو نہ تو دین قوی بنایا جا سکتا ہے، نہ دین متوسط، بلکہ یہ دین ضعیف میں داخل ہے اور دین ضعیف کا حکم یہ ہے کہ اس میں ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں، بلکہ قبضہ میں آنے کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، لہذا پرائیویڈنٹ فنڈ کی رقم کا بھی یہی حکم ہوگا۔

Marfat.com

۷- حقیقت نما اور اس کی قسمیں

''نما'' کی حقیقت یہ ہے کہ مال ایسی حیثیت میں ہو کہ اس میں بڑھوتری اور زیادتی ہو سکے، خواہ وہ حقیقی ہو، جیسے توالد وتناسل وتجارت، یا تقدیری ہو، جیسے مالک کو اس مال کے بڑھانے کی قدرت ہو، خواہ وہ مالک کے قبضہ میں رہ کر ہو یا نائب کے قبضہ میں رہ کر ہو، یا نمو خلقی ہو، جیسے سونا چاندی، اس میں چاہے تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یا نمو فعلی ہو، یعنی سونا چاندی کے علاوہ دیگر سامان، اگر اس میں تجارت واسامت اور عملاً ان چیزوں میں تجارت کی ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہے، خواہ ان چیزوں میں تجارت کی نیت صراحۃً یا دلالۃً ہو (دیکھئے: عالمگیری ۱/۱۷۴)۔

۸- حاجت اصلیہ

حاجت اصلیہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنی جان کو ہلاکت اور بے عزتی سے محفوظ رکھ سکے، نان ونفقہ، رہائش کے لئے مکان، جنگ کے سامان، سردی، گرمی سے حفاظت کے لئے کپڑے، یہ حاجت اصلیہ حقیقی ہے، اس کے علاوہ دین حاجت تقدیری میں داخل ہے، کیونکہ مدیون اپنی جان دائن کے ہاتھ سے بچانے کے لئے اس کی ادائیگی کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح آلات حرفت، متاع بیت، سواری کا جانور، علماء کے لئے کتابیں یہ چیزیں بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، لہذا اگر صاحب مال کے پاس اپنی حاجت اصلیہ کو پورا کرنے کے بعد اتنا مال بچتا ہو جو بہ قدر نصاب ہو تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی (دیکھئے: شامی ۲/۲۶۲)۔

جب حاجت اصلیہ میں یہ بات اصل قرار پائی کہ انسان جس سے بآسانی اپنی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت کر سکے تو ہر دور اور ہر ماحول میں اپنی جان وعزت کی حفاظت کے لئے

Marfat.com

جتنی مالیت کی حاجت ہو وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہوگی۔

۹-حکومت کی طرف سے جو قرض ملتا ہے، جس کی ادائیگی کے لئے کئی سال کی لمبی مہلت ملتی ہے، اور سالانہ ایک متعین مقدار قرض کی ادائیگی اس کے ذمہ رہتی ہے تو ان صورتوں میں اس کے اموال پر زکوۃ واجب ہونے کے لئے مدیون کے ذمہ پورا قرض منہا کرنے کے بعد اگر بہ قدر نصاب مال بچتا ہے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، سالانہ واجب الاداء قسط وضع کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، فقہی عبارت سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

۱۰-اگر کمپنی کی مجموعی مالیت بہ قدر نصاب ہو جائے اور شرکاء کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کرنے کے بعد کسی شریک کے حصہ میں بہ قدر نصاب مال نہ ہو تو اس رقم پر زکوۃ واجب نہیں، البتہ اگر تقسیم کے بعد ہر شریک کے حصہ میں یا بعض شریک کے حصہ میں اتنا مال آتا ہو جو بہ قدر نصاب ہو تو ان شرکاء کے ذمہ اپنے اپنے حصوں میں زکوۃ واجب ہوگی، غرض کہ زکوۃ کے وجوب میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ ہر شریک کے انفرادی حصے کا اعتبار ہوگا (دیکھئے: درمختار و شامی ۲ / ۳۴)۔

۱۱- جو حضرات سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپے کے خرید کر محفوظ کرتے ہیں اگر خریدتے وقت دل میں یہ نیت ہو کہ آئندہ کبھی اس کو بیچ کر روپے حاصل کرلیں گے تو وہ مال تجارت میں شمار ہو کر اس کی مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی اور واقعہ یہی ہے کہ سرمایہ بنانے کی نیت سے ہیرے جواہرات جو شخص خریدتا ہے لازمی نیت اس کی یہی ہوتی ہے کہ وہ آئندہ فروخت کرے گا، صرف ہیرے جواہرات جمع کرنے کی نیت سے نہیں رکھتا ہے، البتہ اگر کوئی محض جمع کرنے کی نیت سے خریدے، آئندہ انہیں فروخت کرنے کی کہیں دور تک بھی نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ آئندہ اگر کوئی مصلحت یا نفع سمجھوں تو فروخت کردوں گا، ورنہ اسے گھر میں جمع رکھیں گے، خواہ وہ کتنی بھی مالیت کے ہوں، اس پر زکوۃ

Marfat.com

واجب نہ ہوگی، اور خواتین تزئین کے لئے جو ہیرے جواہرات استعمال کرتی ہیں اس میں نہ حقیقۃً نمو ہے نہ دلالۃً، اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں "ولا زکوة فی الجواهر واللآلی إلا أن یتملکها بنیة التجارة کسائر العروض" (دیکھئے: طحاوی علی مراقی الفلاح ۳۹۱)۔

۱۲- جو سامان تجارت تاجر کے قبضہ میں ہے سالانہ زکوۃ نکالتے وقت اس کی مالیت کا تعین اس نرخ سے ہوگا جو زکوۃ کی ادائیگی کے وقت بازار میں ہوگا، یعنی جس قدر نفع یا نقصان کے ساتھ بازار میں وہ سامان بکتا ہو اسی نفع یا نقصان کے ساتھ نرخ کا تعین کیا جائے گا، بازار کا بھاؤ خرید کی قیمت سے زیادہ ہو یا کم "وعنده تعتبر قیمته یوم الوجوب، قالا: یوم الأداء الخ، ویوم فی البلد الذی المال فیه" (دیکھئے: درمختار و شامی ۲/۳۰)۔

جو لوگ اراضی کی خرید و فروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں چونکہ خریدتے وقت ان کی نیت تجارت کی ہوتی ہے، اس لئے وہ اراضی بھی اموال تجارت میں داخل ہوں گی اور ان کا حکم بھی یہی ہوگا، یعنی ان اراضی پر بازاری قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۱۳- اگر شیئرز کی قیمت نصاب کے بہ قدر، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائے، یا شیئرز کے علاوہ دیگر نقد روپے یا مال تجارت مل کر شیئر ہولڈر نصاب کا مالک بن جائے تو اس کے ذمہ شیئرز پر زکوۃ واجب ہے، جس طرح اس کے منافع پر زکوۃ واجب ہے، البتہ شیئرز کی قیمت میں چونکہ کمپنیوں کی مشینری، مکان، فرنیچر وغیرہ کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے (اور درحقیقت ان چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں) اس لئے شیئرز کی زکوۃ نکالتے وقت کمپنی سے دریافت کرلیا جائے، جس قدر رقم شیئرز کی مشینری، مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، شیئر ہولڈر اتنی قیمت شیئرز کی کم کر کے زکوۃ نکالے، زکوۃ دیتے وقت شیئرز کی جو قیمت ہوگی وہی نکالی جائے گی "کالدراهم والدنانیر یعینهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزکاة

Marfat.com

كيف ما أمسكهما" (شامی ۲ر۱۳)۔

۱۴-فقہاء کرام نے چاندی کے نصاب کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر کسی کے پاس مال ہو تو اس کو غنی قرار دیا جائے گا، اس کو زکوۃ لینا جائز نہ ہوگا اور اس مال پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی، فقہاء کی تصریح کے پیش نظر اگر سونے چاندی کا نرخ برابر ہو تو کسی ایک کے نرخ کو اصلی قرار دیا جائے گا، اگر دونوں میں سے کسی ایک کے نرخ سے مال نصاب تک پہنچ جاتا ہے تو اسی کا اعتبار ہوگا، غرض جس میں فقراء کا نفع ہو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا "في عروض التجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق أي فضة مضروبة، فأفاد أن التقويم إنما يكون بالمسلوك عملاً بالعرف مقوماً بأحدهما، إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به، ولو بلغ بأحدهما نصاباً دون الآخر تعين ما بلغ به ولو بلغ بأحدهما نصاباً وخمساً بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقير" (شامی ۲ر۲۹۹)۔

۱۵-اگر مدرسہ والے ہر طالب علم کو ماہانہ جو خرچہ بیٹھتا ہے، مثلاً ۲۵۰ روپے، وہ مدزکوۃ سے مستحقین زکوۃ طلبہ کو دے دیں اور ان کو یہ سمجھا دیں کہ تم پر ماہانہ ۲۵۰ روپے خرچ بیٹھتا ہے، تم کو نقد کی شکل میں دیا جاتا ہے تم اس رقم کے مالک ہو، تم اپنے اختیار سے مدرسہ کے مطبخ میں جاکر اپنے کھانے کا وظیفہ جمع کر دو یا کسی اور دفتر میں جمع کر دو، طلبہ اس رقم کے مالک بننے کے بعد مدرسہ میں جاکر وہ رقم جمع کر دیں تو یہ صورت جائز رہے گی، زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور اس رقم کو تنخواہ و تعمیرات میں لگانا بھی درست ہوگا، لیکن یہ واضح رہے کہ محض ہیرا پھیری نہ ہو، بلکہ واقعی تملیک ہو جانی چاہئے۔

۱۶-مدارس کے جو چندہ کی رقوم مدرسہ میں جمع کرتے ہیں، ان رقوم میں سے فی صد کے حساب سے سفراء کو کمیشن دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجرت مجہول ہے، ماہانہ یا روزانہ، کوئی مقدار

Marfat.com

اجرت کی مقرر و متعین نہیں، سفراء کو "العاملین علیھا" میں داخل کرنا درست نہیں، کیونکہ عاملین وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اسلامی ملک میں اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات وغیرہ کے وصول کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے شرط یہ ہے کہ بلا کسی عوض فقراء کو اس کا مالک بنا دیا جائے اور تنخواہ ایک عوض ہے، عاملین کے علاوہ کسی اور کو تنخواہوں کا بہ مدزکوۃ ادا کرنا صحیح نہیں، اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی "ولا تصح (أی الإجارة) حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة" (ہدایہ ۲/ ۲۴۳، ۳/ ۲۷۷)، "وفی الدر المختار: وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین، وفی ردالمحتار: أما الأول فکقوله بکذا درهم أو دنانیر" (شامی ۵/ ۳)۔

Marfat.com

دیون کی زکوۃ کی تفصیل اوران کے احکام

مولانا عبدالجلیل قاسمی ☆

زکوۃ،سونا، چاندی، سامان تجارت اور سائمہ جانوروں میں واجب ہوتی ہے، ملک تام سے مراد یہ ہے کہ ملکیت بھی ہواور اس سے انتفاع بھی ممکن ہو،علامہ کاسانی نے اس کو ملک مطلق سے تعبیر کیا ہے:

"وھو أن یکون مملوکا له رقبةً ویداً"(بدائع ۹/۲،شامی ۲۵۹/۲،الملتقی علی مجمع الانہر ۱۹۲/۲)۔

ا۔مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو،لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے،اس میں زکوۃ تو واجب ہوگی،لیکن قبضہ میں آنے سے پہلے ادائیگی واجب نہیں ہوگی، قبضہ میں آنے کے بعد گزشتہ ایام کی زکوۃ بھی ادا کرے گا،علامہ شامی نے ملک تام کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وخرج به أیضا کما فی البحر، المشتری للتجارة قبل القبض" (شامی ۲۶۰/۲)۔

پھر آگے درمختار کی عبارت:

"ولا فیما اشتراہ للتجارة قبل قبضه"(شامی ۲۶۰/۲)۔

☆ قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف،پٹنہ۔

Marfat.com

پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"أما بعده فيز كيه عما مضى" (درمختار ۲/ ۲۶۳)۔

۲- کرایہ دار نے جو پیشگی رقم مالک مکان کو دیا ہے وہ دو قسم کی ہوسکتی ہے اول یہ کہ وہ پیشگی کرایہ ہو، دوم یہ کہ وہ زر ضمانت ہو جو عقد اجارہ کے فسخ ہونے یا مدت پوری ہو جانے پر کرایہ دار کو واپس کیا جائے گا، پہلی صورت میں اس کا مالک، مالک مکان ہوگا، اور اس کو ملک تام حاصل ہے، اس لئے اس قسم کی زکوۃ اس پر واجب ہوگی، گرچہ صاحب "بدائع" نے ایک قول کرایہ دار پر بھی وجوب کا نقل کیا ہے: "ذكر الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل البخاری فی الإجارة الطويلة التی تعارفها أهل بخاری أن الزكوة فی الأجرة المعجلة على الأجر، لأنه ملكه قبل الفسخ، وإن كان يلحقه دين بعد الحول بالفسخ، وقال بعض مشائخنا: إنه يجب على المستاجر أيضا، لأنه يعد مالاً موضوعاً عند الأجر" (دیکھئے: بدائع ۲/ ۶) مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔

دوسری صورت میں چونکہ اس کا مالک کرایہ دار ہے، اس لئے اس کی زکوۃ کرایہ دار پر واجب ہوگی، قبضہ پانے کے بعد گزشتہ ایام کی زکوۃ بھی ادا کرے گا، جس طرح دوسرے تمام دیون میں ہوگا۔ علامہ کاسانی نے بیع الوفاء کے ثمن پر بحث کرتے ہوئے بائع اور مشتری دونوں پر وجوب زکوۃ کو نقل کیا ہے، علامہ شامی نے اس پر بحث کرتے ہوئے اپنا رجحان صرف مشتری پر وجوب کی طرف ظاہر کیا ہے: "قلت: ينبغی لزومها على المشتری فقط على القول الذی عليه العمل الآن من أن بيع الوفاء منزل منزلة الرهن فيكون الثمن ديناً على البائع" (دیکھئے: شامی ۲/ ۲۶۱)۔

پہلی صورت کی تائید اس بحث سے بھی ہوتی ہے جو علامہ شامی نے کیا ہے کہ اگر کسی عورت کا نکاح ایک ہزار درہم پر ہوا اور عورت نے اس پر قبضہ پالیا، اور اس پر سال گذر گیا تو اس

Marfat.com

صورت میں عورت پر زکوۃ واجب ہوگئی، اب اگر شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدیا تو عورت نصف مہر شوہر کو واپس کرے گی، لیکن اس نصف کی زکوۃ اس سے ساقط نہیں ہوگی (دیکھئے: شامی ۲/۳۰۷)۔

۳- جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے:

"وهذا؛ لأن في الزكات تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور" (بدائع الصنائع ۲/۹)۔

۴- جو مال کسی کے قبضہ میں بطور حرام آتا ہے، وہ کل واجب التصدق ہے، تمام کا صدقہ کرنا واجب ہوگا نہ کہ ایک جزء (زکوۃ) کا، یعنی اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوة، لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه" (دیکھئے: شامی ۲/۲۹۱)۔

اگر یہ حرام مال اس کے حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو جائے کہ تمیز ممکن نہیں ہے تو حرام مال کے بقدر وضع کرنے کے بعد اگر باقی ماندہ مال نصاب کے برابر ہے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں "من ملک أموالاً عير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً، وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكوة عليه فيها، وإن بلغت نصاباً؛ لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوة عندنا، فأفاد بقوله - وإن لم يكن له سواها نصاباً الخ - أن وجوب الزكوة مقيد بها إذا كان له نصاب سواها" (شامی ۲/۲۹۱)۔

۵- دین کی زکوۃ بہر حال دائن پر ہوگی نہ کہ مدیون پر، مدیون کے ٹال مٹول کی وجہ سے اس پر زکوۃ واجب نہیں کی جاسکتی، نہ دائن وجوب سے بری قرار دیا جاسکتا ہے، فقہاء نے دین کی جو تقسیم کی ہے، اس میں سے دین قوی اور متوسط کا اگر وصول پانا آج کل کے حالات کے اعتبار سے ممکن ہو تو اس میں زکاۃ واجب ہوگی، جب وصول پائے گا تو گذشتہ ایام کی زکوۃ بھی ادا

Marfat.com

کرے گا، اور اگر دین ضعیف ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے زکوۃ واجب نہ ہوگی، جب قبضہ پائے گا اس وقت اگر اس کے پاس نصاب ہوگا تو اس میں ضم کر کے زکوۃ ادا کرے گا اور اگر اس کے علاوہ نصاب نہیں ہوگا، تو جب نصاب کے برابر وصول پائے گا، اور اس پر سال گذر جائے گا، تو زکوۃ ادا کرے گا، اگر آج کل کے حالات کے اعتبار سے دین کا وصول پالینا ممکن نہ ہو، تو قبضہ سے پہلے کسی قسم کے دین میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی (شامی ۲/۲۶۶، ۳/ ۳۴۴)۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کا مالک ملازم ہوتا تو ہے، لیکن وہ رقم اس کے لئے ممکن الانتفاع نہیں ہے اور اگر وہ چاہے تو اس رقم کو استعمال میں نہیں لاسکتا، البتہ اس رقم کی بنیاد پر اس کو قرض تو مل سکتا ہے جو پھر اس کی تنخواہ سے وضع ہو جائے گا، اگر وہی رقم اس کو ملتی جس طرح تنخواہ کا باقی حصہ ملتا ہے، **تو پھر** اس کے وضع کا سوال ہی نہیں ہوتا، اس لئے اس پر قبضہ پانے سے **پہلے** اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جس وقت قبضہ پائے گا اگر اس کے پاس اس کے علاوہ نصاب ہوگا، تو اس میں ضم ہو جائے گا، ورنہ جب نصاب کے برابر پائے گا، اور اس پر سال گذر جائے گا تو زکوۃ واجب ہوگی، اس رقم کے سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''بدائع'' کی لمبی عبارت نقل کرنے کے بعد پوری تفصیلی بحث کی ہے، اور لکھا ہے کہ وہ دین ضعیف میں داخل ہے، قبضہ پانے کے بعد ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، حضرت تھانویؒ نے بھی اس تحقیق سے اتفاق کیا ہے، **مفتی عزیز** الرحمٰن صاحب بھی عدم وجوب زکوۃ کے قائل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۴۴-۴۵، فتاوی دار العلوم ۶/ ۳۳۱-۳۴۲)۔

دوسری شرط نما

''نما'' کا معنی زیادتی اور بڑھوتری ہے، یہاں جانوروں میں توالد و تناسل کے ذریعہ ہوتا ہے اور دوسری اموال میں تجارت کے ذریعہ، اسامہ، دودھ، گھی اور نسل کے حاصل ہونے کا

Marfat.com

ذریعہ ہے، اور تجارت نفع کا سبب ہے تو سبب کو مسبب کی جگہ دی گئی ہے، جیسا کہ سفر، نکاح اور نوم کو مشقت وطی اور حدث کے قائم مقام کر کے ان پر احکامات جاری کئے گئے ہیں، البتہ سونا، چاندی میں مطلقاً زکوۃ واجب ہوگی، اس میں تجارت کی نیت شرط نہیں ہے، اگر زیور کی کسی شکل میں ہو تو بھی زکوۃ واجب ہوگی (دیکھئے: بدائع ۲/۱۱)۔

نصاب کے لئے نما حقیقی جو اسامہ یا تجارت کے ذریعہ ہے ضروری نہیں ہے، بلکہ نما تقدیری بھی نصاب کی تکمیل کے لئے کافی ہے (دیکھئے: شامی ۲/ ۲۶۳، مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳)۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ

انسان کو اپنی زندگی گذارنے کے لئے جتنی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب حوائج اصلیہ میں داخل ہیں، مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کے جانور وغیرہ، آج کل سواری کے لئے جیپ کار اور موٹر سائیکل بھی حوائج اصلیہ میں داخل ہیں، ملک العلماء کی پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ نقدین کے علاوہ جو سامان بھی تجارت کے لئے بنے ہیں وہ حوائج اصلیہ میں داخل ہیں اور ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، میرے خیال میں ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے حوائج اصلیہ کا اعتبار کیا جائے گا (شامی ۲/ ۲۶۲)۔

آج کے دور کے طویل المیعاد قرضے بھی وجوب زکوۃ سے مانع ہوں گے۔

کمپنی پر زکوۃ

وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر شخص کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے نصاب کا مالک ہونا ضروری ہے جو نصاب کا مالک ہوگا اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور جو مالک نہیں ہوگا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (دیکھئے: بدائع ۲/ ۱۶، شامی ۲/ ۲۱۶)۔

Marfat.com

پھر امام شافعیؒ کا اختلاف اور دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"کل جواب عرفته في السوائم المشتركة فهو الجواب في الذهب والفضة وأموال التجارة" (بدائع ۲/۳۰، شامی ۲/۳۰۴)۔

ہیرے اور جواہرات پر زکوۃ

ہیرے اور جواہرات کو اگر سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے خریدا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ارادہ ہے کہ جب ضرورت ہوگی تو بیچ کر ضرورت پوری کی جائے گی، یعنی خریداری وفروختگی کی نیت کے ساتھ ہے تو یہ مال تجارت ہے اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر استعمال کے لئے خریدا ہے تو سونے، چاندی کے علاوہ زیورات حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ مختلف فیہ ہے، مجھ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کو حوائج اصلیہ میں داخل ہونا چاہئے۔

صاحب "درمختار" نے وضاحت کی ہے کہ ہیرے اور جواہرات میں، اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

"لا زكوة في اللآلئ والجوهر، وإن سارت الفاً اتفاقاً إلا أن تكون للتجارة" (شامی ۲/۲۷۳)۔

اموال تجارت پر زکوۃ

سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوۃ کے دن ان کی مالیت کا تعین اس دن کی قیمت سے کیا جائے گا، میرے خیال میں تھوک بھاؤ کا اعتبار کیا جائے گا۔

جو لوگ اراضی کی خرید وفروخت ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں اگر وہ زمین شہر میں ہے، عشری یا خراجی نہیں ہے تو وہ مال تجارت ہے اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور قیمت کا تعین زکوۃ کی ادائیگی کے دن کی قیمت سے کیا جائے گا اور علامہ کاسانی نے اس زمین کو اس

Marfat.com

جانور پر قیاس کیا ہے، جو تجارت کے لئے ہوں، اگرچہ وہ سائمہ ہوں، "ولو سميت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة لا زكوة السائمة" (بدائع ۲/۳۰)۔

نصاب زکوۃ

سونے اور چاندی کے نصاب میں وجوب اور ادائیگی دونوں میں ان کے وزن کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر صرف سونا ہے تو جب تک ساڑھے سات تولہ نہیں ہوگا زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً اگر صرف سات تولہ ہے تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، چاہے اس کی قیمت سات سو تولہ چاندی کے برابر کیوں نہ ہو جائے، ایسے ہی اگر صرف چاندی ہے تو ساڑھے باون تولہ ہوگی تو زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۲/۱۶، ۱۸، شامی ۲/۲۹۷)۔

اگر تجارت کا مال ہے تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاندی سے خریدا ہے تو چاندی سے دام لگایا جائے گا، اور اگر سونا سے خریدا ہے تو سونا سے دام لگایا جائے گا، ورنہ جو سکہ شہر میں زیادہ رائج ہوگا، اس سے دام لگایا جائے گا، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بہر دوصورت شہر میں غالب رائج سکہ سے دام لگایا جائے گا، لیکن آج کے دور میں جب کہ چاندی اور سونے کا سکہ معدوم ہے۔

صاحبین کا قول قابل عمل نہیں ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے قول پر عمل ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ انفع للفقراء کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر سونا کے ذریعہ دام لگانے سے نصاب ہو جائے تو اسی سے دام لگایا جائے گا، اور اگر چاندی کے ذریعہ دام لگانے سے نصاب ہو جائے تو اسی سے دام لگایا جائے گا (دیکھئے: بدائع ۲/۲۱، شامی ۲/۲۹۹، ہدایہ ۱/۱۷۵)۔

شیئرز اور باونڈس کی زکوۃ

کمپنی کے شیئرز پر تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کے برابر ہو، لیکن شیئرز کا جو حصہ **عمارات وآلات** میں لگا ہوگا، اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اور

Marfat.com

جو حصہ تجارت میں لگے گا اس پر اور اس کے نفع پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر وہ شیئرز زیادہ میں فروخت ہوتا ہے تو اس حصہ کے بقدر جو تجارت میں لگا ہے اور نفع ہوا ہے اس میں تو زکوۃ واجب ہوگی اور باقی حصہ عمارات وآلات کے مقابلہ اور اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً ایک شیئر سو روپے کا تھا، اس میں سے بیس روپے عمارات وآلات میں لگے، اور باقی اسی روپے تجارت میں لگے اور پندرہ روپے نفع ہوا تو اب تجارت والی پونجی ۹۵ روپے ہوگئی اور اسی میں زکوۃ بھی واجب ہوگی، اب اگر وہ شیئر مثلاً دو سو روپے میں فروخت ہوتا ہے تو ۹۵ روپے تو ۹۵ روپے کے مقابلہ میں ہوگا، اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور ایک سو پانچ روپے عمارت وآلات کے مقابلہ میں ہوگا اور اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ شیئر ایک سو روپے میں فروخت ہوتا ہے تو بھی ۹۵ روپے کے مقابلہ میں ۹۵ روپے ہوگا، اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور پانچ روپے عمارات وآلات کے مقابلہ میں ہوگا، اور اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

بونڈس کی رقم دین قوی ہے، اس لئے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ قبضہ سے پہلے ادائیگی ضروری نہیں ہوگی، کیش کرانے کے بعد گذشتہ برسوں کی زکوۃ بھی ادا کی جائے گی۔

مصارف زکوۃ

۱- زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وہ رقم طالب علم کے حوالہ کر دی جائے، پھر وہ کھانے کی قیمت، مکان کا کرایہ اور دوسرے اخراجات ادا کرے گا، جس طرح مستطیع طلباء ادا کرتے ہیں، از خود مکان کے کرایہ اور اساتذہ کی تنخواہ میں خرچ کر دینا صحیح نہیں ہوگا، مدرسہ کا مہتمم زکوۃ دہندگان کا وکیل ہے نہ کہ طلباء کا۔

۲- مدرسہ کے محصلین کو زکوۃ کی رقم سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے اور مدارس میں کمیشن پر وصولی کرانا جائز ہے یا نہیں یہ دوسری بحث ہے۔

Marfat.com

جو لوگ اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ، عشر وغیرہ، لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں وہی عامل ہیں اوران کو زکوۃ کی مد سے معاوضہ دیا جاسکتا ہے، اسلامی مدارس اور انجمنوں کے سفراء ان میں داخل نہیں ہیں اوران کو زکوۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں ہے (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲/۳۹۹)۔

کمیشن پر وصولی کو فقہاء نے اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے حرام کہا ہے، جواز کے لئے یہ وجہ دکھانا کہ تنخواہ پر وصولی کم ہوتی ہے اور کمیشن پر زیادہ یہ عذر لنگ ہے، وصولی میں کمی ذمہ داران مدرسہ کی آپسی چپقلش کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ خرابی کمیشن کا طریقہ اختیار کئے بغیر بھی دور کی جاسکتی ہے، مثلاً تنخواہ مقرر کئے جانے کے ساتھ وصولی کی ایک حد بھی مقرر کی جائے اور اس میں معمولی کمی زیادتی کو نظر انداز کر دیا جائے، غیر معمولی کمی کی صورت میں تنخواہ کم کر دی جائے یا ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے، کمیشن میں بھی خرابیاں ہیں، اگر کوئی یکمشت ایک بڑی رقم مثلاً دس ہزار روپے کسی محصل کو حوالہ کر دے تو ذمہ داران مدرسہ اس میں کمیشن دینا نہیں چاہتے ہیں، اور آپس میں بدگمانیاں بڑھتی ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ زکوٰۃ پر ایک نظر

مفتی حبیب اللہ القاسمی ☆

زیر نظر مقالہ مسئلہ زکوٰۃ کے محور اول پر مشتمل ہے، اختصار کے ساتھ زیر بحث عنوان پر روشنی ڈالی جائے گی۔

زکوٰۃ جن اموال پر واجب ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم سوائم اور دوسری قسم مال تجارت۔

چونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں سے مال کا نامی ہونا ہے اور نما بڑھوتری من حیث العین اسامت سے ہوتی ہے اور من حیث المعنی تجارت سے ہوتی ہے، پھر مالِ تجارت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اثمان مطلقہ جسے ثمن خلقی بھی کہا جاتا ہے، جیسے سونا چاندی، دوسری قسم سلع۔

البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ سونا چاندی کی تخلیق ہی دراصل تجارت کے لئے ہوئی ہے، اس لئے اس میں تجارت کی نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا خواہ تجارت کے لئے کوئی شخص رکھے ہوئے ہو یا خرچ کے لئے بہر حال اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف سونے چاندی کے علاوہ دوسرے سامان، کہ اس میں جس طرح تجارت کی صلاحیت ہے، اسی طرح اس کے عین سے بھی نفع اٹھایا جاسکتا ہے، بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد اصلی اس کے عین سے انتفاع ہے،

☆ بانی و مہتمم دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

اس لئے اس پر وجوب زکوۃ کے لئے نیت تجارت ضروری ہے تا کہ یہ مال تجارت ہو جائے (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۶۳، ۲۶۴)۔

سونا چاندی خواہ جس شکل میں ہوں، مضروب ہوں یا غیر مضروب، زیورات ہوں یا تبر، استعمال جائز ہو یا نہ ہو، تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۶۴)۔

جن اموال میں زکوۃ واجب ہے ان کا بقدر نصاب ہونا بھی ضروری ہے اور نصاب مختلف ہیں، مثلاً چاندی میں دوسو درہم، سونے میں بیس مثقال اور اگر مال از قبیل عروض ہے تو وہ سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو اور اگر مال از قبیل حیوانات ہے تو ان کا متعینہ مقدار کے مطابق ہونا ضروری ہے (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۶۶)۔

مال بقدر نصاب ہونے کے بعد اس میں اوصاف اربعہ کا ہونا ضروری ہے۔

۱- حولان حول ہونا۔

۲- نصاب کا دین اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

۳- نصاب کا نامی ہونا، خواہ نما حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔

۴- نصاب پر ملکِ تام کا حاصل ہونا (ملتقی الابحر ۱/ ۱۹۳)۔

اوصافِ اربعہ میں سے ایک وصف ملک تام ہے، کسی بھی نصاب پر ملک تام کا تحقق اس وقت ہوگا، جب ملک اور ید (قبضہ) کا تحقق ہو، اگر ان دونوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگئی تو ملک تام نہیں کہلائے گا، مثلاً مہر قبضہ سے پہلے ملک تو موجود ہے، لیکن ید مفقود ہے اور مال مکاتب و مدیون میں ید تو ثابت ہے، لیکن ملک مفقود ہے، لہٰذا مہر قبل القبض اور مال مدیون میں زکوۃ واجب نہ ہوگی (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۷۲، مجمع الانہر ۱/ ۲۹۳)۔

۱- صاحب السراج الوہاج کی تشریح کے مطابق وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہ ہوسکی ہو اس کی زکوۃ مشتری (خریدار) پر واجب نہ

Marfat.com

ہوگی، اس لئے کہ ملک تو ثابت ہے، لیکن قبضہ میں ابھی نہیں آیا، اس لئے ید کا تحقق نہیں ہوا اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے ملک اور ید دونوں کا تحقق ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے بھی بحوالۂ بحر اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے:

"وخرج به أیضاً کما فی البحر المشتری للتجارة قبل القبض" (ردالمحتار ۲/۲۶۰)۔

لیکن علامہ سرخسیؒ کی عبارت محل غور ہے جو بحوالہ محیط فتاوی ہندیہ میں موجود ہے:

"وأما المبیع قبل القبض فقیل: لا یکون نصاباً، والصحیح أنه یکون نصاباً" (فتاوی ہندیہ ۱/۱۷۲)۔

اس جزئیہ سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خریدار پر صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲-کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم (ڈپوزٹ) پر کرایہ دار و مالک مکان میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیے، مالک مکان پر تو اس وجہ سے نہیں کہ اس کو صرف ید حاصل ہے، ملک نہیں، چونکہ یہ رقم عقد اجارہ کے فسخ یا تکمیل مدت کے بعد واجب الرد ہوتی ہے، اور کرایہ دار پر زکوٰۃ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو ملک تو حاصل ہے ید نہیں، اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مال پر ملک و ید دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے، چنانچہ مسئلہ رہن کے تحت بیان کردہ تعلیلات فقہاء سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

"ولا فی مرهون أی لا علی المرتهن لعدم الملک الرقبة ولا علی الراهن لعدم الید" (شامی: ۲/۲۶۳)۔

ابن نجیمؒ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

"ومن الموانع الوجوب الرهن" (ایضاً)۔

Marfat.com

البتہ اس رقم کی واپسی کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ کا مسئلہ زیرغور ہے، اگر ڈپوزٹ کا مسئلہ رہن پر قیاس کیا جائے تو سنین ماضیہ کی زکوۃ راہن پر استرداد کے بعد واجب نہیں ہوگی اور اگر مسئلہ رہن پر قیاس نہ کیا جائے تو سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب ہوگی۔

"وإذا استرده الراهن لا يزكي عن السنين الماضية" (ردالمحتار ۲/۲۶۳)۔

۳- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ جب تک وہ رقم مستحقین پر صرف نہیں ہوئی، وہ حکماً ملکِ معطی میں ہے تو یہ نظر انتہاءً انظار دقیقہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے لاینحل ہے، اس لئے ایسر واسہل یہی ہے کہ اس کو ملکِ معطی سے خارج قرار دے کر ملک مدرسہ قرار دیا جائے اور اس کی تائید کتاب الوقف کی بعض جزئیات سے بھی ہوتی ہے (ہندیہ ۲/۴۶۰، کتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۲ و باب ۵ ص ۴۱۸)۔

لہٰذا معطی پر زکوۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح مدرسہ کے مہتمم پر بھی اس کی زکوۃ واجب نہیں، چونکہ یہ رقوم غلۃ الوقف کے درجہ میں ہے اور جس طرح غلۃ الوقف پر زکوۃ واجب نہیں، مدارس واداروں کی رقوم پر بھی زکوۃ واجب نہیں (الکلام البدیع فی احکام التوزیع)۔

البتہ فقہی سمینار اہل مدارس سے سفارش کرے کہ بقدر ضرورت ہی مال کی فراہمی کریں، تاکہ مال زکوۃ اس طرح محبوس نہ ہو اور مستحق مدارس محروم نہ ہوں، لیکن اگر اہل مدارس کے پاس زکوۃ کی رقم پسماندہ ہو تو احوط یہ ہے کہ اس کو بذریعۂ تملیک رقوماتِ غیر واجبہ میں شامل کرلیا جائے اور اس کی احسن صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم مدرسہ کی ضمانت پر قرض لے کر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم مدرسہ مدِ زکوۃ سے فقیر کو قرض کی ادائیگی کے لئے دیدے۔

۴- اگر پورا نصاب مال حرام ہو تو اس مال پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، چونکہ وجوب زکوۃ کے لئے ملک ضروری ہے اور مال حرام جو اس کے پاس ہے اس کا وہ مالک نہیں، چونکہ مال حرام

Marfat.com

واجب الرد ہے، لہٰذا مالک کا پتہ لگا کر وہ یہ مال واپس کرے اور اگر مالک معلوم نہ ہوسکے تو وہ مال واجب التصدق ہے، بلانیت ثواب فقراء مسلمین کو دیدے "کما لو کان الکل خبیثاً کما فی النهر فی القنیة لو کان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکاة؛ لأن الکل واجب التصدق علیه" (درمختار ۲/۲۹۱)۔

اگر حرام حلال مخلوط ہو گئے ہوں تو مال حرام نکالنے کے بعد باقی مال اگر بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (درمختار ۲/۲۹۱)۔

لیکن اگر مال حرام مالِ حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا ہو کہ تمیز مشکل ہو تو تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے اور ظن غالب کے بہت سے نظائر کتب فقہ میں موجود ہیں، نیز اس انداز کے مواقع التباس میں تحری کے نظائر بھی کتب فقہ میں ہیں، گو اعلیٰ و افضل یہ ہے کہ اس طرح کا پورا مال صدقہ کر دے جیسا کہ ہمارے اکابر کا یہی طرز عمل رہا ہے۔

۵- حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دین قوی، (۲) دین وسط، (۳) دین ضعیف۔

۱- دین قوی: وہ دین ہے جو مال زکوٰۃ (دراہم و دنانیر) یا مال تجارت یا مال تجارت سے حاصل شدہ آمدنی و نفع کے عوض میں واجب ہوا ہو۔

دین قوی کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ: (۱) بقدر نصاب ہو، (۲) سال مکمل گزر چکا ہو، لیکن ادائیگی اسی وقت واجب ہوگی جب دین سے کم از کم چالیس درہم وصول ہو جائے، تب چالیس درہم سے ایک درہم بمد زکوٰۃ نکالے اور اگر چالیس درہم سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی، لیکن بقدر نصاب حولان حول، چالیس درہم کی شرط اسی وقت ہے جب دین کے علاوہ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ نہ ہو اور اگر اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے کوئی مال ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس موجود مال زکوٰۃ بقدر نصاب ہے تو

Marfat.com

دین سے جتنی رقم بھی حاصل ہوگی خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ نصاب سابق میں ضم کردی جائے گی اور نصاب سابق کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، اور اگر مال بقدر نصاب نہ ہو، مگر دین قوی سے حاصل شدہ رقم کو شامل کرنے کے بعد نصاب کامل ہو جائے تو دین قوی سے چالیس درہم یا اس کے بقدر وصول ہونے کے بعد ایک درہم بمد زکوٰۃ واجب الاداء ہوگا، اور جب سے نصاب کامل ہوا ہے اس وقت سے سال کی ابتداء ہوگی (ردالمحتار ۲/ ۳۰۷)۔

قرض جو اصطلاح شریعت میں دین ہے اور عرف عام میں قرض ہے، اگر مقروض وسعت کے باوجود ادا نہ کر رہا ہو تو "مطل الغني ظلم" کے تحت گنہ گار ہوگا، لیکن اس کی زکوٰۃ مقروض پر واجب نہیں بلکہ قرض خواہ پر واجب ہے، بشرطیکہ اس کے ملنے کا یقین ہو اور اس کی ادائیگی کا وہی طریقہ ہے جو دین قوی کا ہے جس کی تفصیلات ابھی آچکی ہیں، چونکہ یہ دین قوی میں داخل ہے اور اگر نہ ملنے کا یقین ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسے وہ مال جو سمندر میں گر کر ضائع ہو جائے، اور اگر یک مشت وصول ہو تو سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

"لو كان الدين على مقر ملئي إلى أن قال فوصل إلى ملكه لزمه زكوة ما مضى" (درمختار: ۲/ ۲۶۶)۔

۲- دین وسط: وہ دین ہے جو اسے مال کے عوض میں واجب ہوا ہو، اگر مالک کے پاس سال بھر رہ جائے تب بھی اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسے خدمت کے غلام، ثیاب بذلہ، مال خدمت کا غلہ۔

دین وسط کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب دین سے دوسو درہم وصول ہو جائے، اگر اس سے کم وصول ہوا تو زکوٰۃ واجب الاداء نہ ہوگی، لیکن دوسو درہم وصول ہو جانے کی صورت میں سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دو روایتوں میں سے روایت اصل ہے۔

Marfat.com

دوسری روایت جو ابن سماعہ عن ابی حنیفہؒ ہے، وہ یہ ہے کہ قبضہ کے بعد حولانِ حول شرط ہے یعنی دوسو درہم وصول ہونے کے بعد جب تک اس پر سال نہ گزر جائے اس میں زکوٰۃ واجب الاداء نہ ہوگی، دین وسط میں بھی وہی تفصیلات ہیں جو دین قوی کے تحت گزر چکی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دونوں روایتوں میں صحیح اور مفتی بہ ابن سماعہ کی روایت ہے (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۹۴، ردالمحتار ۲/ ۳۰۶)۔

۳- دین ضعیف: وہ دین ہے جو کسی چیز کے عوض میں واجب نہ ہوا ہو، اس کے دین ہونے میں اس کے کسی فعل کا دخل نہ ہو جیسے میراث یا اس کے فعل کو دخل ہو، جیسے وصیت یا ایسی چیز کے عوض میں واجب ہوا ہو جو مال نہ ہو جیسے دیت علی العاقلہ، مہر، بدل خلع، صلح عن دم العمد اور بدل کتابت۔

دین ضعیف کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

۱- دین سے حاصل شدہ رقم بقدر نصاب (دوسو درہم) ہو۔

۲- قبضہ کے بعد اس پر سال گزر جائے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، یہ ساری تفصیلات حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہیں۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دیون کی صرف دو قسمیں ہیں:

(۱) دین مطلق، (۲) دین ناقص۔

دین ناقص: جیسے بدل کتابت، دیت علی العاقلہ، ان دونوں دیون کے علاوہ باقی دیون دین مطلق میں داخل ہیں۔

دین مطلق کا حکم ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک دین وصول نہ ہو جائے اس کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، خواہ وصولیابی قلیل ہو یا کثیر، جتنی وصول ہوگی، اتنے کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

Marfat.com

اور دین ناقص میں وجوب زکوٰۃ کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) حاصل شدہ رقم بقدر نصاب ہو۔ (۲) اس پر سال گزر جائے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دین ناقص میں سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، دین کے سلسلہ کی ساری تفصیلات ''تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمر قندی'' اور ''درمختار ورد المختار'' سے ماخوذ ہیں (تحفۃ الفقہاء ۲/۲۹۳، ۲۹۴، رد المختار ۲/۳۰۵)۔

۶۔ پراویڈنٹ فنڈ دو طرح کے ہیں:

(۱) سرکاری، (۲) پرائیویٹ۔

۱- سرکاری پراویڈنٹ فنڈ دین ضعیف کے حکم میں ہے، لہٰذا جو حکم دین ضعیف کا ہے وہی سرکاری پراویڈنٹ فنڈ کا ہے، یعنی سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، البتہ وصولی کے بعد اگر وہ بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو اس رقم کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

۲- پرائیویٹ کمپنیوں کا پرائیویڈنٹ فنڈ چونکہ مستقل ایک ایسی کمپنی کے حوالہ کردیا جاتا ہے جس میں ملازمین کا بھی ایک نمائندہ ہوتا ہے اور یہ کمپنی ملازمین کی وکیل ہوتی ہے، اس لئے کمپنی کا قبضہ ملازم کے قبضہ کے درجہ میں ہے، اس طرح فنڈ کی رقم گویا کہ ملازم کی ملک ہوگئی، اس لئے یہ دین نہیں کہلائے گا، اور اس پر سال بہ سال زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ہر سال زکوٰۃ نہیں ادا کی گئی تو وصولی کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اگر پرائیویٹ کمپنیوں کا حال بھی سرکاری پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہو تب جو حکم سرکاری پرائیوڈنٹ فنڈ کا ہے وہی حکم پرائیویٹ فنڈ کا بھی ہوگا (فتاویٰ محمودیہ، احسن الفتاویٰ)۔

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف ثانی نصاب کا نامی ہونا ہے، نما کے لغوی معنیٰ اضافہ و بڑھوتری کے ہیں اور اضافہ کبھی حقیقۃً ہوتا ہے، جیسے حیوانات میں توالد و تناسل کے ذریعہ اور دیگر اموال میں تجارت کے ذریعہ اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے، جیسے سونا چاندی اور سکہ رائج الوقت،

Marfat.com

وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا ضروری ہے خواہ حقیقۃً نامی ہو یا تقدیراً، لہٰذا ایسا مال جسے اپنے یا اپنے نائب کے پاس رکھ کر استنماء پر قادر نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳)۔

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف ثالث نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا ہے، حاجت اصلیہ کی تفسیر ابن ملک کے حوالہ سے علامہ علاء الدین حصکفی اور صاحب ''مجمع الانہر'' نے یہ کی ہے:

''ایسی چیزیں جو انسان کو ہلاکت سے دور کرنے والی ہوں خواہ تحقیقاً، جیسے اس کا اور اس کی بیوی اور بال بچوں کا نفقہ، یعنی کھانا، خوراک، گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے کپڑے، رہائشی مکان، گھریلو ساز وسامان، سواری کا جانور، خدمت کے لئے غلام، جنگی ساز وسامان، آلات صنعت وحرفت اور اہل علم کے لئے کتابیں، چونکہ اہل علم کے نزدیک جہالت باعث ہلاکت ہے یا تقدیراً جیسے دین، کہ مدیون نے اگر موجود مال سے دین ادا نہیں کیا تو یہ دین اس کو جیل میں ڈلوا سکتا ہے جو ہلاکت کے درجہ میں ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال ہے، لیکن وہ مذکورہ بالا حوائج کی تکمیل میں مشغول ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ حاجت اصلیہ سے فارغ نہیں اور اگر بقدر نصاب یا اس سے زائد مال مذکورہ بالا اشیاء کی شکل میں موجود ہو، تب بھی اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں نامی نہیں ہیں، حتیٰ کہ وہ برتن جو گھر کی زینت کے لئے رکھے جاتے ہیں، بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں اور ایسے ہی وہ آلات جن کی ذات سے نفع اٹھایا جاتا ہو اور اس کا اثر معمول میں باقی نہ رہتا ہو، اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں جیسے صابن اور اگر اس کا اثر معمول میں باقی رہے، جیسے کپڑا رنگنے کے لئے رنگ، کھال میں لگانے کے لئے تیل، نمک وغیرہ تو اگر یہ بقدر نصاب ہوں اور سال گزر جائے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ تفصیلات ''مجمع الانہر، ہندیہ، شامی، درمختار'' سے ماخوذ ہیں'' (مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳، رد المحتار ۲/ ۲۶۲، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۷۲)۔

Marfat.com

فقہاء کرام کی بیان کردہ جزئیات سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ حاجت اصلیہ کی کوئی ایسی تحدید نہیں جس میں کمی زیادتی کی گنجائش نہ ہو، بلکہ وسعت ہے، البتہ لفظ حاجت اور اصلی کے مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے اس کے دائرے میں جائز حد تک نمائش سے بچتے ہوئے توسع کی گنجائش ہے، مثلاً کچے مکان کی جگہ پختہ مکان، نل کی جگہ پر ٹنکی، سواری کے جانور کی جگہ پر موٹر سائیکل، جیپ کار، تیر کمان کی جگہ پر رائفل، بندوق وغیرہ، آلات صنعت وحرفت میں دست کاری کی جگہ مشینیں، اسی طرح ضروریات زندگی میں بڑے مکانات میں لفٹ، ٹیلیفون، کاروباری لوگوں کے لئے فریج، کولر، موسم کے اعتبار سے ہیٹر یا اے، سی پنکھا، الغرض اسی طرح کی جدید چیزیں جو روزمرہ کی ضرورریات زندگی میں داخل ہیں، اور جن کی اصل تصریحات فقہاء میں بنیادی حیثیت سے موجود ہیں وہ سب حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، البتہ ٹی وی، وی سی آر جیسی فحش اور ناجائز چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل نہیں۔

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف رابع نصاب کا دین سے فارغ ہونا ہے۔ دین سے مراد ہر وہ دین ہے جس کا مطالب بندہ ہو، خواہ وہ دین بندوں ہی کا ہو، جیسے قرض، ثمن مبیع، ضمان متلفات، زخم کا تاوان، بدل خلع، بدل صلح عن دم العمد، نیز خواہ از قبیل نقود ہو یا مکیل وموزون یا از قبیل ثیاب اور حیوانات، نیز خواہ حال ہو، یا مؤجل یعنی بالفعل اس کی ادائیگی ضروری ہو یا بعد زمان کچھ دنوں کی مہلت ہو، لہٰذا صداق زوجہ اگر چہ وہ مؤجل الی الطلاق یا الی الموت ہو، وہ بھی دین میں داخل ہے اور مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ یا وہ دین اللہ تعالیٰ کا ہو، جیسے دین زکوٰۃ اور ہر وہ دین جس کا مطالب بندہ نہ ہو، جیسے دین نذر، کفارات، صدقۃ الفطر، وجوب حج یہ دین میں داخل نہیں، یعنی مانع وجوب زکوٰۃ نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۷۲)۔

دیون مذکورہ بالا میں جو مشغول ہو وہ معدوم کے درجہ میں ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

Marfat.com

"لأن المشغول بها کالمعدوم" (مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳)۔

دیگر حضرات فقہاء کے نزدیک عدم وجوب زکوٰۃ کی علت اس مال کا حوائج اصلیہ کی تکمیل میں مشغول ہونا ہے اور جو مال حوائج اصلیہ میں مشغول ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۲۶۱)۔

لیکن وہی دین مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے جو وجوب زکوٰۃ سے پہلے کا ہو، اگر مال بقدر نصاب ہو اور حولان حول ہو گیا اس کے بعد یہ مقروض ہو گیا تو یہ قرض مانع نہیں، بلکہ زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، (دیکھئے: جوہرہ، ردالمحتار ۲/ ۲۶۰)۔

چونکہ دین عبد لاحق ہے اور دین زکوٰۃ سابق ہے اور لاحق سابق کو ساقط نہیں کر سکتا، فقہاء کرام کی تصریحات میں یہ بات بھی آچکی ہے کہ دین بالفعل واجب الاداء ہو یا بعد زمان، یعنی دین طویل المدت ہو، دونوں طرح کے دیون مانع وجوب زکوٰۃ ہیں، لہٰذا مروج طویل الاجل دیون خواہ زراعتی ہوں یا تعمیراتی جن کی ادائیگی کے لئے پانچ سال سے لے کر چالیس سال تک کی مدت مقرر کی جاتی ہے وہ بھی دین میں داخل ہیں اور مانع وجوب زکوٰۃ ہیں، پورے دین کو بھی اموال زکوٰۃ سے منہا کیا جا سکتا ہے اور اس کی نظیر مہر ہے جو مؤجل الی الطلاق یا الی الموت ہو، نیز تصریح ہے بالفعل یا بعد زمان، البتہ احوط یہ ہے کہ صرف سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال زکوٰۃ کی زکوۃ ادا کر دی جائے، یہ خیال کر کے گویا کہ اس سال واجب الاداء دین صرف یہی ہے اور باقی مال میرا ہے، لیکن یہ تقویٰ ہے، اگر کسی نے عمل کر لیا تو انشاء اللہ ماجور ہوگا۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

کمپنی کے شرکاء نے اگر کمپنی کو اداء زکوٰۃ کا وکیل بنا دیا ہو تو کمپنی پر زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، البتہ اگر اثاثے از قبیل آلات (مشینری) ہیں تو وہ مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوں گے، چونکہ

Marfat.com

آلات صنعت کا استثناء حضرات فقہاء نے کیا ہے اور اثاثے از قبیل آلات نہ ہوئے تو مال زکوۃ میں اس کو بھی شمار کیا جائے گا، اور اگر شرکاء نے کمپنی کو ادائے زکوۃ کا وکیل نہ بنایا ہو تو ہر حصہ دار اپنے حصہ کی زکوۃ ادا کرے، جس حصہ دار کا حصہ بقدر نصاب ہو یا دوسرے اموال زکوۃ کے ساتھ مل کر وہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس پر زکوۃ واجب الاداء ہوگی، اور جس حصہ دار کا حصہ بہ قدر نصاب نہ ہو اور نہ ہی دوسرے اموال زکوۃ اس کے پاس ہوں تو اس پر زکوۃ فرض نہ ہوگی (فتاویٰ محمودیہ ۳/۷۰)۔

ہیرے جواہرات

ہیرے جواہرات اگر تجارت کے لئے نہیں ہیں تو بالاتفاق اس میں زکوۃ نہیں، چاہے جواہرات کی قیمت جتنی بھی ہو، لہٰذا جو لوگ انکم ٹیکس یا دیگر قوانین سے بچنے کے لئے اپنے سرمائے کو ہیرے و جواہرات کی شکل میں محفوظ کر دیتے ہیں اگر ان کے پاس ہیرے و جواہرات کے علاوہ دیگر اموال زکوۃ نہیں ہیں تو ان پر زکوۃ فرض نہیں، اسی طرح خواتین کے پاس اگر ہیرے جواہرات ہوں، خواہ تزیّن کے لئے ہوں یا تموّل کے لئے، بشرطیکہ تجارت کے لئے نہ ہوں ان پر بھی زکوۃ فرض نہیں، چونکہ ہیرے جواہرات از قبیل احجار ہیں اور احجار میں حجرین (ذہب وفضہ) کے علاوہ میں زکوۃ نہیں، چونکہ ذہب وفضہ کو ثمن خلقی (ثمن مطلق) کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے علاوہ باقی از قبیل عروض وسلع ہیں، ہیرے جواہرات بھی از قبیل عروض ہیں اور عروض میں زکوۃ نیت تجارت ہی سے واجب ہوتی ہے، اس لئے جب تک نیت تجارت نہ ہو ہیرے جواہرات میں زکوۃ واجب نہ ہوگی (دیکھئے: درمختار ۲/۲۷۳، شامی ۲/۲۷۳، فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۰)۔

لیکن اگر کوئی ہیرے جواہرات کی بھی زکوۃ ادا کر دے تو یہ تقویٰ ہے، وہ ماجور ہوگا، البتہ شرعاً واجب نہیں۔

Marfat.com

اراضی کی زکوۃ

سونا چاندی کے علاوہ باقی چیزیں عروض میں داخل ہیں اور عروض کے مال زکوٰۃ بننے کے لئے نیت تجارت شرط ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص زمین بہ نیت تجارت خریدے تو اس کا بھی شمار اموال زکوٰۃ میں ہوگا اور حولان حول کے وقت اس کی جو قیمت مارکیٹ میں ہوگی اسی میں زکوٰۃ فرض ہوگی، قیمت خرید کا اعتبار نہیں۔

"وتعتبر القيمة عند حولان الحول" (ہندیہ ۱/۱۷۹)۔

لیکن اگر کسی نے زمین رہائش کے لئے خریدی پھر تجارت کی نیت ہوگئی یا تجارت کے لئے خریدی پھر رہائش کی نیت ہوگئی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اس کی تفصیل درمختار میں موجود ہے (۲/ ۲۷۲)۔

اموال زکوٰۃ میں کون سی قیمت معتبر ہے؟

اموال زکوٰۃ میں فقہاء "انفع للفقراء" کی رعایت کرتے ہیں، چنانچہ بہ کثرت ایسی جزئیات ہیں جن میں اس کی تصریح ہے۔ "تقويم بالدراهم والدنانير" میں بھی اسی کلیہ کی رعایت کی گئی ہے۔

"انظر هما للفقراء، ومشائخنا حملوا رواية كتاب الزكوة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع فى حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان" (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۷۳)۔

"ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة وعندهما القدر" (ردالمحتار ۲/ ۲۸۵)۔

اس لئے مال کی قیمت لگاتے وقت اس پہلو کی رعایت تاجر حضرات کے ذہنوں میں رہنی چاہیے، ان کو دیکھنا چاہیے کہ تھوک میں فقراء کا زیادہ نفع ہے یا پھٹکر کی قیمت لگانے میں، جس

Marfat.com

میں فقراء کا زیادہ نفع ہو وہ قیمت لگائیں، لیکن بعض دکانیں تھوک ہی کی ہوتی ہیں، وہاں پھٹکر سامان نہیں ملتا، اس صوت میں پھٹکر دکان دار پھٹکر کی قیمت لگائیں اور قیمت کی تعیین لاگت سے نہیں بلکہ حولان حول کے وقت اس کی جو قیمت ہوگی وہی معتبر ہوگی، (فتاوی ہندیہ ۱۷۹/۱)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یوم الوجوب کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا یوم الاداء کی قیمت کا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم الوجوب کی قیمت معتبر ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت معتبر ہے، نیز اس شہر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس شہر میں مال ہے، ہیڈ آفس کا اعتبار نہیں۔

”وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء.....ویقوم فی البلد الذی المال فیہ“ (درمختار ۲۸۶/۲، عالمگیری ۱۸۰/۱)۔

شیئرز

شیئرز پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ خود بقدر نصاب ہوں یا دیگر اموال زکوٰۃ کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جائیں اور اصل پونجی میں زکوٰۃ اس وقت فرض ہوگی، جب کمپنی نے اس کو کسی عین میں لگا رکھا ہو، مثلاً لوہا، سیمنٹ، سامانِ الکٹرک، ریشم وغیرہ، اور اگر کمپنی نے اس کو آلات میں لگا رکھا ہے، مثلاً نقل وحمل کے لئے ٹرک یا بس وغیرہ، تب اصل پونجی میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، چونکہ آلاتِ صنعت کو فقہاء نے مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیونکہ سکہ رائج الوقت ثمن خلقی کے حکم میں ہے اور ثمن مطلق میں تقدیراً قوتِ نمو کی وجہ سے مطلقاً زکوٰۃ فرض ہے، خواہ تجارت میں وہ لگایا جائے یا نہ لگایا جائے اور صورت مسؤلہ میں یہ ثمن مطلق تجارت میں مشغول ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ ہے۔

حولان حول کے وقت شیئرز کی جو قیمت ہوگی اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

Marfat.com

"وتعتبر القيمة عند حولان الحول" (عالمگیری ۱/۱۷۹)۔

بونڈز

پرائز بونڈز ہو یا بونڈ سرٹیفکیٹ، فکسڈ ڈپوزٹ ہو یا انشورنس یہ سب سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، اس طرح رقم کو محفوظ کردینا روحِ شریعت کے خلاف ہے۔

فقہی سمینار عوام کو اس پر متنبہ کرے، بونڈز پر جو سرمایہ لگایا گیا ہے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ منافع حرام ہونے کی وجہ سے واجب التصدق ہیں، بونڈ جب کیش ہوگا اس وقت زکوٰۃ فرض ہوگی اور سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

"لو كان الدين على مقر ملئي أو على معسر أو مفلس إلى أن قال فوصل إلى ملكه لزم زكوة ما مضى" (درمختار ۲/۲۶۶)۔

Marfat.com

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

مولانا محمد طیب الرحمٰن صاحب ☆

محور اول

زکوٰۃ تین قسم کے اموال میں واجب ہوتی ہے:

(۱) نقود، (۲) سوائم، (۳) اموالِ تجارت (عمدۃ الرعایہ ۱/ ۲۱۸، شرح وقایہ ۱/ ۲۱۸)۔

وجوب زکوٰۃ کی وہ شرطیں جن کا تعلق اموال سے ہے ان میں پہلی شرط ملک تام ہے۔ ملک تام سے مراد مملوک بہ اعتبار ملک اور قبض ہے۔

"لأن الملک التام ما اجتمع فیه الملک والید" (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۱۱۲، رد المحتار ۲/ ۵، بدائع الصنائع ۲/ ۹)۔

۱- کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملک تام، یعنی ملک اور قبضہ شرط ہے، بناءً علیہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے تو وہ قیمت جو پیشگی ادا کی جا چکی ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس پر مشتری کا ملک بھی نہیں ہے اور قبضہ بھی نہیں ہے، البتہ وہ مال جو مشتری کے ملک میں آچکا ہے، لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بسبب ملک ناقص، اور صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ وجوب ادا

☆ امیر شریعت شمال مشرقی ہند۔

Marfat.com

قبضہ کے بعد ہوگا، دین قوی کی طرح۔ وصول کے بعد ایام ماضیہ کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۱/۸۸، البحر الرائق ۲/۲۲۵، شرح النقایہ ۱/۱۴۶)۔

۲- کرایہ دار مالک مکان کو کرایہ کی مد میں جو پیشگی رقم یا ڈپوزٹ دیتا ہے جس کو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کرنا پڑتا ہے ایسی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ دینا ضرورت کی طرف نظر کرتے ہوئے بیع بالوفاء پر قیاس کر کے جائز قرار دیا گیا ہے اور بیع بالوفاء میں مشتری بائع کو جو قیمت ادا کرتا ہے اس قیمت میں بائع پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا مشتری پر اس میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے، قول راجح یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ مشتری پر واجب ہوگی، نہ کہ بائع پر اور مسئلہ مسئول عنہا میں کرایہ دار بہ منزلہ مشتری ہے اور مالک مکان بہ منزلہ بائع، بناء علیہ کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ کی زکوٰۃ بھی قول راجح کی بنا پر کرایہ دار پر واجب ہوگی نہ کہ مالک مکان پر، دیکھئے: (رد المحتار ۵/۲۲)۔

۳- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقوم جس کا کوئی مالک معین نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملک تام شرط ہے اور مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم اموال موقوفہ کی طرح اس کا کوئی مالک معین نہیں ہے اور اموال موقوفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

"لما في الفقه على المذاهب الأربعة: ولا زكوة في المال الموقوف"

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ/ ۵۹۲)۔

۴- مالِ حرام اگر مالِ حلال کے ساتھ مخلوط نہ ہوا ہو، بلکہ وہ خالص مالِ حرام ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ اس پر اس کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ مال حرام کا مالک اگر معلوم ہے تو سارا مال مالک کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، مالِ حرام اگر مالِ حلال کے ساتھ مخلوط ہو جائے تو مال مخلوط سے مالِ حرام

Marfat.com

کی مقدار نکال کر اگر بہ قدر نصاب بچتا ہے تو باقی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر بہ قدر نصاب نہیں بچتا ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ حرام خلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور مقدار مال حرام مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے، (ردالمحتار ۲؍۳۴، فتح القدیر ۱؍۴۸۲)۔

۵- دین کی زکوٰۃ فی الحال ادا کرنا دائن یا مدیون دونوں میں سے کسی پر واجب نہیں ہوتی۔ دائن پر اس لئے واجب نہیں ہوتی کہ اس کی ملک ہونے کے باوجود قبضہ نہیں ہے، لہٰذا قبضہ سے قبل دائن کی ملک تام نہیں ہے اور مدیون پر اس لئے واجب نہیں ہوتی کہ مال اس کے قبضہ اور تصرف میں ہونے کے باوجود بھی اس پر اس کی ملک نہیں ہے، اگر مدیون ادائیگی کی قدرت کے باوجود ٹال مٹول کرے اور اس کو تجارت میں لگا کر استفادہ کرتے رہے تو بھی مدیون پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس پر مدیون کی ملک نہیں ہے اور زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملک تام یعنی ملک اور قبضہ دونوں شرط ہے۔

وصولیابی کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قوی، (۲) متوسط، (۳) ضعیف

۱- دین قوی وہ دین ہے جو قرض یا مال تجارت کے بدلے بہ ذمہ مدیون عائد ہوا ہو۔

۲- دین متوسط وہ دین ہے جو نقد یا مال تجارت کے علاوہ دوسری کسی قسم کے مال کے بدلے بہ ذمہ دیون عائد ہوا ہو، جیسے لباس بذلہ خدمت کے عبد، رہنے کے گھر وغیرہ کی قیمت۔

۳- دین ضعیف وہ دین ہے جو کسی قسم کے مال کے بدلے میں بہ ذمہ مدیون عائد نہیں ہوا ہو، جیسے دین مہر، وصیت وغیرہ۔

دین قوی کی زکوٰۃ دائن پر اصل وقت سے ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے، لیکن وجوبِ ادا اسی وقت ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کے مقدار روپیہ وصول ہو جائے، اس کے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا، لیکن وصول کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہوگا، دین ضعیف پر

Marfat.com

قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور سنین ماضیہ کی زکوٰۃ دینا واجب نہ ہوگا، دین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور سنین ماضیہ کی زکوٰۃ دینا واجب نہ ہوگا، دین متوسط کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق دین متوسط کا حکم دین قوی کی طرح ہے، مگر وجوب ادا چالیس درہم کی وصولیابی پر نہیں، بلکہ پورا نصاب یعنی دوسو درہم کے وصول ہونے پر ہوگا اور سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی، اور دوسرے قول کے مطابق دین متوسط دین ضعیف کے حکم ہے، یعنی وصولیابی کے بعد جب سال بھر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی، سنین ماضیہ کی زکوٰۃ دینا واجب نہ ہوگا، دونوں قول کی جانب تصحیح بھی موجود ہے، البتہ صاحب ''بدائع الصنائع'' نے دین متوسط کو دین ضعیف کے حکم میں اعتبار کرتے ہوئے اسی کو اصح قرار دیا ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۱/ ۴۹۱، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۰۳، المبسوط ۱/ ۱۹۵)۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی جو رقوم جمع کی جاتی ہیں خواہ وہ ملازم کی تنخواہ سے وضع کی ہوئی رقم ہو یا سرکار یا کمپنی کی طرف سے اضافہ کی ہوئی رقم ہو یا رقم انٹرسٹ ہو وہ بہ ذمہ سرکار یا کمپنی قرض ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، اس کے بارے میں حکم لگانے کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ دین کے اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم کا دین ہے۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے، اب دیکھنا چاہئے کہ خدمت کا معاوضہ یعنی اجرت مال ہے یا نہیں، پھر اگر مال ہو تو وہ مال تجارت کی منزل میں ہے یا مال غیر تجارت کی منزل میں، امام ابوحنیفہؒ سے اجرت کے بارے میں تین روایات مذکور ہیں، ایک روایت میں اجرت کو مہر کی مانند قرار دیا گیا، کیونکہ وہ حقیقۃً مال کا بدل نہیں ہے، بلکہ وہ منفعت کا بدل ہے اور منفعت حقیقۃً مال نہیں ہے، اس روایت کی بنا پر وہ دین ضعیف ہوگا، دوسری روایت میں منافع کو من وجہٍ مال اعتبار کرتے ہوئے اجرت کو ثمن ثیاب بذلہ کے مانند قرار دیا، اس

Marfat.com

روایت کی بنا پر وہ دین متوسط ہوگا، تیسری روایت میں بدل منفعت کو بدل عین کی جگہ میں اعتبار کرتے ہوئے اجرت اور عبد تجارت کو ثمن متاع تجارت کی جگہ میں اعتبار کیا گیا، اس روایت کی بنا پر اجرت عبد تجارت دین قوی کے قبیل سے ہوگا۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اجرت عبد تجارت نہیں ہے بلکہ وہ اجرت حر ہے، لہٰذا یہ دین قوی نہیں ہوسکتا بلکہ وہ دین ضعیف ہوگا یا دین متوسط ہوگا۔ دین متوسط ہونے کی تقدیر پر منافع کو مال کے قبیل سے شمار کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ کتاب البیوع میں ائمہ احناف کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافع مال کے قبیل شمار کیا جائے تو ائمہ احناف کے قول میں باہم تعارض پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اس کو دین ضعیف قرار دینا ہی راجح معلوم ہوتا ہے، علاوہ بریں اصح روایت کی بنا پر دین متوسط بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے جس کے متعلق ماقبل میں تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے اور دین ضعیف کا حکم یہ ہے کہ دین قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوتی ہے، سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بناءً علیہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقوم پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوگی۔

تیسری شرط حاجتِ اصلیہ

حاجت اصلیہ ایسی حاجت اور ضرورت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی ہلاکت کو دفع کرتا ہے، تحقیقاً ہو، جیسے کپڑا وغیرہ یا تقدیراً ہو، جیسے قرض وغیرہ اور حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائے گا۔

"ویعتبر فی الراحلة ما یلیق بالشخص عادة وعرفا ویختلف ذلک باختلاف أحوال الناس" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۶۲۳)۔

Marfat.com

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا

کون سا دَین مانع زکوٰۃ ہے؟ — دین کی قسمیں اور ان کے احکام:

مانع وجوبِ زکوٰۃ ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے دین کی تین قسمیں ہیں:

۱- وہ دین جو خالص بندہ کے لئے ہے اور بندوں کی طرف سے اس کا طلب کرنے والا موجود ہے، جیسے قرض، ثمن، مبیع وغیرہ۔

۲- وہ دَین جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے لیکن بندہ کی طرف سے اس کا طلب کرنے والا ہے، جیسے زکوٰۃ، خراج وغیرہ، اس کے لئے بندہ کی طرف سے طلب کرنے والا امام یا نائب امام ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (المبسوط ۱/۱۹۶، البحر الرائق ۲/۲۳۴، منحۃ الخالق ۲/۲۲۴)۔

دوسری شرط نماء

نماء کے لغوی معنیٰ زیادہ ہونے کے ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں، نماء حقیقی اور نماء تقدیری۔ توالد اور وہ اس طرح ہے کہ شروع اسلام سے حضرت عثمان غنیؓ کے وقت تک زکوٰۃ امام المسلمین وصول کرتے تھے، ان کے بعد کے دور سے ارباب اموال، اموال باطنہ کی طرف سے وکلاء کے طور پر ہیں۔

۳- وہ دین جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کا طلب کرنے والا بندہ کی طرف سے کوئی نہیں ہے، اگرچہ قیامت میں ان کا مطالبہ ہوگا، جیسے نذور، کفارات، حج وغیرہ۔ پہلے دو قسم کے دین مانع وجوبِ زکوٰۃ ہیں اور تیسری قسم کی دین مانعِ وجوب زکوٰۃ نہیں۔

اکثر ائمہ احناف کے نزدیک دین خالص للعباد معجّل ہو یا مؤجل دونوں صورتوں میں مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے، بعض کے نزدیک دین خالص للعباد اگر مؤجل ہو جائے تو وہ مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں ہے، مثال کے طور پر انھوں نے بتایا کہ عورت کا مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہے،

Marfat.com

کیونکہ عادۃً اس کے لئے بندہ کی طرف سے مطالبہ نہیں ہے اور بعض نے یہ بھی بتایا کہ زوج کے ہاتھ میں جو نقد موجود ہے اسے اگر دین مہر ادا کرنا مقصود ہو تو وہ مانع وجوب زکوٰۃ ہوگا، ورنہ نہیں، صاحب ''ردالمحتار'' نے صاحب ''معراج'' سے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق دین مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہے، اور قہستانی نے جواہر سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ دین مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ دین خالص للعباد کے بارے میں تین اقوال ہیں:

۱- معجّل اور مؤجل دونوں مانع زکوٰۃ ہے۔

۲- معجّل مانع ہے، مؤجل مانع نہیں ہے۔

۳- اگر عزم ادا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں۔

قہستانی نے جواہر سے ثانی قول کی ترجیح وتصحیح نقل کی ہے، نیز وجوب زکوٰۃ میں جو صورت انفع للفقراء ہے اس کی رعایت کرنے کے لئے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے، اس لئے قول ثانی کو ترجیح دینا ہی ارجح ہے۔

سرکار اپنے شہریوں کو موجودہ دور میں طویل الاجل جو دین بہ صورت زراعتی قرض، صناعتی قرض، تعمیر مکان کے لئے قرض وغیرہ دیتی ہے اور قسط واران کو ادا کرنا پڑتا ہے، وہ بھی دین خالص للعباد ہے اور اس میں بھی مطالبہ صرف سالانہ واجب الاداء قسط کا ہے اور مدیون کے ہاتھ میں جو نقد ہے اس سے سالانہ واجب الاداء قسط کے علاوہ باقی رقم ادا کرنے کا عزم بھی نہیں ہوتا، بناء علیہ ایسے طویل الاجل قرضوں میں اموال زکوٰۃ سے سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال مقدار نصاب ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، دیکھئے: (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۵۹۴، بدائع الصنائع ۲/ ۶، درمختار ۲/ ۷، فتح القدیر ۱/ ۸۸)۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

کوئی بھی کمپنی متعدد شرکاء سے سرمایہ حاصل کرتے ہوئے جو کاروبار کرتے ہیں اس

Marfat.com

کاروبار کو چلانے کے لئے کمپنی عام طور پر سرمایہ کے ایک حصہ کو تجارت چلانے کے لئے ضروری اسباب مثلاً تعمیر مکان، آلات حرفت، بیع اراضی وغیرہ مختلف ایسی چیزوں کو خریدنے میں لگاتی ہیں جن کی عین کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور سرمایہ کے ایک حصہ کو تجارت میں لگا کر نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، شرکاء اپنے اپنے حصہ کے مطابق تجارت کے اموال آمدنی آلات حرفت وغیرہ کے مالک ہوتے ہیں، ایسی صورت میں نصاب وجوب زکوٰۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ مجموعی مالیت پر کسی ایک کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ اس پر شرکاء میں سے ہر کوئی شریک ہے اور ہر فرد کی ملکیت اپنے انفرادی حصہ پر ہے، لہٰذا کمپنی اپنے سرمایہ سے کسی حصہ کو آلات حرفت، تعمیر مکان وغیرہ اسباب جن کی عین کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، ایسے اسباب خریدنے میں اگر صرف کریں تو سرمایہ کے اسی حصہ کو علیحدہ کرتے ہوئے باقی سرمایہ میں شرکاء سے جس فرد کا جو حصہ رہے گا وہ اگر مقدار نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، کیونکہ حالت انفراد میں جس شئی کا اعتبار کیا جاتا ہے حالت شرکت میں بھی اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے، (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۱۱، بدائع الصنائع ۲/۱۶، درمختار ۲/۴۶، فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۱)۔

ہیرے اور جواہرات

ہیرے اور جواہرات اگر تجارت کی نیت سے کسی کی ملکیت میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، لہٰذا اگر اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کی غرض سے ہیرے اور جواہرات خرید کر کے بدون نیت تجارت کے محفوظ رکھے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

”ولا زكوة في الجواهر واللآلي إلا أن يتملكها بنية التجارة كسائر العروض“ (مراقی الفلاح/۳۹۱، نیز دیکھئے: الجوہرہ ۲/۱۱۲، درمختار ۲/۱۸)۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوٰۃ

سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے تاجر اگر اس مال کی زکوٰۃ نقد روپیہ سے ادا کرنا چاہے تو اس کی قیمت متعین کرنے کے وقت اگر تاجر کی لاگت کے حساب سے یا تھوک کے بھاؤ سے متعین کیا جائے تو اس میں فقراء کی رعایت نہ ہوگی، حالانکہ عند الشرع وہ مطلوب ہے، لہٰذا اس کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو وجوب کے دن عام طور سے رائج و معروف ہو اور اس میں پھٹکر فروختگی کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، نیز اموال اگر سائمہ میں سے ہو تو یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

"ثم المعتبر فی القیمة عند أبی حنیفةؒ یوم الوجوب ولا یلتفت بعد ذلک إلٰی زیادة القیمة ونقصانها وعندهما یوم الأداء إلی الفقراء" (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۱۲۳، جامع الرموز ۱۳۹، درمختار ۲/ ۳۰)۔

کوئی اراضی کی خرید و فروخت کو اگر تجارتی کاروبار کے طور پر کرے تو بھی وہ اراضی اموال زکوٰۃ میں شمار نہیں کی جائے گی، کیونکہ اراضی پر عشر یا خراج واجب ہوتا ہے، اس لئے اگر اراضی پر زکوٰۃ بھی واجب ہو جائے تو ایک ہی سبب پر دو حق لازم کرنا پڑتا ہے، حالانکہ وہ عند الشرع جائز نہیں ہے۔

"ولو اشتری أرض عشر أو خراج للتجارة لا یجب فیها الزکٰوة" (قاضی خان ۱/ ۸۱۸، الکفایہ علی الہدایہ ۱/ ۲۶۰، درمختار ۲/ ۱۸، شامی ۲/ ۱۸)۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

کسی بھی کمپنی کے شیئر خرید کرنے کے معنیٰ اس کمپنی کی تجارت میں شریک ہونا ہے۔ اگر شیئر ہولڈر کو معلوم ہو کہ شیئر کی رقم کس صورت میں ہے تو ماقبل میں کمپنی کے زیر بحث وجوب

Marfat.com

زکوٰۃ کے بارے میں جو حکم بتایا گیا ہے شیئر کے بارے میں بھی وہی حکم ہوگا، شیئر کی رقم کے بارے میں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس صورت میں ہے تو اصل رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نفع معلوم ہو تو اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قرض دینے والا جو سرمایہ بونڈز پر لگاتا ہے وہ بہ ذمہ حکومت یا کمپنی قرض ہے اور وہ دین قوی کے قبیل سے ہے، بناء علیہ بونڈز کی زکوٰۃ دائن پر اصل وقت سے ہر سال واجب ہوتی رہے گی، لیکن سال بہ سال ادا کرنا واجب نہ ہوگا، بلکہ وصولی کے بعد ادا کرنا ہوگا، اس لئے بونڈز کے کیش کرانے کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ ماقبل میں دین کی قسمیں اور دین کی زکوٰۃ کے حکم کے تحت دلائل ذکر کیے جاچکے ہیں۔

محور ثانی- نصاب زکوٰۃ

چاندی اور سونے کے نصاب میں سے کسی ایک کے نصاب کو اصل اور دوسرے کو فرع اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک اپنے اپنے نصاب کے اعتبار سے مستقل ہے، لہٰذا سونے اور چاندی دونوں اگر علی الانفراد بہ قدر نصاب ہوئے تو دونوں کو ایک ساتھ نہ ملایا جائے گا، بلکہ چاندی اور سونا ہر ایک کی زکوٰۃ علیحدہ علیحدہ ادا کریں، اگر چاندی اور سونا دونوں میں سے کوئی قدر نصاب نہ ہو یا دونوں میں سے ایک قدر نصاب ہو اور دوسرا قدر نصاب نہ ہو تو ضم لازم ہے، یعنی ایک کے اصل کے ساتھ دوسرے کی قیمت کو ملایا جائے گا، سونا اور چاندی دونوں میں سے جس کی قیمت دوسرے کے ساتھ ملانے میں فقراء کے لئے انفع ہے ضم کے وقت اس کی رعایت کرنا واجب ہے، نیز دونوں میں سے اگر ایک کو دوسرے کی قیمت کے ساتھ ملانے سے مقدار نصاب نہ ہو اور اس کے عکس پر مقدار نصاب ہو تو جس کی قیمت کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہے اس کی رعایت کرنا بھی واجب ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۴۵، بدائع الصنائع ۲/۲۱)۔

Marfat.com

مصارف زکوٰۃ

۱- مدرسہ اگر طالب علم کے طعام، قیام، تعلیم اور دوسری سہولتوں کا انتظام کرے اور یہ نظام مقرر کرے کہ فی کس طالب علم پر ان سہولتوں کی فراہمی میں جو خرچ عائد ہوتا ہے طالب علم کے لئے لازم ہے کہ اپنے پاس سے اس رقم کو ادا کرے، مدرسہ فی کس طالب علم پر خرچ کا جو حصہ آتا ہے اگر حساب کرتے ہوئے اس کو بہ طور ماہانہ فیس مقرر کرلے تو ایسی صورت میں جو طالب علم مصرف زکوٰۃ ہے اس کی طرف سے مقررہ فیس ادا کرنے کے لئے مدرسہ اگر مد زکوٰۃ سے اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دے دے اور طالب علم وہ چیک وصول کرے تو یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ مہتمم مدرسہ کے پاس زکوٰۃ کی جو رقم ہے وہ عین ہے اور دین عین نہیں ہے اور عین کی زکوٰۃ غیر عین سے ادا نہیں ہوتی، نیز عین کی تملیک ہر کسی کو کی جاسکتی ہے، لیکن دین کی تملیک من علیہ الدین کے علاوہ دوسرے کسی کو نہیں کی جاسکتی۔

مہتمم مدرسہ یا ان کے نائبین کے پاس جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ معلوم اور معین ہیں اور وہ لوگ اس نیت سے ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ دیتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین کے پاس پہنچا دیں گے، لہٰذا مہتمم مدرسہ زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مستحقین زکوٰۃ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ان کی طرف سے وکیل مقرر کریں تو وہ ان کا وکیل ہوسکتا ہے، لیکن مستحقین کے عدم تقرر کی حالت میں کوئی شخص ان کا وکیل نہیں ہوسکتا، مدرسہ کے مستحقین طلبہ عادۃً مہتمم مدرسہ کو اپنی طرف سے وکیل نہیں بناتے، نیز طلباء بھی ایک آتے ہیں تو دوسرے جاتے ہیں، ایسی صورت میں مہتمم مدرسہ مستحقین طلبہ کی طرف سے وکیل نہیں ہوسکتا (دیکھئے: ۲/۴۲، ۴۳، فتاوی ہندیہ ۱/۹۷، فتاوی قاضی خان ۱/۱۲۵، فتح القدیر ۲/۲۰، ۲۷، طحطاوی/۴۳)۔

۲- قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کے تحت "والعاملین علیہا" کو

Marfat.com

بھی ذکر کیا ہے، حسب تصریح فقہاء ومفسرین "والعاملین علیھا" سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو امام المسلمین زکوۃ وعشر وصول کرنے کے لئے مقرر کرتے ہیں، ائمہ احناف نے بھی تصریح کی ہے کہ عاملین کو ان کے عمل سے قدر کفایت نفقہ دیا جائے گا، لیکن ان کے عمل کے نصف سے زائد دینا جائز نہیں ہے اور یہ اجرت کے طور پر نہیں ہے، بلکہ بطور عملہ ہے، مدرسہ کے لئے زکوۃ کی وصولی پر جو لوگ مقرر ہوتے ہیں ان کا تقرر چونکہ امام کی طرف سے نہیں، بلکہ مدرسہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس لئے وہ "والعاملین علیھا" کے تحت داخل نہیں ہوں گے، لہٰذا ان کو ان کے عمل کے عوض میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بہ طریق اجرت ہے اور عامل کے عمل کی اجرت معلوم ہونا ضروری ہے، کیونکہ اجرت اگر مجہول ہو تو اجارہ فاسد ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ عامل کی اجرت اگر اس کے عمل کے ایک جزء کو مقرر کیا جائے تو اجارہ فاسد ہوجاتا ہے۔ بناء علیہ مدارس کی طرف سے محصلین زکوۃ وغیرہ کو اگر متعین شرح فی صد کمیشن دینے کی شرط پر مقرر کیا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ زکوۃ ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ ایسے شخص کو مالک بنادیا جائے جو مصرف زکوۃ ہو اور مالک بنانا بھی بلا کسی معاوضہ کے ہو، بناء علیہ زکوۃ کے آمدنی اور خرچ کا حساب رکھنے کے لئے مدرسہ کی طرف سے جو عملہ مقرر ہوتا ہے ان کی تنخواہ مد زکوۃ سے ادا کرنا جائز نہ ہوگا (دیکھئے: بدائع ۲/۴۲، روح المعانی ۱۰/۱۲۱، احکام القرآن للجصاص ۲/۱۲۳، البحر الرائق ۲/۲۱۶، درمختار ۵/۴۵، العنایۃ علی الہدایہ ۲/۲۰)۔

Marfat.com

زکوٰۃ کے چند مسائل اور ان کا شرعی حل

محمد محی الدین بڑودوی ☆

محور اول

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے وہ تین قسموں پر مشتمل ہیں:

اول: اثمان مطلقہ، سونا اور چاندی جو طبعی طور پر اموال تجارت ہیں۔

دوم: اموال تجارت، یعنی وہ سامان واسباب جو تجارت کی غرض سے تیار کیا گیا یا خریدا گیا ہے۔

سوم: سوائم وہ جانور جو سائمہ ہوں (بدائع ۲/۱۶)۔

مذکورہ اموال پر زکوٰۃ کے وجوب کے لئے پانچ شرائط ہیں: (۱) مطلق ملک، (۲) ملک مطلق یعنی ملک تام، (۳) نماء خواہ حقیقۃً ہو جیسے اموال تجارت اور سوائم، خواہ نما حکماً ہو جیسے سونا اور چاندی، (۴) مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا جس کی وجہ سے غناء کا تحقق ہوتا ہے، (۵) حولان حول، اس لئے کہ مال میں نماء کے حصول کی خاطر مدت درکار ہے اور استنماء کے لئے کم از کم ایک سال چاہئے۔

☆ دار الافتاء دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر سورت، گجرات۔

Marfat.com

ملک تام کی تعریف

”وهو أن يكون مملوكا له رقبة ويداً وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وقال زفرؒ: اليد ليست بشرط وهو قول الشافعيؒ“

(ملک تام یہ ہے کہ مال کی ذات پر ملک ہو اور وہ مال قبضۂ مالک میں بھی ہو، امام زفرؒ وامام شافعیؒ کے یہاں ملک تام میں قبضہ مشروط نہیں ہے)۔

”والمراد بالملك التام القدرة على التصرف من غير أن يلزم بهذا التصرف تبعة في الدنيا ولا في العقبیٰ“ (حاشیہ رد المحتار ۲/۲۶۰)۔

(ملک تام سے مراد یہ ہے کہ مالک کو تصرف پر اس طرح قدرت حاصل ہو کہ تصرف سے اس پر کوئی مواخذہ دنیوی یا اخروی عائد نہ ہوتا ہو)۔

ملک تام کی روشنی میں سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

جواب:۱- مبیع کے قبضہ مشتری میں نہ آنے کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- بیع سلم میں قیمت کی ادائیگی کے بعد مبیع سپرد کرنے کا وقت آنے تک مبیع مشتری کے قبضہ میں نہیں ہے۔

۲- خیار شرط کی بنا پر بائع کے قبضہ میں ہو۔

۳- بلا کسی شرط کے مبیع بائع کے قبضہ میں ہو۔

۴- مبیع بائع کے پاس سے روانہ ہوچکی ابھی راہ میں ہے۔

۵- مبیع بائع کے پاس سے روانہ ہوکر گم ہوگئی ابھی مشتری تک نہیں پہنچی، البتہ ریلوے یا ٹرانسپورٹ وغیرہ کا وثیقہ (رسید) موجود ہے۔

۶- راہ میں گم ہوئی، لیکن کوئی وثیقہ موجود نہیں، جیسے آنگڑیا کی معرفت۔

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں ملک تام کی مذکورہ بالا تعریف کے پیش نظر بائع کو جو قیمت

Marfat.com

پہنچ چکی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اگر قیمت مستفاد فی النصاب ہے تو حولان حول کے بغیر زکوٰۃ واجب ہے، اور اسی قیمت سے صاحب نصاب بن رہا ہے تو حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ بائع رقبۃً و یداً قیمت میں متصرف ہے۔

مذکورہ بالا جملہ صورتوں میں مشتری پر قبضہ مبیع سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ مشتری متصرف نہیں، قبضہ سے پہلے مشتری کے لئے مبیع کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگرچہ قبضہ سے پہلے پورا سال گزر جائے تب بھی مشتری پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مبیع خواہ ریلوے سے بائع نے روانہ کی ہو یا ٹرانسپورٹ سے، خواہ راہ میں گم ہو کر وثیقہ موجود ہو یا نہ ہو، یہ بائع کی طرف سے روانگی ترسیل ہے اور ترسیل بائع کی صورت میں مبیع جب تک مشتری کے پاس پہنچ نہ جائے تسلیم مبیع ثابت نہیں ہوتی۔

ریلوے ٹرانسپورٹ کے ذریعہ بائع مال بھیجتا ہے تو یہ ترسیل ہے، ترسیل میں تسلیم نہیں ہوتی، ہاں توکیل میں تسلیم ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر مشتری نے ایک شخص کو معین کر دیا کہ مال اس کو دیدینا اور اس معین شخص نے ذمہ داری لے لی تو یہ شخص مشتری کا وکیل ہو گیا، جب اس نے مال پر قبضہ کر لیا تو اصیل کا قبضہ شمار ہوگا، اس لئے اس صورت میں مشتری پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

”مشتری نے بائع سے کہا کہ تم اس کو تول لینا اور اپنے یا میرے غلام کے ساتھ اس کو بھیج دینا بائع نے ایسا ہی کیا اور راستہ میں برتن ٹوٹ گیا، تو بائع کا نقصان شمار ہوگا مگر یہ کہ مشتری نے بائع سے اس طرح کہا کہ اس غلام کو مال دیدینا (اور غلام نے ذمہ داری لے لی) تو یہ غلام کو وکیل بنانے کی صورت ہوگئی اور غلام کو دیدینا مشتری کو دیدینے کے حکم میں ہوگا“ (ردالمحتار ۴؍۵۶۳)۔

پہلی صورت ترسیل کی ہے دوسری صورت توکیل ہے: ”هذا توكيل والأول ترسيل“ (تقریرات رافعی ۴؍۱۱۹)۔

Marfat.com

اسی طرح فرماتے ہیں:

''شہر میں لکڑیاں خریدیں پھر مشتری کے گھر پہنچاتے وقت کسی غاصب نے لکڑیاں غصب کرلیں تو بائع کی لکڑی گئی، اس لئے کہ بائع پر مشتری کے گھر پہنچا کر سپرد کرنا ضروری ہے، عرف کی بناء پر'' (ردالمحتار ۴/ ۵۶۳)۔

علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:

"لا دخل لهذه العلة فى الحكم بل العلة هى تحقق الهلاک قبل التسليم ولا فرق بين كون المبيع حطباً أو غيره" (تقریرات رافعی)۔

(عرف کو اس میں دخل نہیں ہے بلکہ اصل علت تسلیم سے پہلے ہلاکت کا تحقق ہے، اسی طرح مبیع لکڑی ہو یا دوسری چیز حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مشتری نے کسی کو وکیل بنادیا ہے تو وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوگا، اور تسلیم کامل ہو جائے گی، اور اگر مشتری نے کسی کو وکیل بنایا تو اس صورت میں اگرچہ مشتری کے امر سے مال بھیجا ہو وہ ترسیل میں داخل ہے، اور ترسیل کی صورت میں تسلیم الی المشتری اس وقت متحقق ہوگی جب مال مشتری کے قبضہ میں پہنچ جائے۔

اس لئے ریلوے ٹرانسپورٹ، آنگڑیہ وغیرہ ذرائع سے بائع کا مال بھیجنا ترسیل ہے، اس صورت میں قبضہ مشتری سے پہلے تسلیم ثابت نہیں ہوتی اور قبضہ بھی نہیں ہے، اور جو مال مشتری کے قبضۂ تصرف میں نہ آیا ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اگرچہ مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد مال روانہ کیا یا مشتری نے ریلوے ٹرانسپورٹ وغیرہ سے رابطہ قائم کرکے بائع سے مال منگوایا ہے تو ریلوے وغیرہ مشتری کے وکیل ہوں گے، ایسی صورت میں مال وصول ہونے پر قبضہ کے وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور جملہ صورتوں میں بائع پر مبیع کی زکوٰۃ فرض نہیں، کیونکہ مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی ہے۔

Marfat.com

جواب: ۲- ڈپوزٹ: ڈپوزٹ میں مالک مکان کو عرفاً حق تصرف حاصل ہوتا ہے اور ڈپوزٹ سے مقصد بھی تصرف وانتفاع ہے، اس لئے ودیعت ورہن سے اس کی حیثیت کچھ مختلف ہے۔ اس لئے مالک پر دین وقرض کی حیثیت قوی معلوم ہوتی ہے اور خود کرایہ دار (صاحب ڈپوزٹ) کے لئے بھی مالک مکان پر قرض کی حیثیت قوی معلوم ہوتی ہے۔

مستقرض قرض کا مالک ہوجاتا ہے، طرفین کے یہاں تو صرف قبضہ سے مالک ہوجاتا ہے، اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک قرض میں تصرف سے مالک ہوجاتا ہے، اس لئے صاحب مکان پر اس رقم کی زکوٰۃ لازم ہوگی، اگر یہ رقم مشغول بالدین نہ ہو، یعنی اس کے پاس ڈپوزٹ کے علاوہ رقم ضرورت سے زائد بقدر نصاب موجود ہو، جو ڈپوزٹ کے دین کو ادا کرنے کے لئے کافی ہو، اس صورت میں اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے تو ڈپوزٹ مال مستفاد میں داخل ہوکر سال رواں کے حساب میں آجائے گی، ورنہ حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر ڈپوزٹ مؤجل ہے، طویل مدت مقررہ تک کرایہ دار کی طرف سے مطالبہ کا اندیشہ نہیں ہے تو دین مؤجل کے حکم میں آجائے گی۔ جس کا بیان دین کے ذکر میں آرہا ہے۔

کرایہ دار کا مالک مکان پر دین قوی ہے، قرض دین قوی میں داخل ہے، اس لئے واپس ملنے کی صورت میں سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی۔

حضرت علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ویملک المستقرض القرض بنفس القبض عندهما أی الإمام ومحمد خلافا للثاني: القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منهما لا يبطله ولكنه يلغو رد شئی آخر" (درمختار مع الشامی ۵/ ۱۶۴)۔

جواب: ۳- اجارہ کی رقم پیشگی ادا کردینے کی صورت میں مالک مکان پوری رقم کا مالک فوراً نہیں ہوجاتا، بلکہ اجارہ میں ملک ساعۃ فساعۃ بدلین میں ثابت ہوتی ہے، اس لئے کم از کم ایک دن

Marfat.com

گزرنے پر ایک روز کے کرایہ کا مالک بنے گا، بقیہ رقم ودیعت سمجھی جائے، کرایہ دار کی رقم کرایہ دار کی ملک سے نکلی نہیں ہے، فسخ کرایہ پر واپس مل سکتی ہے، اس لئے کرایہ دار پر اپنی رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی، کرایہ دار کی جس قدر رقم حولان حول سے قبل کرایہ میں مستحق بنے گی، زکوٰۃ سے خارج ہوجائے گی، اور حولان حول کے وقت جو رقم مستحق نہیں بنی ہے حساب زکوٰۃ میں معدود ہوگی۔

مالک مکان پر پوری رقم کی زکوٰۃ لازم نہ ہوگی، بلکہ جس قدر کرایہ کا وہ مستحق بن رہا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جس قدر رقم کا مستحق بن گیا ہے وہ رقم مال مستفاد میں شمار ہوکر دوسرے مال زکوٰۃ کے ساتھ حساب میں آجائے گی، حولان حول شرط نہیں، اگر وہ پہلے سے صاحب نصاب نہیں ہے بلکہ مستحق کرایہ سے صاحب نصاب بن رہا ہے تو زکوٰۃ کی دیگر شروط کے ساتھ حولان حول پر زکوٰۃ لازم ہوگی (شامی ۶/۵)۔

جواب: ۴- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم وقف ہے کسی کی ملک میں نہیں ہے، زکوٰۃ کی رقم ہے، تو اس پر دوبارہ زکوٰۃ نہیں، اس کی تملیک کے بعد مالکین پر صاحب نصاب ہوجائیں تو زکوٰۃ آئے گی، وقف کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اس لئے کہ مطلق ملک (شرط) مفقود ہے۔

”وأما الشرائط التی ترجع إلی المال فمنها الملک فلا تجب الزکاة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک وهذا لأن فی الزکاة تملیکا والتملیک فی غیر الملک لا یتصور“ (بدائع ۲/۹)۔

جواب: ۵- جو مال بطور حرام کسی کے پاس آیا، جیسے رشوت کا مال یا سود کا مال یا مغصوب مال اگر علیحدہ محفوظ ہو تب تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، ہاں اگر اپنے مال کے ساتھ اس طرح محفوظ کردیا کہ تمیز مشکل ہے تو اب امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس شخص کے ذمہ میں مال غیر کا ضمان

Marfat.com

لازم ہو گیا، کیونکہ مال غیر مستہلک ہو گیا اور جب مال غیر کا ضمان ذمہ میں واجب ہو گیا تو محفوظ مال پورا اس کا مملوک بن گیا، اس لئے اس مال پر زکوٰۃ لازم ہوگی، پورے مال پر زکوٰۃ آئے گی اور وراثت بھی جاری ہوگی۔

اس زمانہ میں عام طور پر لوگوں کے مال غیر کے مال سے محفوظ رہتے ہیں، وراثت کی بہ قاعدہ تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے قمار، ربا، رشوت اور غصب کی بناء پر، اس لئے مالکین کے لئے تمیز وحساب دشوار ہے، تو مالکین پر سہولت کی خاطر، نیز فقراء کے لئے بھی انفع ہے، اس لئے زکوٰۃ پورے مال پر لازم ہوگی۔

لیکن مخلوط مال پر زکوٰۃ کا وجوب اس صورت میں ہے کہ جب مخلوط مال کے علاوہ حلال مال علیحدہ موجود ہو جو بقدر نصاب بھی ہو اور فاضل عن الحاجۃ والدین بھی ہو، جس میں خود مال حرام کا دین بھی شامل ہے، اسی طرح اگر مخلوط مال میں حلال حصہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے اور علیحدہ حلال مال مخلوط مال میں مال حرام کے دیون کو پورا کر دیتا ہو تب زکوٰۃ پورے مال مخلوط پر آئے گی۔

اگر پورا ہی مال خبیث ہو تو واجب التصدق ہی ہے، پھر اس کے بعض حصہ کو زکوٰۃ کی حیثیت سے واجب التصدق کہنے میں کوئی نیا فائدہ نہیں ہے (درمختار ورد المحتار ۲/۲۹۱)۔

جواب:٦- دین کی تین قسمیں ہیں: دین قوی، دین وسط اور دین ضعیف۔

دین قوی وہ ہے کہ جو کسی کے ذمہ مال تجارت کے بدلہ میں واجب ہوتا ہو۔ جیسے مال تجارت کا ثمن، خواہ کپڑے یا غلام کا ثمن ہو، یا مال تجارت کی آمدنی ہو، دین قوی کے اندر وجوب زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ گزشتہ مدت کی ادائیگی کا مکلّف نہیں ہے جب تک کہ چالیس درہم قبضہ میں نہ آجائیں، جب چالیس درہم قبضہ میں آجائیں تب ایک درہم زکوٰۃ لازم ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک جس قدر مقبوض ہو کم یا زیادہ مقبوض کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

دین ضعیف وہ ہے جو کسی کے ذمہ بلا بدل کے واجب ہوتا ہے، خواہ اس کے وجوب

Marfat.com

میں بندہ کے فعل کو دخل ہو، جیسے مال وصیت یا بندہ کا فعل دخیل نہ ہو، جیسے میراث، اور دین ضعیف اس حق کو بھی کہتے ہیں جو غیر مال کے بدلہ میں لازم ہوتا ہے، جیسے مہر، بدل خلع اور بدل صلح عن القصاص، نیز بدل کتابت، اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے دین میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، جب تک پورا مال قبضہ میں آکر اس پر سال گزر نہ جائے۔

دین وسط وہ دین ہے جو مال غیر تجارت کے بدلہ میں واجب ہوتا ہے، جیسے خدمت کے غلام کا ثمن یا روزانہ استعمال کے کپڑوں کی قیمت، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس دین کے حکم کے بارے میں دو روایتیں ہیں، اصل میں مذکور ہے کہ دین وسط میں قبل القبض زکوٰۃ تو واجب ہوتی ہے، لیکن ادا کا مکلّف نہیں ہے جب تک پورے دوسو درہم مقبوض ہو نہ جائیں، جب دوسو درہم مقبوض ہو جائیں گے، تو گزشتہ مدت کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

ابن سماعۃؒ کی روایت عن ابی یوسفؒ عن ابی حنیفہؒ یہ ہے کہ دین وسط میں زکوٰۃ لازم نہیں ہے یہاں تک کہ دوسو درہم (نصاب کامل) مقبوض ہو کر اس پر قبضہ کے بعد ایک سال گزر جائے، دونوں روایتوں میں اصح روایت یہی ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں: دین سب برابر اور سب قوی ہیں (فرق درجات نہیں ہے) سب سے زکوٰۃ قبضہ سے قبل ہی واجب ہو جاتی ہے، سوائے دیت علی العاقلہ اور مال کتابت کے، اس میں زکوٰۃ بالکل واجب نہیں ہوتی، یہاں تک کہ قبضہ کے بعد سال گزر جائے۔

دین میں اس حیثیت سے کہ ذمہ میں ایک حق ہے (کوئی مال مملوک رقبۃً ویداً نہیں ہے)، اس لئے زکوٰۃ بالکل واجب ہونا ہی نہیں چاہیے جس طرح مال ضمار میں قبضہ نہ ہونے کی بناء پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح تمام دیون میں قبضہ نہ ہونے کی بناء پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونا چاہیے، لیکن دین قوی (جس میں قرض بھی شامل ہے، فتح القدیر) مال کی تجارت کا بدل ہے، اور مال تجارت جو مبدل ہے، قبضہ کے قابل ایک عین ہے، جس طرح مبدل (مبیع) مملوک رقبۃً

Marfat.com

ویداً ہے، بدل (ثمن) بھی مملوک رقبۃً ویداً سمجھ لیا گیا، اس لئے اس میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے۔

اسی طرح دین وسط میں بھی صحیح روایت کی بنا پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے، کیونکہ بدل مال غیر تجارت ہے، چنانچہ مال غیر تجارت، جبکہ حقیقۃً مقبوض ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی تو بدل کے اندر بھی زکوٰۃ لازم نہیں ہے، مقبوض ہونے کے بعد حولان حول پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئولہ صورت میں اگر دین سے مراد قرض ہے تو قرض پر مقرض کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ قرض دین قوی ہے اگر چہ ید تصرف اس پر حاصل نہیں ہے، اور مستقرض بھی اس قرض کا مالک بن چکا ہے، اگر یہ قرض مشغول بالدین ہے تو مستقرض پر زکوٰۃ واجب نہیں، اور اگر قرض مشغول بالدین نہ ہو اور نصاب تک پہنچ جاتا ہو تو مستقرض پر حولان حول کے بعد زکوٰۃ لازم ہوگی، اگر قرض نصاب تک نہیں پہنچتا، اور مستقرض پہلے سے صاحب نصاب خالی عن الدین ہے تو قرض مال مستفاد میں شمار ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب ہوگی، ٹال مٹول مؤثر نہ ہوگی، قرض مشغول بالدین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرض مؤجل ہو طویل الاجل ہو، مثلاً دس پانچ سال کے بعد ہی ادا کرنا ہے، اس سے پہلے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا، تو اس صورت میں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، مستقرض پر قرض کی زکوٰۃ آئے گی۔

اگر قرض کے سوا کوئی اور دین قوی ہے، مال تجارت کا بدل ہے تو دائن (بائع) پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جب مشتری کے پاس سے ثمن وصول ہوگا، ماضی کی زکوٰۃ لازم ہوگی، جس قدر وصول ہوتا جائے زکوٰۃ ادا کرتا جائے یا کم از کم چالیس درہم وصول ہونے پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔

مدیون (مشتری) کے پاس مال تجارت آچکا ہے، اس کا حساب مال تجارت میں ہوگا، مشتری پر بائع کا جو ثمن ذمہ میں باقی ہے، مشتری اس کا مالک نہیں ہے، نہ مشتری کا ثمن پر بحیثیت محسوس کوئی قبضہ ہے، مشتری اس لئے مالک نہیں ہے کہ وہ مبیع کا مالک بن چکا، اگر بدل کا مالک ہو تو بدلین کا ایک ملک میں اجتماع ہو جائے گا جو ظاہر الفساد ہے، اس لئے مشتری پر ٹال مٹول کرنے

Marfat.com

کی صورت میں کوئی زکوٰۃ ثمن پر نہیں آئے گی، ٹال مٹول کا گناہ ضرور ہوگا اگر بے وجہ ہو، کیونکہ جو مال تجارت میں مشتری نے لگایا ہے وہ خود مشتری کا ہے۔ "**الدراھم والدنانیر لا تتعین فی العقود**"۔

ہاں اگر ثمن عرض غیر معین ہو تو جب تک مشتری کے عرض تجارت میں شامل ہے تو عرض تجارت کی مجموعی زکوٰۃ میں شامل رہے گا، مشتری کے ذمہ زکوٰۃ آئے گی، عرض معین یا منفصل ہو تو مشتری پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ وہ مالک نہیں ہے، اور بائع پر دونوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ تسلیم نہیں ہوئی اور ید تصرف حاصل نہیں ہے۔

جواب: ۷- پراویڈنٹ فنڈ دین ضعیف میں داخل ہے، کیوں کہ بدل نما "**لیس بمالٍ**" ہے، اجرت ہے، اس لئے اس میں مجموعی رقم میں گزشتہ کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے، وصول ہونے کے بعد حولان حول پر زکوٰۃ لازم ہوگی، اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے تو مال مستفاد میں شمار ہوگا، اگر ایسا اجیر ہے جس کو ملازمت میں اپنا کچھ مال لگانا پڑتا ہو، جیسے صباغ (رنگریز) کہ رنگ اپنا استعمال کرتا ہے تو رنگ کی قیمت مستاجر پر دین قوی میں داخل ہو کر اس کی زکوٰۃ وصول ہونے پر ادا کی جائے گی۔

دوسری شرط نما

نما کا معنی زیادتی واضافہ ہے، مال نامی میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

نما خواہ حقیقۃً مال میں ہو رہا ہو، جیسے اموال تجارت اور سائمہ جانور، خواہ نما حکماً موجود ہو جیسے سونا چاندی میں۔ لیکن کسی بھی صورت میں نما کا بالفعل ہونا ضروری نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ مال کو طلب زیادت کے لئے تیار رکھنا، خواہ بالفعل زیادتی ہو رہی ہو جیسے دکان کھلی ہے اور بکری جاری ہے، یا تقدیراً نما موجود ہے، جیسے دکان بند ہے آٹھ دس روز کے لئے یا کھلی ہے، مگر گاہک نہیں ہے، تو اگرچہ بالفعل نما نہیں ہے، لیکن تقدیراً اس کو مال نامی کہتے ہیں، اسی طرح سونا چاندی کہ

Marfat.com

فطرۃً نما کے لئے ہے، کسی بھی تجارت میں ثمن بننے کی صلاحیت فطری طور پر اس میں موجود ہے، طلب زیادت کی اہلیت رکھتا ہے، اگر چہ مدتہائے دراز سے قفل میں بند ہو، لیکن بالقوۃ نما اس میں موجود ہے۔

ان کے علاوہ وہ اموال جو برائے استعمال ہیں اس میں نما حاجت اصلیہ سے بڑھ کر نہیں ہوتا، اس میں نما ہو بھی جیسے پالتو جانوروں میں تو زیادت بھی حاجت اصلیہ میں مشغول ہوتی ہے۔

حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ

حاجت اصلیہ جو انسان کو ہلاکت تحقیقی یا تقدیری سے محفوظ رکھے، ہلاکت تحقیقی سے حفاظت کی صورت نفقہ میں ہے کہ انسان روزمرہ کے خرچ، رہنے کے لئے گھر، آلات جنگ اور سردی وگرمی سے بچنے کی خاطر ضروری کپڑوں کے بغیر ہلاک ہو جائے گا، اور تقدیری ہلاکت جیسے کہ قرض ہے، مقروض اگر چہ صاحب نصاب ہو، لیکن اس کو اپنا مقبوض نصاب کی ادائیگی کے لئے خرچ کر دینا ضروری ہوتا ہے، اپنی ذات کو قید سے بچانے کے لئے جو ہلاکت کی طرح ہے، کسب معیشت کے لئے آدمی کو ضروری ہے آلات حرفت کی، گھر کے ضروری سامان کی، سواری کے لئے جانور کی اور اہل علم کے لئے کتب علم بھی ضروریات میں شامل ہیں، کیونکہ جہالت ان کے نزدیک موت کی طرح ہے (ردالمحتار ۲/۲۲۶)۔

حاجت اصلیہ کی تعریف جامع ہر زمانہ کی حوائج اصلیہ پر حاوی ہے، اس لئے کوئی نئی تعریف کی جستجو کی ضرورت باقی نہیں رہتی، نفقہ ہر زمانہ کے معیار اور ہر شخص کی اپنی حالت کی لحاظ سے معتبر ہوگا، اسی طرح گھر کا معیار بھی ملحوظ رہے گا، ہاں آلات جنگ صرف مدافعت نفس کی حیثیت وضرورت کے لحاظ سے مطلوب ہوں گے، کیونکہ اجتماعی مدافعت کی ذمہ داری اس دور میں جنگ کی بدلتی ہوئی شکلوں کے ساتھ حکومت اور خاص فوجوں کی ذمہ داری میں داخل ہے،

Marfat.com

عوام کو ایسے آلات جنگ کی ضرورت نہیں ہے، کپڑے بھی زمانہ، ملک اور موسم کے لحاظ سے مطلوب ہوں گے، اسی طرح آلات حرفت، حرفت کی بدلتی ہوئی شکلوں کے مطابق ملحوظ ہوں گے، اس زمانہ میں بڑی بڑی فیکٹریاں بھی آلات حرفت میں محسوب ہو جائیں گی، عمارت منزل ہر شخص کی اپنی ضرورت، رہن سہن کے تقاضہ کے مطابق مطلوب ہوتی ہے، مثلاً فرنیچر ایک ڈاکٹر کے لئے اس کے معیار کا ہوگا، ایک عالم کے لئے اس کے معیار کا ہونا چاہیے، جس میں مثلاً کتب کی الماریاں اور ملنے والے احباب کے لحاظ سے گھر کے اسباب ہوں گے، تاجر کے لئے فون اور دیگر خصوصیات کے لحاظ سے فرنیچر ہوگا، مطبخ کے اسباب اعلیٰ وادنیٰ شہر و دیہات کے لحاظ سے جدا ہو سکتے ہیں، کوکر، گیس، بجلی، فریج وغیرہ جدید کھانے پکانے کے آلات کا معیار ہر شخص کا جدا ہو سکتا ہے، غرض کہ ملک ملک، موسم موسم، عرف عرف اور معیار معیار کا فرق ملحوظ رہے گا، دستی گھڑی بھی اور دیوار یا ٹیبل گھڑی بھی ضروریات میں داخل ہے، آج کل عالم کا کل نظام گھڑی سے وابستہ ہے، سواری کے لئے ایک اسکوٹر، یا کم از کم سائیکل یا بس رکشہ وغیرہ کا کرایہ ضروریات میں داخل ہو سکتا ہے، سفر میں آدمی کی شان کے لحاظ سے A کلاس اور B کلاس کا فرق بھی پیش نظر رہنا چاہیے، خاص پیشہ والے جن کو کار کی ضرورت ہو ان کے لئے کار بھی ضروریات میں داخل ہو سکتی ہے۔

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا

اگر حکومت کا دین مؤجل ہے جس کی معیاد طویل الاجل ہو اور عام طور پر حکومت کے قرضہ اجل سے پہلے مطالبہ نہیں ہوتا، اس لئے اس قسم کے طویل المیعاد قرض مؤجل میں مقروض جس قدر ایک سال میں ادا کرتا ہے اس قدر اموال تجارت میں سے منہا کر کے کل مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرے، کیوں کہ اس قرض میں بالفعل مطالبہ من جهة العباد نہیں ہے، نیز جب ہر سال ادا کیے جانے والے قرض کو زکوٰۃ کے اموال میں سے منہا کر دیا گیا تو مثلاً چالیس سال میں مجموعی رقم گورنمنٹ کو ادا کی ہے، اس مجموعی قرض کی زکوٰۃ منہا ہو جائے گی، اور یہی مطلوب ہے۔

Marfat.com

چنانچہ قرض مؤجل کے بارے میں علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"أو مؤجلا: عزاه إلى المعراج إلى شرح الطحاوي: وقال عن أبي حنيفةؒ لا يمنع، وقال الصدر الشهيد: لا رواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستاني عن الجواهر الصحيح أنه غير مانع" (شامی ۲/۲۶۱)۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

اگر تمام یا بعض شرکاء صاحب نصاب ہیں تو ان پر زکوٰۃ لازم ہوگی، ان کے اپنے اپنے اموال کے لحاظ سے خواہ وہ اموال کمپنی میں شامل ہوں یا خارج ہوں، اگر کوئی بھی صاحب نصاب نہیں ہے تو کمپنی پر مجموعی لحاظ سے (احناف کے نزدیک) زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ انفرادی حیثیت سے جو بھی صاحب نصاب ہو اس پر زکوٰۃ آئے گی، ایک شخص ایک کمپنی میں اپنے حساب کے لحاظ سے صاحب نصاب نہیں ہے، لیکن اس حصہ کو اپنے گھر میں رکھے اموال زکوٰۃ کے ساتھ یا دوسرے اموال تجارت کے ساتھ حساب میں لایا جائے تو صاحب نصاب بن جاتا ہے، تو اس حیثیت سے دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ اس حصہ کی زکوٰۃ بھی اس شخص پر لازم ہوگی۔

"ولا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة وإن تعدد النصاب تجب إجماعاً" (ردالمحتار ۲/ ۳۰۴)۔

ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ

ہیرے جواہرات اور اموال غیر نامیہ پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے، اگرچہ ہزاروں کی قیمت پر پہنچیں، جس طرح غیر نامی زمین وجائداد پر نہیں ہوتی، اگر تجارت کے لئے ہوں تو اموال تجارت کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح عورتوں کے ہیرے جواہرات کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوٰۃ

اموال تجارت میں زکوٰۃ وقت ادا میں عام بازاری بھاؤ کے حساب سے ادا کی جائے گی، اگر تھوک ہے تو تھوک کا بازاری بھاؤ، پھٹکر ہے تو پھٹکر کا بازاری بھاؤ، دونوں طرح تجارت ہو اور تمیز ممکن ہو تو دونوں کے لحاظ سے ورنہ غالب جو بھی ہو اس کا لحاظ کرلیا جائے۔

اگر کوئی شخص گزشتہ کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو ظاہر بات ہے کہ نہ وہ مال اس وقت موجود ہے، نہ وہ بھاؤ ہے، اس لئے اس کو گزشتہ سال کے (اختتام پر جو اس کے لئے یوم ادا کا حکم رکھتا ہے) لحاظ سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی (شامی ودرمختار ۲/۳۰)۔

اراضی تجارت کی زکوٰۃ میں یوم ادا کے بازاری نرخ کا اعتبار کرنا چاہیے، متوقع نرخ نہ اس وقت موجود ہے نہ اس کا حصول ضروری ہے، سودا ہی نہ ہو ایک دو سال گزر جائیں یا بھاؤ ہی گھٹ جائے، اس لئے متوقع پر مدار رکھا ہی نہیں جاسکتا، متوقع مل جائے گا تو نقد میں مال مستفاد کی حیثیت سے شامل ہو جائے گا۔

شیئرز پر زکوٰۃ

شیئرز کی حقیقت کے لحاظ سے یہ اشتراک فی التجارۃ ہے، اس لئے تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر کمپنی میں حصہ دار آلات حرفت (فیکٹری) میں ہے تو آلات حرفت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی، اس لئے ایسے شیئرز پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، ہاں جو آمدنی شیئرز سے حاصل ہوگی، اس پر زکوٰۃ آئے گی، وقت ادا میں شیئرز کا جو بھاؤ مارکیٹ میں ہوگا وہ معتبر ہوگا۔

بونڈز

مذکورہ صورت میں بونڈز قرض ہے اور دین قوی ہے، اس کی زکوٰۃ جس قدر وصول ہوتی جائے ادا کرنی ہوگی، گزشتہ سالوں کی بھی ادا کرنا ہوگی، اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے

Marfat.com

تو حولان حول کی شرط بھی نہیں اگر سال بہ سال کردیتا ہے تو جائز ہے، یہ زکوٰۃ مؤجل شمار ہوگی۔

محور ثانی

سونا اور چاندی میں سے جس نصاب کا بھی مالک ہوجائے صاحب نصاب کو غنی قرار دیا جائے گا، اس بارے میں ادنی نصاب کا اعتبار ہوتا ہے، اسی طرح مال تجارت کے نصاب کی تقویم کے لئے ادنی نصاب کا اعتبار ہوگا، اس زمانہ میں چاندی ادنیٰ ہونے کی وجہ سے تقویم کے لئے متعین ہے، انفع للفقراء بھی یہی ہے۔

محور ثالث

مصارف زکوٰۃ

غیر مستطیع طالب علم کو اگر زکوٰۃ کا چک دیدیا جائے اور طالب علم اس چک کے وصول کرنے کا مجاز مدرسہ کو بنادے، مدرسہ چک کی رقم وصول کرلے یا خود طالب علم چک کی رقم وصول کرکے مدرسہ میں دیدے تو تملیک کی صورت ہوجاتی ہے، یہ صورت جائز ہے۔

مہتمم کی وکالت

مہتمم مدرسہ مستحقین زکوٰۃ (طلبہ) کا وکیل نہیں ہے، اس لئے کہ طلبہ نے اس کو وکیل نہیں بنایا، توکیل نام ہے "إقامة الغير مقام نفسه" (درمختار ۵/۵۰۹) تو جب تک طلبہ کی طرف سے اپنی خاطر کسی خاص رقم کے وصول کرنے کے لئے مہتمم کو وکیل بنایا نہیں جائے گا، توکیل وجود میں نہیں آئے گی، معین طلبہ یا طلبہ کی انجمن مہتمم کو وکیل بنادے یا ہر طالب علم سے داخلہ کے وقت داخلہ فارم میں توکیل کرالی جائے تو مہتمم وکیل بن جائے گا، وکیل مؤکل کا نائب ہوتا ہے۔

Marfat.com

"ليس كل أجر توكيلا بل لا بد مما يفيد كون فعل المامور بطريق النيابة عن الآخر فليحفظ" (درمختار ۵/۵۰۹)۔

کیا سفیر "عاملین علیها" میں داخل ہے؟

چندہ وصول کرنے والا سفیر محض سفیر اور رسول ہے، وکیل و نائب نہیں ہے، رسول کے لئے کسی بھی عقد میں عقد کی اضافت مرسل کی طرف ضروری ہوتی ہے، وکیل کے لئے کسی کام میں مؤکل کی طرف نسبت ضروری نہیں ہے، سوائے امور چند کے (نکاح، خلع، ہبہ وغیرہ)۔

سفیر نہ معطین زکوٰۃ کا نائب ہے، نہ مستحقین کا، اس لئے کہ عمل توکیل حقیقتاً یا حکماً موجود نہیں ہے، سفیر صرف مدرسہ کا رسول (قاصد) ہے، سفیر مدرسہ کے نام سے چندہ کرتا ہے، مدرسہ کی رسید پیش کرتا ہے، تب ہی اس کو معطین معتمد سمجھتے ہیں، یہی رسالت کی حقیقت ہے، نام بھی تو اس کا سفیر ہے۔

جب سفیر کسی کا نائب نہیں ہے تو سفیر کو "العاملين عليها" کے حکم میں شمار نہیں کیا جا سکتا، عامل زکوٰۃ سلطان کا نائب ہوتا ہے:

"وأما العاملون عليها فهم الذين نصبهم الإمام لجباية الصدقات" (بدائع)۔

(عاملین وہ ہیں جن کو امام وصول صدقات کے لئے مقرر کرتا ہے)۔

عامل کا پورا وقت تحصیل زکوٰۃ میں صرف ہوتا ہے، عامل کو جو کچھ ملتا ہے وہ بطور اجرت نہیں بلکہ اپنے اور اپنے اعوان کی کفایت کی حیثیت سے ملتا ہے، عامل خود مصرف میں شامل ہے، اس کا حق اس مال زکوٰۃ سے متعلق ہوتا ہے جو اس نے وصول کیا ہے، اگر اس کا وصول کردہ مال ہلاک ہو جائے تو عامل کا حق بھی ساقط ہو جاتا ہے، نیز عامل کا یہ حق مال زکوٰۃ میں اس لئے متعلق

Marfat.com

ہوتا ہے کہ درحقیقت اصحاب مال کے کام میں وہ مصروف ہے، یعنی ان کی زکوٰۃ سلطان یا امیر تک لے جاتا ہے، اس لئے ان کے اموال میں اس کی کفایت متعلق ہوتی ہے، اس کی عمالہ کو اجرت قرار نہیں دے سکتے، اس لئے کہ عمالہ مجہول ہے، کیوں کہ عامل اور اس کے اعوان کے لئے کفایت کی مقدار متعین نہیں ہے، امام شافعیؒ کے یہاں بھی اس کو اجرت قرار نہیں دے سکتے، اس لئے کہ عامل کا عمل مجہول ہے، وہ کس قدر صدقات لائے گا معلوم نہیں، اس لئے اجرت نا معلوم ہو جائے گی، اور اجارہ میں بدلین میں سے کسی کی بھی جہالت اجارہ کے جواز کے لئے مانع ہے، تو پھر یہاں تو دونوں بدل مجہول ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ سفیر مدرسہ نہ سلطان کی طرف سے ساعی ہے کہ اس پر ذمہ داری ہے، خود کو تحصیل زکوٰۃ کے لئے فارغ رکھنے کی، نہ مدرسہ تحصیل زکوٰۃ کا حق لازم رکھتا ہے، نہ معطین پر مدرسہ میں دینا واجب ہے، سفیر کی حیثیت محض اجیر کی ہے، عامل کی حیثیت اجیر کی نہیں ہے، اس لئے سفیر عامل کے حکم میں نہیں ہے، ہاشمی کو عمالۃ سے ممانعت ہے، عمالہ اگر اجرت ہوتی تو ہاشمی کو ممانعت نہ ہوتی۔

Marfat.com

اسلام کا نظام زکوۃ اور موجود معاشی مسائل کا حل

مفتی نسیم احمد قاسمی ☆

زکوۃ اسلام کا تیسرا اہم ترین مالی فریضہ ہے جس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اسلام کا نظام زکوۃ اجتماعی عدل اور تضامن وتکافل کا بہترین آئینہ دار ہے، اس کے اندر معاشرہ کے تمام معاشی اور اقتصادی مسائل ومشکلات کا حل موجود ہے، اسلام کے نظام زکوۃ کے نفاذ اور قیام کے ذریعہ ایک ایسے پاکیزہ اور صاف ستھرے معاشرہ کی تشکیل کی جاسکتی ہے جس میں امیر اور غریب، حاکم اور محکوم، صنعت کار اور مزدور ہر طبقہ کے لوگ ایک دوسرے سے سیر شکر ہوکر اعتماد باہمی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں، نہ امیر غریب سے نالاں ہو اور نہ غریب امیر سے شاکی، اسلام کے نظام زکوۃ کے ذریعہ دولت وثروت کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہے اور دولت وثروت سے ایک خاص طبقہ کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوتا ہے، اس میں نہ تو فقراء ومساکین کا استحصال ہوتا ہے اور نہ ہی امراء اور اہل ثروت پر ظلم، آج دنیا کا جو معاشی ڈھانچہ اپنا توازن کھو بیٹھا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس نظام میں ہر طبقہ کے حقوق کی یکساں طور پر رعایت نہیں کی گئی ہے، آج کے موجودہ نازک حالات میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام کا ''اجتماعی نظام زکوۃ'' قائم کیا جائے، زکوۃ مالداروں سے اجتماعی طریقے پر وصول کی جائے اور اس کے صحیح مصارف پر خرچ کی جائے، اس کیلئے ایک مضبوط اور منظم نظام قائم کیا جائے تاکہ زکوۃ کی

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

Marfat.com

رقم کا استعمال صحیح طریقے سے ہو سکے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی جو ''اسلامک بینکنگ'' پر قابل قدر کام کر چکی ہے، اسے اس طرف بھی پیش قدمی کرنی چاہئے اور اسلام کے اجتماعی نظام زکوۃ کے قیام کی راہ میں جو دشواریاں اور مشکلات حائل ہیں ان کے حل کیلئے علماء، ماہرین فقہ وفتاوی اور قانون دانوں کی مدد لے کر اس کا ایک عملی خاکہ امت کے سامنے پیش کرنی چاہئے تاکہ امت کو اسکی خوبیوں سے بہرہ ور ہونے کا زریں موقع مل سکے۔ اسلام کے اجتماعی نظام زکوۃ میں وہ تمام خوبیاں اور محاسن موجود ہیں جنہیں لوگ انشورنس اور اس طرح کے دیگر نظاموں میں تلاش کرتے ہیں۔

وجوب زکوۃ کی وہ شرطیں جن کا تعلق محل زکوۃ (اموال) سے ہے

پہلی شرط - ملک تام

شریعت اسلامی نے وجوب زکوۃ کے لئے ''ملک تام'' کو بنیادی شرط قرار دیا ہے اور صرف انہیں اموال میں زکوۃ واجب کی گئی جن پر انسان کو ''ملک تام'' حاصل ہو، وہ اموال جن پر انسان کو ملک تام حاصل نہیں ہوتی ہے ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، ملک تام کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس چیز پر مالکانہ حقوق بھی حاصل ہوں اور وہ چیز اس کے قبضہ وتصرف میں بھی ہو، اگر اس پر ملکیت حاصل نہ ہو صرف قبضہ ہو تو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے مال مکاتب، کہ اس پر اگر چہ مکاتب کو قبضہ حاصل ہوتا ہے، مگر وہ درحقیقت اس کے مولی کی ملکیت ہے، اس لئے مکاتب پر اس کے مال کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اور اگر ملکیت حاصل ہو مگر قبضہ نہ ہو تو بھی اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے مہر کی رقم قبضہ سے پہلے کہ عورت اس کی مالک تو ہوتی ہے، مگر اس پر قبضہ نہیں ہوتا، اس لئے اس کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہوتی، اسی طرح مال ضمار پر بھی ملکیت حاصل ہوتی ہے، مگر قبضہ نہیں ہوتا اس لئے اس کی زکوۃ قبضہ سے پہلے واجب نہیں ہوتی۔

ملک تام کا وجوب زکوۃ کے لئے شرط ہونا قرآن کریم کی آیت: ''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ

Marfat.com

صَدَقَةً" (سورہ توبہ:۱۰۳) "وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ" (سورہ ذاریات:۱۹) اور حدیث رسول: "إن الله فرض عليهم في أموالهم" سے ثابت ہے۔

ملک تام کے شرط ہونے کی حکمت

ملک تام کے وجوب زکوۃ کی شرط ہونے کی حکمت ذکر کرتے ہوئے یوسف القرضاوی نے لکھا ہے:

"اس شرط کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ ملکیت اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ یہ نہ صرف حریت، بلکہ انسانیت کا ثمرہ ہے، حیوان کو کسی چیز پر مالکانہ اختیارات اور حقوق حاصل نہیں ہوتے، یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ مالکانہ حقوق رکھتا ہے، ملکیت تملک کے فطری جذبہ کی تسکین کا سامان کرنے کے علاوہ انسان میں سیادت وقوت کا احساس بھی پیدا کرتی ہے، اور ملکیت تامہ انسان کو یہ اختیار عطا کرتی ہے کہ وہ اپنے مملوکہ مال سے فائدہ حاصل کرے اور اس کے اضافہ اور نشو ونما کا سامان کرے نیز بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ اس کو نفع بخش کاموں میں لگائے، ایسی عظیم نعمت کے حصول پر اللہ تعالی کا شکر واجب ہے، اس لئے اگر اسلام نے اس کے مالک سے زکوۃ کی ادائیگی اور مال کا حق ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہے تو یہاں باعث تعجب نہیں ہے" (فقہ الزکاۃ ۱/۱۳۱)۔

ملک تام سے کیا مراد ہے

ملک تام ایک فقہی اصطلاح ہے، فقہاء کرام ملک تام اور ملک مطلق کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں، ملک تام سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز پر انسان کو مالکانہ حقوق بھی حاصل ہوں اور اس شئ پر اس کا قبضہ بھی ہو، اس کی تعبیر فقہائے کرام "هو المملوک رقبةً ويداً" سے کرتے ہیں، یعنی وہ شئ رقبہ (ذات) اور ید (قبضہ) دونوں لحاظ سے مملوک ہو، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام

Marfat.com

ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن شیبانی کے نزدیک ملک تام سے ملکیت اور قبضہ مراد ہے، اور جب کسی چیز پر انسان کو ملکیت اور قبضہ دونوں حاصل ہوگا، تب اس کی زکوۃ واجب ہوگی، امام زفر بن الہذیل کے نزدیک وجوب زکوۃ کے لئے قبضہ ضروری نہیں ہے، حضرت امام شافعی بھی وجوب زکوۃ کے لئے قبضہ کو ضروری قرار نہیں دیتے ہیں، ان دونوں حضرات کے نزدیک مال ضمار میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

علامہ کاسانی نے اموال سے متعلق شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وجوب زکوۃ کی ایک شرط ملک مطلق ہے، ملک مطلق سے مراد یہ ہے کہ اس شیٔ پر انسان کو ملکیت بھی حاصل ہو اور قبضہ بھی، یعنی باعتبار رقبہ و ید وہ مملوک ہو، یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، امام زفرؒ کے نزدیک قبضہ شرط نہیں ہے، امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے، پس ہمارے نزدیک مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور ان دونوں حضرات کے نزدیک واجب ہوگی'' (بدائع ۹/۲)۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

''هو المملوک رقبة ویداً (البحر الرائق ۲۰۳/۲)، یعنی ملک مطلق سے مراد رقبہ اور ید کے لحاظ سے مملوک ہونا ہے۔

شامی میں ہے:

''هو الملک یداً ورقبة'' (شامی ۲۵۹/۲) وہ رقبہ اور ید کے لحاظ سے مملوک ہونا ہے۔

''الفقه علی المذاهب الأربعة'' میں ہے:

''حنفیہ کے نزدیک ملک تام سے مراد یہ ہے کہ مال قبضہ کے لحاظ سے مملوک ہو، پس اگر کسی چیز پر ملکیت حاصل ہو، مگر اس پر قبضہ نہ ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے قبضہ سے

Marfat.com

پہلے عورت کا مہر، ایسی چیز جس پر قبضہ ہو، مگر ملکیت حاصل نہ ہو، اس کی زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی، مالکیہ کے نزدیک ملک تام سے مراد یہ ہے کہ مالک کو اپنی مملوکہ اشیاء میں تصرف کا اختیار حاصل ہو، پس غلام کی تمام اقسام پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ غلام کو کسی بھی صورت میں مال پر ''ملک تام'' حاصل نہیں ہوتی ہے، شافعیہ کے نزدیک ملک تام کی قید سے غلام اور مکاتب کو نکالنا مقصود ہے کہ غلام کو سرے سے ملکیت ہی حاصل نہیں ہوتی ہے اور مکاتب کو ناقص ملکیت حاصل ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۵۹۲)۔

علامہ کاسانی کی صراحت کے مطابق شافعیہ کے نزدیک ملک تام کی تعریف میں قبضہ شامل نہیں ہے، حنابلہ کے نزدیک ملک تام سے مراد یہ ہے کہ مالک کو اس مال پر قبضہ حاصل ہو، اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو اور اس میں اسے حسب منشاء تصرفات کا اختیار حاصل ہو، اور اس کے فوائد اسی کی طرف لوٹتے ہوں، لہذا مال مکاتب پر ان کے نزدیک بھی وجوب زکوۃ نہیں ہوگا (بدائع ۲/ ۹)۔

ملک تام کے ذیل میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- مال تجارت پر قبضہ سے پہلے زکوۃ

وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی حصولیابی نہیں ہوسکی اور وہ مال خریدار کے قبضہ میں نہیں آیا، تو سوال یہ ہے کہ اس مال کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ مشتری پر جس نے اس کی پیشگی قیمت ادا کردی، مگر مال اس کے قبضہ میں نہیں آیا، یا اس کی زکوۃ بائع پر واجب ہوگی جس نے اسکی قیمت تو وصول کرلی مگر سامان ابھی بھی اسی کے پاس ہے۔

بائع پر اس کی زکوۃ اس وجہ سے واجب نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اسے فروخت کرچکا ہے اور اس کی قیمت پر بھی قبضہ کرچکا ہے، اس لئے وہ مال اس کی ملکیت سے نکل چکا، پس ملکیت نہیں

Marfat.com

پائی گئی اور وجوب زکوۃ کے لئے ملکیت بنیادی شرط ہے، اب رہا یہ سوال کہ خریدار پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر چند سالوں کے بعد وہ سامان اس کے قبضہ میں آیا تو گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس پر واجب ہوگی یا نہیں؟۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے دو اقوال ملتے ہیں:

۱- پہلا قول یہ ہے کہ سامان تجارت قبضہ سے پہلے نصاب شرعی نہیں بنے گا اور اس کی زکوۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی، اکثر مشائخ عراق کا یہی قول ہے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بھی وہ نصاب شرعی ہو جائے گا، اور اس کی زکوۃ خریدار پر واجب ہوگی، بعض مشائخ کا اسی طرف رجحان ہے، ''فتاوی تا تارخانیہ'' میں ہے:

''یعنی خریدی ہوئی چیز جس پر قبضہ نہ ہوا ہو، مشائخ عراق کہتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے تمام ہی فقہاء کے نزدیک وہ نصاب شرعی نہیں ہوگی، دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو ثمن میں ہے، بعض مشائخ کہتے ہیں کہ مبیع قبضہ سے پہلے بھی بالاتفاق نصاب ہے''

(تا تارخانیہ ۲/ ۳۰۳)۔

علامہ حصکفی صاحب ''درمختار'' نے عدم وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ ''ملک تام'' پر بحث کے ذیل میں لکھا ہے:

''ولا فیما اشتراہ لتجارۃ قبل قبضہ'' اور مبیع قبل القبض میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

شامی نے اس عبارت کے تحت لکھا ہے کہ قبضہ سے پہلے تو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی لیکن قبضہ کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوۃ اس پر واجب ہوگی۔

''فیزکیہ ما مضی'' (شامی ۲/ ۲۶۳) اور قبضہ کے بعد تمام ہی سالوں کی زکوۃ دینی پڑے گی۔

Marfat.com

قاضی خان نے سامان تجارت پر قبضہ سے پہلے زکوۃ کے عدم وجوب کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب قرار نہیں دی ہے، ان کے نزدیک قبضہ کے بعد جب اس سامان پر حولان حول ہو جائے گا، تب اس کی زکوۃ واجب ہوگی فتاوی قاضی خان میں ہے:

''ایک شخص کے پاس سائمہ بکری تھی اس سے دوسرے شخص نے بکری خریدی مگر اس پر قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس پر ایک سال گزر گیا پھر اس پر قبضہ کیا، تو مشتری پر گزشتہ سال کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور قبضہ کے بعد جب سال پورا ہوگا تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ وہ بکری اپنے بائع کے پاس ثمن کے عوض مضمون تھی''۔

علامہ ابن نجیم نے بھی قبضہ سے پہلے مشتری پر زکوۃ کے عدم وجوب کے قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ ''ملک تام'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فلا یجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض''۔

قبضہ کی حقیقت

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر غور کرلیا جائے کہ شرعاً قبضہ اور تسلیم کی حقیقت کیا ہے اور قبضہ کا اصل مقصد کیا ہے، تاکہ اس بات کا فیصلہ آسان ہو جائے کہ وہ سامان تجارت جس کی پیشگی قیمت ادا کی جا چکی اور وہ ابھی مشتری کے پاس نہیں آیا تو اس پر مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا یا نہیں؟۔

فقیہ طاہر بن عبد الرشید نے ''خلاصۃ الفتاوی'' کے ''کتاب البیوع'' میں ایک باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے ''فیما یکون قبضا وفیما لا یکون'' یعنی کسے قبضہ قرار دیا جائے گا اور کسے نہیں، اس باب کے ذیل میں انہوں نے قبضہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''تجرید میں مبیع پر قبضہ کے باب میں لکھا ہے کہ مبیع پر قبضہ اور اس کی سپردگی یہ ہے کہ

15/6

Marfat.com

بائع مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح سے تخلیہ کردے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے مشتری کے لئے اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو اور اسی طرح ثمن کی سپردگی سمجھی جائے گی، اجناس میں ہے کہ سپردگی کے لئے تین چیزیں معتبر ہیں: (۱) بائع مشتری سے کہے کہ میں نے مبیع اور تمہارے درمیان تخلیہ کردیا ہے، (۲) مبیع مشتری کے پاس اس طرح ہو کہ اگر اس میں وہ کوئی تصرف کرنا چاہے تو بلا کسی رکاوٹ کے کرسکے۔ (۳) مبیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا، پس اس پر قبضہ کرلو...... اگر کسی نے گیہوں خریدا اور وہ گیہوں کسی مکان میں ہے، بائع نے اس گھر کی تالی مشتری کو دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہارے اور اس کے درمیان تخلیہ کردیا ہے، تو اسے قبضہ سمجھا جائے گا'' (خلاصۃ الفتاوی ۳/۸۹)۔

محقق ابن الہمام نے قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قبضہ اور مبیع کی سپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری اور مبیع کے درمیان اس طرح تخلیہ کردیا جائے کہ مشتری کے لئے بغیر کسی رکاوٹ کے اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو اور یہی مفہوم ثمن کی سپردگی کا ہے...... اور وبری سے منقول ہے کہ اگر کسی مکان میں خریدے گئے سامان تجارت کے ساتھ بائع کے سامان کے علاوہ کسی دوسرے کا سامان ہو تو وہ قبضہ کے حق میں مانع ہوگا، پس اگر اسے سامان پر قبضہ کی اجازت دے دی جائے تو قبضہ صحیح ہوجائے گا، اور سامان بائع کے پاس بحکم ودیعت ہوگا...... کپڑے میں قبضہ کی صورت یہ ہے کہ مشتری اسے اپنے ہاتھ میں لے لے یا اگر کپڑا زمین پر رکھا ہو اور بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے تمہارے اور کپڑے کے درمیان تخلیہ کردیا ہے، پس اس پر قبضہ کرلو، اور مشتری نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے قبضہ کرلیا تو شرعاً اسے قبضہ قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی مکان میں رکھے ہوئے گندم کو خریدا گیا اور بائع نے مشتری کو اس مکان کی تالی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہارے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو شرعاً یہ قبضہ

Marfat.com

قرار پائے گا'' (فتح القدیر ۵/۴۹۶)۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

''اگر بائع نے مشتری سے مبیع کے مکمل ہونے کے بعد کہا کہ ''لے لو'' تو یہ قبضہ نہیں ہوگا اور اگر مبیع کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''اسے لے لو'' پس اگر مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کرنا ممکن ہو تو یہ تخلیہ اور قبضہ ہوگا''۔

آگے چند سطروں کے بعد لکھا ہے:

''مبیع پر قبضہ اور اس کی سپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح سے تخلیہ کر دیا جائے کہ اگر مشتری اس پر قبضہ کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ اور مانع پیش نہ آئے'' (البحر الرائق ۵/۳۰۷-۳۰۸)۔

علامہ حصکفی نے قبضہ کی حقیقت یہ بیان کی ہے:

''پھر قبضہ اور مبیع کی سپردگی ایسے تخلیہ سے عمل میں آئے گی جس میں مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کرنا بغیر کسی رکاوٹ کے ممکن ہو''۔

علامہ شامی نے صراحت کی ہے کہ تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے، بشرطیکہ تخلیہ کے بعد مبیع پر بغیر کسی دشواری کے قبضہ ممکن ہو۔ ''فتح القدیر'' میں ہے:

''اور ملک تام کی قید سے مبیع قبل القبض نکل جاتے ہے۔ اگر اس پر بائع ہی کے پاس حولان حول ہو جائے، اور اس دوران مشتری کو اس پر ملک تصرف حاصل نہ ہو تو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، واضح رہے کہ کمال ملک کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہو'' (فتح القدیر ۲/۱۱۳)۔

ان عبارات فقہیہ کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء نے ''تخلیہ'' کو بھی حکماً ''قبضہ'' تسلیم کیا ہے ا.ر سامان تجارت پر قبضہ اور اس کی سپردگی کے لئے یہ بات کافی قرار دی گئی ہے کہ سامان تجارت

Marfat.com

اور خریدار کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دیا جائے کہ اگر خریدار سامان پر قبضہ کرنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے، لہذا ان تفصیلات کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے:

''وہ سامان تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کر دی گئی اور ابھی سامان تجارت بائع ہی کے پاس ہے۔اس سامان کا مشتری شرعاً اور عرفاً مالک بن چکا ہے، اور اسے سامان پر حکماً قبضہ بھی حاصل ہے، قبضہ کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کے خریدے ہوئے مال میں خریدار کو ہر طرح کے تصرفات کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اسے اس پر مالکانہ حقوق بھی حاصل ہوتے ہیں اس میں وہ جو چاہے تصرف کر سکتا ہے، بائع کی طرف سے کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے کیونکہ ثمن کی وصولیابی کے وقت ہی بائع سامان اور خریدار کے درمیان تخلیہ کر دیتا ہے، لہذا اس مال تجارت کی زکوۃ خریدار کے پاس آئے تو اسے گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی'' (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۰۳-۲۰۴)۔

پیشگی ادا کی ہوئی قیمت کی زکوۃ

پیشگی ادا کی ہوئی قیمت کی زکوۃ بائع پر واجب ہوگی یا مشتری پر، اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ پیشگی ادا کی ہوئی قیمت چونکہ مشتری کی ملکیت سے نکل چکی ہے، اور اس پر مشتری کو نہ تو ملکیت حاصل ہے اور نہ قبضہ، اس لئے اس کی زکوۃ مشتری پر واجب نہیں ہوگی، البتہ بائع کو اس قیمت پر ''ملک تام'' حاصل ہے اس کی زکوۃ اس پر واجب ہوگی، (دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۰۹)۔

''ایک شخص نے بہ نیت تجارت ایک غلام خریدا جس کی قیمت دو سو درہم کے مساوی ہے، اس نے ثمن کی ادائیگی کر دی اور غلام پر قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس پر ایک سال گزر گیا، اور اس دوران غلام مر گیا تو بائع پر دو سو درہم کی زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ غلام کی قیمت پر اسے ملکیت حاصل ہو چکی تھی، اور اس پر حولان حول بھی ہو گیا، مشتری پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی،

Marfat.com

کیونکہ ثمن اس کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملک میں داخل ہوگیا، پس پورے ایک سال تک ثمن پر مشتری کی ملکیت نہیں رہی، اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی"۔

کرایہ کی پیشگی رقم اور ڈپوزٹ پر زکوۃ

کرائے کی مد میں دی جانے والی پیشگی رقم "اجرت معجلہ" ہے، جس کا مالک، مالک مکان ہے، اس رقم پر اسے "ملک تام" حاصل ہے، اس لئے اس کی زکوۃ مالک مکان پر واجب ہوگی، "ذكر الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل البخاری فی الإجارة الطويلة التی تعارفها أهل بخاری أن الزكوة فی الأجرة المعجلة تجب علی الأجر؛ لأنه ملكه قبل الفسخ" (دیکھئے: بدائع ۲/۶)۔

(امام ابوبکر محمد بن الفضل البخاری نے اجارہ طویلہ جس کا اہل بخاریٰ کے مابین عام رواج ہے، کے بارے میں لکھا ہے کہ اجرت معجلہ میں آجر، یعنی مالک پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ اجارہ کے فسخ ہونے سے پہلے تک وہ اس کا مالک ہے)۔

"فتاوی قاضی خان" میں ہے:

"اجارہ مرسومہ جس کا بخاری میں رواج ہے، اگر اس میں پیشگی رقم ادا کر دی گئی اور مال چند سالوں تک آجر، یعنی مالک مکان کے پاس ہی رہا، تو شیخ ابوبکر محمد بن الفضل سے منقول ہے کہ اگر اجرت دراہم ودنانیر کے قبیل سے ہو تو اس کی زکوۃ آجر پر واجب ہوگی، اس لئے کہ قبضہ کے ذریعہ وہ پیشگی رقم کا مالک ہو چکا ہے، اور اجارہ کے فسخ ہونے کی صورت میں اس پر عین مقبوض کی واپسی ضروری نہیں ہوگی، بلکہ اس کے علاوہ دوسرے دراہم ودنانیر کی واپسی کافی ہوگی، تو گویا کہ یہ اس دین کے مثل ہوا جو حولان حول کے بعد لازم ہوا ہو" (فتاوی قاضی خان ۱/۱۱۹)۔

امام نووی شافعی نے لکھا ہے:

"اگر آجر کے پاس ہی کرایہ پر لگایا ہوا مکان ہو اور کرایہ دار نے ابھی اس مکان سے

Marfat.com

فائدہ نہ اٹھایا ہو اور کرایہ کی رقم پر سال مکمل ہو گیا ہو تو اس کی زکوۃ آجر پر واجب ہوگی، اس لئے کہ آجر کو اس پر ملکیت تامہ حاصل ہے" (المجموع ۲؍۲۳)۔

محقق ابن الہمام کا بیان ہے:

"طویل اجارہ جس کا معاملہ بعض لوگ کرتے ہیں، اور ہر ماہ کے شروع میں تین دن کے لئے خیار شرط لگاتے ہیں، اگر اس میں چند سالوں کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا جائے تو اس کی زکوۃ آجر (مالک مکان) پر واجب ہوگی، کیونکہ قبضہ کے ذریعہ آجر اس کا مالک ہو چکا ہے اور اجارہ کے فسخ ہونے کی صورت میں اس پر بعینہ اسی رقم کی واپسی ضروری نہیں ہوگی، بلکہ اس کی مقدار کا لوٹانا کافی ہوگا، پس سمجھا جائے گا کہ یہ وہ دین ہے جو حولان حول کے بعد اس کے ذمہ میں آیا ہے" (فتح القدیر ۲؍۱۲۱)۔

صاحب "خلاصۃ الفتاوی" نے بھی اجرت معجلہ کی زکوۃ آجر پر واجب قرار دی ہے، مگر لکھا ہے کہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں یعنی آجر اور مستأجر اس کی زکوۃ ادا کریں۔

مگر یہاں پر محل غور وفکر پیشگی ادا کی جانے والی کرایے کی رقم نہیں ہے، بلکہ وہ رقم ہے جسے کرایہ دار ضمانت اور ڈپوزٹ کے طور پر ادا کرتا ہے، بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں مکان، دوکان کرایہ پر لیتے وقت کرایہ کی متعینہ رقم کے علاوہ ایک بڑی رقم ڈپوزٹ، ضمانت، پگڑی کے نام پر کرایہ دار کو ادا کرنی پڑتی ہے، یہ رقم کرایہ دار کو درمیان میں لینے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے، بلکہ جب وہ مکان، دوکان خالی کرے گا یا اجارہ کا معاملہ ختم کیا جائے گا تو اسے یہ رقم واپس ملے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ضمانت یا ڈپوزٹ کے طور پر دی جانے والی رقم کا شرعی حکم کیا ہوگا، اور اس کی زکوۃ کرایہ دار پر واجب ہوگی یا مالک مکان پر جس کے قبضہ میں وہ رقم ہے، یہ بات تو متحقق ہے کہ مالک مکان کو اس رقم پر ملکیت حاصل نہیں ہے، صرف اس پر اس کا قبضہ ہے،

Marfat.com

اور وجوب زکوۃ کے لئے ''ملک تام'' ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہونی چاہئے، اب رہا یہ سوال کہ کرایہ دار جو اس رقم کا اصل مالک ہے اس پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس رقم کی اصل حیثیت پر غور کیا جائے کہ شرعاً اس رقم کی حیثیت کیا ہے، اس رقم کے بارے میں چند احتمالات ہو سکتے ہیں:

۱- اسے قرض قرار دیا جائے، مگر قرض ہونے کے احتمال کو عرف وتعامل رد کرتے ہیں، کیونکہ قرض کی صورت میں شرعاً قرض دہندہ کو اس کو اختیار رہتا ہے کہ جب وہ چاہے قرض میں دی ہوئی رقم کا مطالبہ کرے، مگر ڈپوزٹ کی رقم کو اجارہ کے ختم ہونے یا فسخ ہونے سے پہلے واپس لینے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، اس لئے ہم اسے قرض قرار نہیں دے سکتے۔

۲- دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس رقم کو ''امانت اور ودیعت'' قرار دیا جائے، مگر یہ احتمال بھی اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ ''امانت اور ودیعت'' کی صورت میں اگر سامان مودع کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوتا ہے، اور ڈپوزٹ کی رقم ہر حال میں واجب الرد ہوتی ہے، اس لئے اسے امانت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۳- ایک احتمال یہ ہے کہ اسے ''عاریت'' قرار دیا جائے، مگر یہ احتمال بھی اس بناء پر درست نہیں ہے کہ عاریت کی صورت میں بھی مالک کو اپنی چیز واپس لینے کا ہر وقت اختیار رہتا ہے، نیز عاریت حکم میں ودیعت کے ہوتی ہے، اور ڈپوزٹ کی رقم کو نہ تو ہر وقت واپس لینے کا اختیار رہتا ہے اور نہ ہی ہلاک ہونے کی صورت میں مالک مکان بری الذمہ ہوتا ہے، اس لئے یہ احتمال بھی درست نہیں ہے۔

۴- ایک احتمال یہ ہے کہ اس رقم کو ''رہن'' قرار دیا جائے، یہ احتمال درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ رہن رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دائن کی رقم مدیون کے پاس محفوظ رہے، ڈوبنے نہ پائے، اگر خدانخواستہ مدیون دین کی رقم لے کر فرار ہو جائے، یا اس سے انکاری ہو جائے تو دائن

Marfat.com

رہن سے اپنا دین وصول کر سکے، ڈپوزٹ اور ضمانت کی رقم کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ اگر کرایہ دار درمیان میں کرایہ ادا کئے بغیر مکان خالی کر کے فرار ہو جائے یا مکان میں اپنی طرف سے تغیر وتبدیلی کر دے تو مالک ڈپوزٹ کی رقم سے اپنی واجب الاداء رقم وصول کرے، اور نقصان کی صورت میں نقصان کی تلافی کر سکے، نیز جس طرح رہن میں جب تک ''دین'' ادا نہیں کیا جاتا ہے اس وقت تک مال رہن کی واپسی نہیں ہوتی ہے، اسی طرح ڈپوزٹ کی صورت میں بھی جب تک مکان، دکان خالی نہ کر دی جائے یا مدت اجارہ ختم نہ ہو جائے، اس رقم کی واپسی نہیں ہوتی، اس لئے میرے نزدیک اس رقم کی حیثیت مال رہن کی ہے، اور رہن کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس کی زکوۃ نہ تو راہن پر واجب ہوگی اور نہ ہی مرتہن پر، راہن پر زکوۃ واجب نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ اگر چہ اسے مال رہن پر ملکیت حاصل ہے، مگر اس پر اس کا قبضہ نہیں ہے، اور وجوب زکوۃ کیلئے ''ملک تام'' ملک رقبہ اور ید ضروری ہے جو یہاں پر مفقود ہے، اس لئے راہن پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، راہن پر اس کی زکوۃ واجب نہ ہونے کی دوسری علت یہ ہے کہ وہ رقم اس کی ضروریات میں مشغول ہے، رہائشی مکانات تو ظاہر ہے کہ اس کی بنیادی ضرورت ہے اور وجوب زکوۃ کیلئے مال کا ضروریات اصلیہ سے فارغ ہونا ضروری ہے، اور مرتہن پر عدم وجوب کی علت یہ ہے کہ مرتہن کو مال رہن پر ''ملکیت'' حاصل نہیں ہوتی ہے، اگر اس پر اسے قبضہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس کے حق میں بھی ''ملک تام'' کا تحقق نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، علامہ حصکفی نے لکھا ہے: ''ولا فی مرھون بعد قبضہ'' (شامی ۲ر ۲۶۳) اور مال رہن پر قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

علامہ شامی نے ''درمختار'' کے قول ''ولا فی مرھون بعد قبضہ'' کے تحت لکھا ہے:

''مال مرہون کی زکوۃ مرتہن پر اس لئے واجب نہیں ہوگی کہ اسے صرف قبضہ حاصل ہوتا ہے، ملک رقبہ حاصل نہیں ہوتا ہے، اور راہن پر اس کی زکوۃ اس لئے واجب نہیں ہوگی کہ مال

Marfat.com

مرہون پر اسے قبضہ حاصل نہیں ہوتا ہے، اور جب مال مرہون واپس کیا جائے گا تو راہن پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی'' (شامی ۲؍۲۶۳)۔

اس لئے اس سلسلہ میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ:

''وہ رقم جو بطور پیشگی (Advance) مالک مکان یا دوکان کو دی جاتی ہے، اس کی حیثیت مال رہن کی ہے، لہذا اس کی زکوۃ نہ تو کرایہ دار پر واجب ہوگی اور نہ مالک مکان پر، کیونکہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی اس رقم پر ''ملک تام'' حاصل نہیں ہوتا ہے''۔

مدارس اور اداروں کی رقوم پر زکوۃ

وجوب زکوۃ کے لئے شرعاً مال پر ''ملک تام'' حاصل ہونا ضروری ہے، لہذا وہ سارے اموال جن کا کوئی متعین فرد نہ ہو ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مدارس اور اداروں میں جو رقوم جمع ہوتی ہیں، ان کا مالک بھی کوئی متعین فرد نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان رقوم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، علامہ شامی نے درمختار کے قول ''ملک نصاب'' کے تحت لکھا ہے:

''فلا زکوۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک'' (شامی ۲؍۲۵۹)۔

پس وقف کے سائمہ جانور اور گھوڑے میں ملکیت کے فقدان کی وجہ سے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

''فمنها الملک فلا تجب الزکوۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک وهذا؛ لأن فی الزکوۃ تملیکا، والتملیک فی غیر الملک لا یتصور'' (بدائع الصنائع ۲؍۹)۔

Marfat.com

(وجوب زکوۃ کی ایک شرط ملک تام ہے، لہذا وقف کے مویشی اور گھوڑوں میں عدم ملک کی وجہ سے زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اور اس لئے کہ زکوۃ میں تملیک ہوتی ہے اور ملک غیر میں تملیک کا تصور نہیں کیا جاسکتا)۔

"الفقه على المذاهب الأربعة" میں ہے:

"ولا زكوة في المال الموقوف لعدم الملك فيه" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۵۹۲)۔

"الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں ہے:

"فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل الموقوفة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۴۱)۔

حضرت امام شافعی کا بھی یہی مشہور قول ہے کہ وقف اور مدارس کے اموال میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، المجموع میں ہے:

"اس باغ کے پھل اور زمین کے غلہ پر جو جہت عامہ پر وقف ہو، جیسے مدارس، مساجد، فقراء، مجاہدین وغیرہ، زکوۃ واجب نہیں ہوگی، امام شافعی کا یہی مشہور قول ہے، اور شوافع کے نزدیک اسی قول پر عمل ہوتا ہے" (المجموع ۵/ ۵۷۵)۔

فقہ حنبلی کے مطابق بھی مدارس اور اداروں کے اموال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، الفروع میں ہے:

"ولا زكاة في وقف على غير معين أو على المساجد والمدارس والربط ونحوها" (کتاب الفروع لابن مفلح ۲/ ۳۶)۔

مال حرام پر زکوۃ کا حکم

کسی شخص کے پاس مال حرام کے جمع ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

Marfat.com

الف-اس شخص کے پاس سارا مال حرام ہی ہو، جو اس نے ناجائز اور حرام ذرائع سے حاصل کر کے جمع کر رکھا ہو، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا حلال وطیب مال نہ ہو، اس صورت میں اس شخص کو مال حرام پر ملکیت حاصل نہیں ہے، بلکہ سارا ہی مال ناپاک اور خبیث ہونے کی بناء پر واجب التصدق ہے، یا اگر جن لوگوں سے ناجائز طور پر مال حاصل کیا گیا تھا وہ معلوم ومتعین ہیں تو ان تک اس مال کی واپسی لازم اور ضروری ہے، اس صورت میں چونکہ سارے ہی مال کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا، یا اگر مالک موجود ہو تو اس کو واپس کرنا واجب ہے یا واجب الرد ہے، اس لئے اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ مال خبیث پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے اور وجوب زکوۃ کے لئے ملکیت اور قبضہ ضروری ہے، شامی میں ہے:

"لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكاة، لأن الكل واجب التصدق فلا يفيد ايجاب التصدق بعضه" (شامی ۲/۲۵)۔

(اگر کسی شخص کے پاس مال خبیث بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ پوری رقم واجب التصدق ہے، پس صرف زکوۃ کی مقدار صدقہ کو واجب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا)۔

"کتاب البیوع" میں شامی نے مال حرام کا حکم ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه" (سابق حوالہ ۴/۱۸۰)۔

(حاصل یہ ہے کہ اگر ارباب اموال معلوم ہوں تو ان تک مال کا لوٹانا واجب ہوگا، ورنہ اگر عین حرام کا علم ہو تو وہ رقم اس کے لئے حلال نہیں ہوگی اور صاحب مال کی نیت سے اس کا تصدق ضروری ہوگا)۔

"بحر الرائق" میں ہے:

Marfat.com

"ملكه ملكا خبيثا فسبيله التصدق به" (البحرالرائق ۲/ ۲۳۶)۔

علامہ یوسف القرضاوی نے مال حرام پر زکوۃ کے عدم وجوب کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وجوب زکوۃ کے لئے ملکیت کی جو شرط لگائی گئی ہے، اس سے وہ مال خارج ہو جاتا ہے جسے ناپاک اور حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، جیسے غصب، چوری، رشوت، سود اور فریب دہی کے ذریعہ حاصل کئے گئے اموال...... صحیح بات یہ ہے کہ لوگ اس قسم کے اموال کے مالک نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ انہوں نے اپنے جائز مال کے ساتھ اسے اس طرح ملا لیا ہو کہ دونوں کو علیحدہ کرنا مشکل ہو، علماء کہتے ہیں کہ اگر مال خبیث بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مال کی ذمہ داری سے اپنے کو سبکدوش کردے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس کا حق دار معلوم ہو تو اس کو اس کا حق پہنچائے یا اس کے ورثہ کے حوالہ کرے بصورت دیگر فقراء پر صدقہ کردے، اور دریں صورت پورا مال صدقہ کرنا ضروری ہے، لہذا صرف اس کے ایک حصہ (یعنی زکوۃ کی حد تک) صدقہ کرنے کا حکم دینا مفید نہیں ہوگا" (فقہ الزکوۃ ۱/ ۱۳۳)۔

ب- دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے پاس مال حرام کے علاوہ کچھ حلال وطیب مال بھی ہو، اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی:

۱- مال حلال اور مال حرام علیحدہ علیحدہ ہوں، دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ممیّز ہوں تو اس صورت میں بھی مال حرام پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ مال حرام واجب التصدق ہوگا یا اصحاب اموال معلوم ہوں تو ان تک واپسی ضروری ہوگی۔

۲- مال حرام اور مال طیب کو اس طرح خلط ملط کردیا گیا ہو کہ دونوں کو علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس مال میں زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور

Marfat.com

صاحبین امام ابو یوسف، امام محمد کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دراہم ودنانیر (موجودہ دور میں کرنسی نوٹ بھی دراہم ودنانیر کے حکم میں ہیں) کا اس طرح خلط ملط کردینا کہ ان کے درمیان تمییز ممکن نہ ہو، استہلاک ہے، لہذا اس استہلاک کی وجہ سے وہ شخص پورے مال کا مالک بن جائے گا، البتہ مال حرام کی مقدار کا وہ ضامن قرار پائے گا، اور اس پورے مخلوط مال میں زکوۃ واجب ہوگی اور وراثت بھی جاری ہوگی۔

صاحب ''ولوالجیہ'' نے امام صاحب کے قول کو ارفق بالناس قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کے پاس صرف مال حلال وطیب ہوتا ہے، ورنہ عام طور پر لوگوں کے مال میں غصب وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے، علامہ ابن نجیم مصری نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ:

''اگرچہ امام صاحب کے قول کے مطابق ''خلط'' اور ''استہلاک'' کے ذریعہ وہ مال حرام کا مالک بن جائے گا، مگر وہ اس مقدار مال کا ضامن ہوگا تو گویا وہ مال مشغول بالدین ہوا، اور وجوب زکوۃ کے لئے مال کا دین سے فارغ ہونا ضروری ہے، لہذا امام صاحب کے قول کے مطابق بھی اس مال پر زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، اسی لئے مبتغی میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اصحاب اموال اسے بری کردیں تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ ابراء سے قبل وہ رقم مشغول بالدین ہوگی، یہ قید بہت مناسب ہے اس کا یاد رکھنا ضروری ہے'' (البحر الرائق ۲/۲۰۵)۔

فتاوی تاتارخانیہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ خلط کی صورت میں بھی امام صاحب کے قول کے مطابق صرف اس صورت میں زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ اس کے پاس مال مخلوط کے علاوہ دوسرا طیب وحلال مال بقدر نصاب موجود ہو، اگر دوسرا نصاب نہ ہو تو چاہے مال مخلوط جس مقدار میں بھی ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی ''ومن ملک أموالاً غیر طیبة أو غصب أموالاً وخلطها ملکها بالخلط ویصیر ضامناً، وإن لم یکن سواها نصاب فلا زکوة علیه فی تلک الأموال وإن بلغت نصاباً؛ لأنه مدیون ومال المدیون

Marfat.com

لاینعقد سبباً لوجوب الزکوۃ عندنا" (تاتارخانیہ ۲/۲۸۹)۔

اور "درمختار" میں ہے:

"وهـذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكوة عليه"۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے قول کے مطابق بھی صرف اس صورت میں مال مخلوط پر وجوب زکوۃ ہوگا جب کہ مال حرام کا مالک اسے بری الذمہ کردے، یا یہ شخص اس کے اصل مالک سے کچھ مال کے بدلے مصالحت کرلے تو اس صورت میں چونکہ اس مال کا خبث زائل ہوجائے گا، اس لئے اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

"لكن علمت أنه لا تجب زكاته إلا إذا استبرأ من صاحبه أو صالح عنه فيزول خبثه" (شامی ۲/۲۹۱)۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مال حرام کو مال حلال کے ساتھ مخلوط کردینے کی وجہ سے وجوب ضمان نہیں ہوتا ہے، اور چونکہ ضمان ہی کی فرع ملکیت ہے، اس لئے اس مال پر اسے ملکیت بھی حاصل نہیں ہوگی، لہذا اس مال پر نہ تو زکوۃ واجب ہوگی اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی، کیونکہ وہ مال مشترک ہے، لہذا اجتنا اس میں میت کا حصہ تھا صرف اسی میں وراثت جاری ہوگی۔

علامہ ابن نجیم مصری نے مال حرام پر وجوب زکوۃ کا حکم ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اور اسی بنیاد پر فقہا نے کہا ہے کہ اگر بادشاہ نے مال غصب کرلیا اور اسے اپنے مال کے ساتھ مخلوط کرلیا تو وہ مال اس کی ملک ہوجائے گا، اور حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اس مال پر زکوۃ بھی واجب ہوگی اور وراثت بھی جاری ہوگی، اس لئے کہ ان کے نزدیک اپنے دراہم کو دوسرے کے دراہم کے ساتھ مخلوط کردینا استہلاک ہے، لیکن صاحبین کے قول کی بنیاد پر وہ ضامن نہیں ہوگا، اور اس پر اسے ملکیت حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ ملکیت ضمان کی فرع ہے،

Marfat.com

لہذا اس مال میں وراثت بھی جاری نہیں ہوگی، کیونکہ وہ مال مشترک ہے، صرف میت کے حصہ میں وراثت جاری ہوگی، ''ولوالجیہ'' میں امام صاحب کے قول کو ''ارفق بالناس'' قرار دیا ہے، اس لئے کہ بہت کم مال غصب وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، فقہاء نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن امام صاحب کے قول کے مطابق زکوۃ کا وجوب مشکل ہے، اس لئے کہ اگر چہ خلط کے ذریعہ ملکیت حاصل ہو جائے گی لیکن وہ مال مشغول بالدین ہے، اور وجوب زکوۃ کے لئے مال کا دین سے فارغ ہونا ضروری ہے، پس مناسب یہ ہے کہ امام صاحب کے قول کے مطابق بھی وجوب زکوۃ نہیں ہونا چاہئے، اسی بنیاد پر مجتبیٰ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اصحاب اموال اسے بری کردیں، اس لئے کہ ابراء سے قبل وہ رقم مشغول بالدین ہوگی، یہ قید بہتر ہے اس کا یاد رکھنا ضروری ہے'' (البحر الرائق ۲؍۲۰۵)۔

علامہ ابن الہمام نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور اسی بنیاد پر فقہاء نے کہا کہ اگر سلطان نے کسی کا مال غصب کرلیا اور اسے اپنے مال کے ساتھ مخلوط کرلیا تو اس پر اسے ملکیت حاصل ہو جائے گی، حتی کہ اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی اور وراثت بھی جاری ہوگی، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک دوسرے کے دراہم کو اپنے دراہم کے ساتھ مخلوط کردینا استہلاک ہے، لیکن صاحبین کے قول کے مطابق یہ استہلاک نہیں ہے، اس لئے وہ اس مال کا ضامن نہیں ہوگا اور اس پر اسے ملکیت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ ملکیت ضمان کی فرع ہے اور نہ ہی اس پورے مال میں وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ وہ مال مشترک ہے پس صرف میت ہی کے حصہ میں وراثت جاری ہوگی''۔

علامہ حصکفی نے مال مخلوط پر زکوۃ کا حکم ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر سلطان نے مال مغصوب کو اپنے مال کے ساتھ مخلوط کردیا تو وہ اس کا مالک

Marfat.com

ہوجائے گا، اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ دوسرے کے مال کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کردینا کہ ان کے درمیان تمیز ممکن نہ ہو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک استہلاک ہے، امام صاحب کا قول ارفق بالناس ہے، اس لئے کہ بہت کم ہی مال ایسا ہوتا ہے جو غصب وغیرہ سے محفوظ ہوتا ہے اور زکوۃ کا وجوب اس صورت میں ہوگا، جبکہ اس کے پاس مال مخلوط کے علاوہ اتنا مال ہو جس سے وہ دین ادا کرسکے، ورنہ زکوۃ واجب نہیں ہوگی، شامی میں ہے: صاحبین کے قول کے مطابق وجوب ضمان نہیں ہوگا، لہذا ملکیت بھی ثابت نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ ضمان کی فرع ہے، اور نہ اس مال میں وراثت جاری ہوگی، کیونکہ وہ مال مشترک ہے، صرف میت کے حصہ میں وراثت جاری ہوگی'' (شامی ۲/۲۹۰-۲۹۱)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں مال حرام جو مخلوط ہو اس کے بارے میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے:

''اس مال پر حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کی بنیاد پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ مال حرام کو مال حلال کے ساتھ مخلوط کردینے کی وجہ سے بوجہ استہلاک اگرچہ اسے اس مال پر ملکیت حاصل ہوجائے گی، مگر چونکہ وہ اس مقدار کا ضامن ہوگا، اور اس پر واجب ہوگا کہ مال حرام کی جتنی مقدار اس نے اپنے مال کے ساتھ مخلوط کردیا ہے، اسے صاحب مال تک لوٹادے یا اگر صاحب مال کا علم نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردے''۔

اس طرح سے وہ رقم مشغول بالدین ہوئی، حالانکہ وجوب زکوۃ کے لئے مال کا دین سے فارغ ہونا ضروری ہے، البتہ اس مال پر وجوب زکوۃ کی یہ صورتیں ہیں:

الف- اس شخص کے پاس مال مخلوط کے علاوہ اتنا مال ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے ذمہ واجب دین کو ادا کردے تو بھی اس کے پاس بقدر نصاب مال رہ جائے، تو اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوگی، ''درمختار'' میں ہے:

Marfat.com

"وهـذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكوة" (شامی ۲/۲۹۱)۔

ب- جن لوگوں سے اس نے حرام طریقے سے حاصل کیا تھا وہ لوگ اپنی اپنی رقم سے اسے بری الذمہ کردیں، یا وہ شخص صاحب اموال سے کچھ مال دے کر مصالحت کرلے تو اس صورت میں چونکہ مال حرام کا خبث دور ہوجائے گا اور وہ شخص پورے طور پر اس مال کا مالک بن جائے گا، اس لئے اس کی زکوۃ واجب ہوگی، شامی میں ہے:

"إلا إذا استبرأ من صاحبه أو صالح عنه فيزول خبثه"

۵- دیون کی زکوۃ

ملک تام کی شرط کے ذیل میں دیون کی زکوۃ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ دین کی زکوۃ شرعاً کس پر واجب ہوگی، دائن پر جس کی ملک تو ہے، لیکن قبضہ نہیں، یا مدیون پر جس کے قبضہ میں وہ رقم ہے، لیکن اس کی ملک میں نہیں، یا دین کی زکوۃ کسی پر بھی واجب نہیں ہوگی۔

دیون کی زکوۃ کے بارے میں امام ابوعبید (م ۲۲۴ھ) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الاموال" میں ائمہ سلف کے پانچ اقوال ذکر کئے ہیں:

۱- اگر دین کسی مالدار شخص کے ذمہ ہو تو اپنے دیگر اموال کے ساتھ دین کی بھی زکوۃ ادا کی جائے گی۔

۲- اگر دین کی وصولیابی کی امید نہ ہو، پھر وہ وصول ہوجائے تو قبضہ کے بعد تمام گذشتہ سالوں کی زکوۃ دینی پڑے گی۔

۳- قبضہ کے بعد صرف ایک سال کی زکوۃ واجب ہوگی، چاہے اس مال پر جتنا بھی سال گزرا ہو۔

Marfat.com

۴- دین کی زکوۃ صرف قرض لینے والے پر واجب ہوگی، قرض دینے والے پر نہیں۔

۵- دین کی زکوۃ نہ تو دائن پر واجب ہوگی اور نہ مدیون پر، چاہے مدیون ثقہ اور مالدار ہو۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک نے تیسرے قول کو اختیار کیا ہے، یعنی ان کے نزدیک صرف ایک سال کی زکوۃ واجب ہوگی، سفیان ثوریؒ اور فقہاء عراق کی رائے ہے کہ اگر دین کے وصول ہونے کی امید ہو تو اس صورت میں گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی دینی ہوگی، اور اگر دین کے وصولیابی کی امید نہ ہو تو اہل عراق کے نزدیک گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (کتاب الاموال ۱/۳۱-۵۲۶)

تابعین میں سے حضرت عکرمہؒ اور عطا بن ابی رباحؒ اس بات کے قائل ہیں کہ دین کی زکوۃ کسی پر بھی واجب نہیں ہوگی (سابقہ حوالہ ۵۳۳)، ابن حزمؒ نے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے: "لیس فی الدین زکاۃ" دین میں زکوۃ نہیں ہے، ظاہریہ کا یہی مسلک ہے (فقہ الزکاۃ ۱/۱۳۵)۔

علامہ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دیون کی دو قسم ہے:

۱- ایک قرض وہ ہے جس کی وصولیابی متوقع ہو، یعنی قرض ایسے شخص پر ہو جو اسے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور دین کا اقرار بھی کرتا ہو، ایسے دین کی زکوۃ اپنے موجودہ مال کی زکوۃ کے ساتھ ہر سال ادا کی جائے گی، ابوعبید نے صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

تابعین میں سے حسن بصریؒ، ابراہیمؒ، جابر بن زیدؒ، مجاہدؒ اور میمون بن مہرانؒ کا یہی فتوی ہے (کتاب الاموال ۱/۵۳۱)۔

۲- دوسرا قرض وہ ہے جس کی وصولیابی کی توقع نہ ہو، یعنی دین کسی ایسے شخص پر ہو جو تنگدست ہو، اور اس کے خوشحال ہونے کی امید نہ ہو، یا دین ایسے شخص پر ہو جو اس کا انکار کر رہا ہو

Marfat.com

اور اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ ہو، اس صورت کا حکم مختلف فیہ ہے، اس کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

۱- پہلا قول یہ ہے کہ قبضہ کے بعد تمام گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی، حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ قبضہ کے بعد صرف ایک سال کی زکوۃ دینی پڑے گی، حسنؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہی مسلک ہے، امام مالک کے نزدیک دیون کی تمام اقسام کا یہی حکم ہے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ اس مال پر نہ تو ایک سال کی زکوۃ واجب ہوگی اور نہ گذشتہ سالوں کی، بلکہ قبضہ کے بعد جب حولان حول ہو جائے گا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہی مذہب ہے (فقہ الزکاۃ ۱/ ۱۳۶-۱۳۷)۔

حنفیہ کے نزدیک وہ دین جس کی وصولیابی کی امید نہ ہو پھر اتفاق سے وہ وصول ہو جائے تو اس پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت علیؓ کے نزدیک مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، ابن الہمام نے حضرت حسن بصریؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی مسلک ذکر کیا ہے (فتح القدیر ۲/ ۱۲۳)۔

دین کے قابل وصول ہونے کی اور ناقابل وصول ہونے کے لحاظ سے فقہاء احناف نے دین کے اندر یہ تفصیل کی ہے:

۱- ایسا مقروض جو قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور وہ قرض کا اقرار بھی کرتا ہو تو اس کے ذمہ واجب الاداء دین کی زکوۃ دائن کو ادا کرنی پڑے گی، اگر مقروض تنگدست ہو تو بھی مشہور قول کے مطابق اس کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی، لیکن حسن بن زیادؒ کی روایت یہ ہے کہ تنگدست پر دین ہونے کی صورت میں اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

۲- ایسا شخص جس کا دیوالیہ ہو گیا ہو اور اسلامی حکومت نے اس کے دیوالیہ پن کی وجہ

Marfat.com

سے اسے ''مفلس'' قرار دے دیا ہو، صاحبین کے قول کے مطابق ایسے شخص کے ذمہ جو دین ہوگا اس کی زکوۃ دائن پر واجب نہیں ہوگی، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حکومت اور عدالت کی رائے کسی شخص کے دیوالیہ اور تفلیس کی بابت معتبر نہیں ہے، لہذا اس کی زکوۃ دائن کو ادا کرنی ہوگی، امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی پڑے گی، صاحبین کے نزدیک گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (ہدایہ مع الفتح ۲؍۱۲۴)۔

اسی طرح اگر مدیون دین سے انکاری ہو اور اس کے خلاف ثبوت فراہم ہو تو مشہور قول کے مطابق اس کی زکوۃ دائن پر واجب ہوگی، مگر عدالت کی پیروی اور قاضی کے فیصلہ حاصل کرنے میں جو دشواریاں ہیں ان کے پیش نظر علماء نے اس صورت میں دائن پر زکوۃ واجب قرار نہیں دی ہے، کیونکہ گواہی کے لئے گواہوں کو عدالت کے سامنے پیش کرنا اور قاضی سے انصاف کی توقع رکھنا مشکل ہے (عنایہ علی ہامش الہدایہ ۲؍۲۴)۔

لیکن اس سلسلہ میں حنفیہ کا اتفاق ہے کہ وہ دین جس سے مدیون انکاری ہو اور اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ ہو تو اس دین پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، آئندہ اگر خلاف توقع وہ دین وصول بھی ہو جائے تو گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ہدایہ علی ہامش الفتح ۲؍۱۲۱)

دیون کی اقسام اور ان کا حکم

امام ابو حنیفہ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں:

۱- دین قوی: وہ دین جو مال تجارت کے بدلے میں واجب ہو، جیسے سامان تجارت کی قیمت، تجارت کے غلام اور مال تجارت کے غلہ کی قیمت، قرض بھی اسی حکم میں ہے، اسے دین قوی سے تعبیر کیا جاتا ہے، دین قوی کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے مابین زکوۃ کے وجوب کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب دین کا ایک خمس، چالیس درہم وصول ہو جائے گا تو اس کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی، اور چالیس میں سے ایک

Marfat.com

درہم ادا کرنا پڑے گا، صاحبین کہتے ہیں کہ جتنا جتنا دین وصول ہوتا جائے گا اس کی زکوۃ دینی پڑے گی (بدائع ۲/۱۰، البحر الرائق ۲/۲۰۷، المبسوط ۲/۱۹۵)۔

۲-دین متوسط: وہ دین ہے جو کسی مالی عوض کے طور پر واجب ہو، مگر وہ سامان تجارت کی قیمت نہ ہو، بلکہ ایسے مال کے بدلے میں واجب ہو جس میں شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ جیسے استعمالی کپڑوں اور رہائشی مکان کی قیمت، خدمت کے غلام کی قیمت ایسے دین کو دین متوسط کہا جاتا ہے، ان کے نزدیک دین قوی کے حکم میں ہے، اور دوسری روایت کے مطابق دین ضعیف کے حکم میں ہے، ''کتاب الاصل'' میں امام صاحب کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ قبضہ سے پہلے بھی اس پر زکوۃ کا نفس وجوب ہو جائے گا، البتہ ادائیگی زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب اس پر قبضہ ہو جائے (سابق حوالہ جات)۔

ابن نجیم نے لکھا ہے:

''صحیح روایت کے مطابق امام صاحب کے نزدیک'' دین وسط پر اس وقت زکوۃ واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب دین پر قبضہ ہو جائے، البتہ قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی پڑے گی، اور قول ضعیف کے مطابق گذشتہ سالوں کی زکوۃ نہیں دینی پڑے گی'' (البحر الرائق ۲/۲۰۷)۔

ابن سماعہ نے امام ابو یوسفؒ کے واسطہ سے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ دین کی صرف دو قسم ہے اور انہوں نے ''دین وسط'' کو دین ضعیف قرار دیا ہے، کرخیؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (المبسوط للسرخسی ۲/۱۹۵)۔

صحیح قول کے مطابق دین قوی اور دین متوسط میں اتنا فرق ہے کہ دین قوی کے ایک خمس کی وصولیابی پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، جبکہ دین متوسط کی صورت میں بقدر نصاب مال پر قبضہ ضروری ہوتا ہے، صاحبین کے نزدیک سارے دیون برابر ہیں، قبضہ سے پہلے ان کی

Marfat.com

زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، البتہ جتنی مقدار پر قبضہ ہوتا جائے گا اس کی زکوۃ ادا کرنی پڑے گی (البحر الرائق ۲/۲۰۸، بدائع ۲/۱۰)۔

۳- دین ضعیف، وہ دین جو کسی مالی عوض کے بدلے میں واجب نہیں ہوتا ہے، جیسے مہر کی رقم، خلع، اور صلح عن القصاص کی رقم اس دین کا حکم یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، وصولیابی کے بعد جب اس رقم پر مکمل ایک سال گزر جائے گا تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، بدائع میں ہے:

"ولا زكوة فيه مالم يقبض ويحول عليه الحول بعد القبض" (بدائع ۲/۱۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک دیون کی مذکورہ تمام قسموں پر زکوۃ واجب ہوگی، لیکن ادائیگی قبضہ کے بعد ہوگی، دین قوی میں خمس نصاب، یعنی کم سے کم چالیس درہم کی وصولیابی کے بعد زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، اور دین متوسط اور دین ضعیف میں نصاب کی مالیت کے بقدر قبضہ میں آنے کے بعد زکوۃ کی ادائیگی کا حکم ہوگا، البتہ دین متوسط میں گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی پڑے گی، جبکہ دین ضعیف میں حولان حول کے بعد زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں:

۱- دین کی ایک قسم وہ ہے جس پر قبضہ کے بعد مکمل ایک سال گزرنے کے بعد زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے وراثت، ہبہ، وقف، صدقہ، عورت کا مہر اور خلع کا عوض، اسی قبیل کے دین سے تعلق رکھتا ہے، ان تمام دیون میں قبضہ سے پہلے زکوۃ واجب نہیں ہوگی، قبضہ کے بعد سے جب ایک سال اس پر گزر جائے گا تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

۲- دوسرے وہ دین ہے جس میں صرف ایک سال کی زکوۃ واجب ہوتی ہے، جیسے دین قرض اور دین تجارت جسے حنفیہ کے نزدیک "دین قوی" سے موسوم کیا گیا ہے، اس طرح کے دین میں مالکیہ کے نزدیک حسب ذیل چار شرطوں کے ساتھ وجوب زکوۃ ہوگا:

Marfat.com

الف-قرض کی اصل سونا، چاندی ہو، یا جمع کئے گئے سامان تجارت کی قیمت ہو، مثلاً تجارتی کپڑوں کی قیمت۔

ب-اس دین کے ایک حصہ پر دائن کا قبضہ ہو چکا ہو، اگر دین کا کچھ بھی حصہ اس کے قبضہ میں نہیں آیا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ج-قبضہ کی ہوئی شئ نقد سونے، چاندی کے قبیل سے ہو، اگر اس نے سامان تجارت مثلاً کپڑے یا گیہوں پر قبضہ کیا تو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

د- جتنے مال دین پر اس کا قبضہ ہوا ہے وہ کم سے کم بقدر نصاب ہو، یا اگر نصاب سے کم ہو مگر اس کے پاس دوسری مالیت ہو جس کے ملانے سے نصاب پورا ہو جاتا ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۳-تیسرا دین مدیر ہے: دین مدیر سے اس تاجر کا دین مراد ہے جو موجودہ قیمت کے ساتھ خرید و فروخت کرتا ہے، پس اگر دین کی اصل سامان تجارت ہو تو وہ ہر سال دین کی زکوۃ ادا کرے گا۔

شوافع کے نزدیک اگر دین درہم و دینار یا سامان تجارت کی قیمت کے قبیل سے ہو تو جب دائن اپنے دین پر قبضہ کر لے گا یا اپنے دین کے حاصل کرنے پر اسے قدرت حاصل ہو جائے گی تو گذشتہ تمام سالوں کی اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ اگر دین مویشی اور مطعوم کے قبیل سے ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۷۰-۷۷۱)۔

دین کے بارے میں حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی چاہے دین معجّل ہو یا مؤجل، اور چاہے مقروض دین کا اقرار کرنے والا ہو یا اس سے انکاری ہو، اور چاہے وہ تنگدست ہو یا خوشحال یا ٹال مٹول کرنے والا، البتہ زکوۃ کی ادائیگی قبضہ کے بعد واجب ہوگی، اور گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی پڑے گی (المغنی ۳/۴۶)۔

Marfat.com

٦- پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

''ملک تام'' ہی کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں سرکاری محکموں، مختلف پرائیویٹ کمپنیز اور ادارے میں جو لوگ ملازمت کرتے ہیں، ان کی ماہانہ تنخواہ میں سے ایک متعین حصہ وضع کرکے ان کے محفوظ کھاتے میں جمع کردیا جاتا ہے اور کچھ فیصد سرکار یا کمپنی اپنی طرف سے اس میں اضافہ کرتی ہے، اور ریٹائرمنٹ کے وقت وہ پوری رقم مع بونس کے ملازم کو دیدی جاتی ہے، دوران ملازمت بھی بعض خاص قواعد کی پابندی کرتے ہوئے ملازم کو اپنے اس محفوظ فنڈ سے کچھ حصہ نکالنے کا اختیار ہوتا ہے، یہ رقم عام اصطلاح میں پراویڈنٹ فنڈ (PF) کہلاتی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کب؟ اور اگر زکوۃ وصولیابی کے بعد واجب ہوگی تو گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ واجب ہوگی؟ یا قبضہ کے بعد سال گذرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم لگانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رقم کی حیثیت کی تعیین کرلی جائے کہ دین کی کس قسم میں اس کا شمار ہے، پھر اس پر حکم لگانا آسان ہوگا، حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک دین کی تین قسم ہے:

دین قوی وہ ہے جو سامان تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے ذمہ واجب ہو، اس کی تفصیل دیون کی بحث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

دین متوسط جو مالی معاوضہ کے طور پر ذمہ میں واجب ہو مگر وہ ایسے سامان کی قیمت ہو جس پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جیسے استعمالی کپڑے اور رہائشی مکان کی قیمت۔

دین ضعیف جو مالی معاوضہ کے بغیر واجب ہو، جیسے عورت کا دین مہر، خلع اور صلح کی رقم۔

ظاہر ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کو دین قوی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ کسی سامان تجارت کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے اور خدمت مال تجارت ہے یا نہیں؟ اس میں حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے:

Marfat.com

''غلام اور مکان اگر تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت واجرت کو مال تجارت قرار نہیں دیا گیا ہے، البتہ جو غلام اور مکان تجارت کے لئے ہو اس کی خدمت واجرت کو مال تجارت قرار دیا گیا ہے، تو جب غلام کی خدمت کو علی الاطلاق مال تجارت قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ صرف تجارت کے غلام کی خدمت کو مال تجارت قرار دیا گیا تو آزاد شخص کی خدمت کو بدرجہ اولی مال تجارت قرار نہیں دیا جاسکتا ہے'' (البحر الرائق ۲/ ۲۰۸)۔

اب صرف دو احتمال باقی رہ جاتا ہے:

۱- اگر خدمت کو مال تجارت قرار دیا جائے تو وہ دین متوسط میں داخل ہوگا۔

۲- اور اگر اسے مال ہی قرار نہ دیا جائے تو وہ دین ضعیف میں داخل ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ دین متوسط کے حکم میں ہے اور قبضہ سے پہلے بھی اس پر زکوۃ واجب ہوگی، مبسوط، جامع اور امالی میں امام صاحب سے یہی قول منقول ہے، علامہ شمس الدین سرخسی نے اس قول کو اصح قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ منفعت عقد کے ذریعہ مالیت کا حکم لے لیتی ہے، اس قول کے مطابق اس پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے بارے میں امام صاحب سے دو قول منقول ہیں:

۱- ایک قول یہ ہے کہ جب تک دوسو درہم بقدر نصاب پر قبضہ نہ ہو جائے زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس درہم پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

۲- تیسرا قول یہ ہے کہ خدمت واجرت ''دین ضعیف'' کے حکم میں ہے، اور وہ مہر کی طرح ہے۔

امام ابو یوسف نے اسے امام صاحب سے نقل کیا ہے، اس قول کے مطابق اس کی

Marfat.com

وصولیابی کے بعد جب حولان حول ہو جائے گا تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی (المبسوط للسرخسی ۲/۴۴)۔

اجرت وخدمت کے بارے میں تیسری روایت یہ ہے کہ اجرت وخدمت علی الاطلاق نہ تو مال ہے اور نہ غیر مال، بلکہ اگر عبد تجارت کی خدمت یا مکان تجارت کی اجرت ہے تو وہ مال ہے ورنہ مال نہیں ہے، صاحب ''مبسوط'' نے اس روایت کو اصح قرار دیا ہے (حوالہ سابق)۔

مگر یہ سب مباحث اور روایات کا اختلاف غلام کی خدمت کے بارے میں ہے، جو من وجہ مال ہے، آزاد کی خدمت کے مال ہونے کی صراحت کسی فقیہ نے نہیں کی ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں پراویڈنٹ کی رقم دین قوی میں داخل نہیں ہوسکتی، اور اسے دین متوسط میں بھی داخل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آزاد شخص کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ مل جائے، اور اگر بالفرض اسے دین متوسط میں داخل بھی کردیا جائے تو صحیح قول کے مطابق اس کا حکم بھی دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

لہذا پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جب وہ رقم قبضہ میں آجائے گی تو سال مکمل ہونے کے بعد اس کی زکوۃ دینی پڑے گی، گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، حضرت تھانویؒ نے PF پر زکوۃ کا عدم وجوب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس جمع شدہ روپے میں زکوۃ واجب نہیں، البتہ وصول کے بعد سے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اس تفصیل سے کہ اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب نہیں تب تو بعد حولان حول کے اور اگر کوئی نصاب ہو تو اس نصاب کی زکوۃ کے ساتھ'' (امداد الفتاوی ۲/۴۵)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے:

''روایات فقہیہ کو دیکھنے اور غور کرنے سے احقر کو یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس فنڈ کی رقم

Marfat.com

پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں'' (حوالہ سابق)۔

دوسری شرط نما

نما کی تعریف اور اس کی حقیقت

وجوب زکوۃ کی دوسری شرط مال کا نامی ہونا ہے، نماء بالمد لغت میں زیادتی اور بڑھوتری کے معنی میں آتا ہے، جدید اصطلاح میں نما یا نمو کے معنی ہیں وہ مال جو صاحب مال کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اصطلاح شریعت میں نما کی دو قسمیں ہیں:

نما حقیقی اور نما تقدیری

حقیقی کا اطلاق مویشیوں کی نسل بڑھنے اور کاروبار میں اضافہ ہونے پر ہوتا ہے، اور تقدیری کا اطلاق ایسے مال پر ہوتا ہے جس کا بڑھایا جانا ممکن ہو یعنی اضافہ پذیری کی صلاحیت رکھنے والا مال، صاحب مال یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو (البحر الرائق ۲/۲۰۶-۲۰۷)۔

لہذا وہ مال جس میں صاحب مال اپنے ذریعہ یا اپنے نائب کے ذریعہ اضافہ اور بڑھانے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، اگر چہ اس مال پر اسے ملکیت حاصل ہو، جیسے مال ضمار، اور اسی وصف نما کے فوت ہونے کی وجہ سے مال مفقود، عبد آبق، دریا میں گرے ہوئے مال، صحرا میں دفن کئے ہوئے مال پر زکوۃ واجب قرار نہیں دی گئی ہے (فقہ الزکاۃ ۱/۱۳۹)۔

حیوانات میں نمو اور افزائش نسل کے ذریعہ ہوتی ہے اور حیوانات کے علاوہ دیگر اموال میں تجارت کے ذریعہ سونے اور چاندی میں خلقی طور پر نما پایا جاتا ہے، اس لئے ہر حال میں اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، شریعت نے وجوب زکوۃ کیلئے حقیقت نما کو ضروری قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ نما ایک امر خفی ہے اور اس میں لوگوں کے طریقے اور ان کی عادتیں باہم مختلف ہوتی ہیں، اس لئے

Marfat.com

شریعت نے حیوانات کے اندر "اسامہ" کو حصول نسل کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور حیوانات اور سونے چاندی کے علاوہ دیگر اموال میں تجارت کی نیت سے اسے اپنے پاس مکمل ایک سال روک کر رکھنے کو حصول نما کے قائم مقام قرار دیا ہے (بدائع ۲/۱۱، فتاوی تاتارخانیہ ۲/۲۱۷)۔

نمو کے شرط ہونے کی حکمت

محقق ابن الہمام نے "نمو" کے شرط لگانے کی حکمت و مصلحت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اگر چہ زکوۃ کا مقصد ابتلاء ہے، تاہم اس سے مقصود فقراء کے ساتھ مواساۃ اور ہمدردی ہے اس طور سے کہ وہ خود فقیر نہ بن جائے، اس کی صورت یہ تجویز کی گئی کہ وہ اپنے کثیر مال میں سے تھوڑا سا مال ان پر خرچ کرے، لہذا اگر اموال غیر نامیہ میں زکوۃ واجب کی جاتی تو چند سال گزر جانے کے بعد اس کے برعکس صورت پیدا ہوسکتی ہے" (فتح القدیر ۲/۱۱۴)۔

وہ اموال جن کی نشو ونما رک گئی ہو ان پر زکوۃ

نمو کے ذیل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اموال جن کی نشو ونما اور افزائش رک گئی ہو، ان پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر اس پر زکوۃ واجب کی جاتی ہے تو رفتہ رفتہ وہ مال ہی ختم ہو جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ مال کے نمو میں رکاوٹ کی دو صورتیں ہیں:

۱- ایک وہ رکاوٹ ہے جو نفس مال کی طرف سے ہو۔

۲- دوسری وہ ہے جو صاحب مال کی طرف سے ہو۔

جو رکاوٹ مال کی طرف سے ہو، مثلاً مال غصب کر لیا گیا ہو اور مال مغصوب کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ ہو، یا ایسا قرض جس کے واپس ملنے کی کوئی امید نہ ہو، یا مال دریا میں گر گیا ہو، یا مال صحرا میں دفن کیا گیا اور دفن کی جگہ بھول گیا ہو تو ان صورتوں میں اصحاب اموال شرعاً

Marfat.com

معذور قرار پائیں گے اور قبضہ سے پہلے ان اموال کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

رہی وہ رکاوٹ جو خود صاحب مال کی طرف سے ہو تو عدم افزائش کے معاملے میں شریعت نے اس عذر کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، اور رکاوٹ کے اسباب کی تفصیلات میں گئے بغیر اس پر زکوۃ واجب قرار دی گئی ہے، کیونکہ ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال کو نفع بخش بنانے کی کوشش کرے اور ہر جائز ذریعہ سے اس میں اضافہ کی کوشش کرے (فقہ الزکاۃ ا / ۱۴۴)۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

وجوب زکوۃ کی تیسری شرط مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ہے، اگر کسی شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہے اور اسے اس مال پر ''ملک تام'' بھی حاصل ہے اور وہ مال نامی بھی ہے، مگر وہ مال اس کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے تو شرعاً اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مال کے حاجت اصلیہ سے فارغ ہونے کو وجوب زکوۃ کی شرط اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر غنی (مالداری) اور نعمت کا تحقق ہی نہیں ہوتا ہے، کیونکہ جو شخص ضروریات اصلیہ کا محتاج ہوتا ہے اسے عرفاً مالدار ہی نہیں سمجھا جاتا ہے اور نہ وہ شخص برضا ورغبت زکوۃ ادا کرسکتا ہے، علامہ کاسانی نے اس کے شرط ہونے کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ غنی درحقیقت اسی صورت میں پایا جاتا ہے، کیونکہ جو شخص ضروریات اصلیہ کا محتاج ہوگا وہ غنی نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس صورت میں تنعم کا مفہوم پایا جاتا ہے، جس کے شکر کے طور پر زکوۃ واجب کی گئی ہے اور نہ ہی اس صورت میں برضا ورغبت زکوۃ ادا کرسکتا ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے خوش دلی اور برضا ورغبت اپنے اموال کی زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے (بدائع ۲/ ۱۱)۔

Marfat.com

فقہاء کی اصطلاح میں حقیقۃً حاجت اصلیہ میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کا انسان اپنی بقاء وتحفظ کے لئے محتاج ہو، مثلاً اشیاء خورد ونوش، ہر موسم کے لحاظ سے لباس، رہائشی مکان، فرنیچر، اہل علم کے لئے علمی وفنی کتابیں، اہل حرفت کے لئے آلات حرفت اور وہ ساری چیزیں حاجت اصلیہ کے دائرہ میں آتی ہیں جنہیں عرفاً ضروریات زندگی سمجھا جاتا ہے، علامہ ابن نجیم اور ابن عابدین شامی نے ابن الملک کے حوالہ سے حاجت اصلیہ کی یہ تعریف کی ہے:

''حاجت اصلیہ وہ چیزیں جو انسان سے ہلاکت کو دور کردیں تحقیقاً جیسے نفقہ، رہائشی مکانات، آلات حرب، گرمی اور سردی سے تحفظ دینے والے کپڑے یا تقدیراً جیسے قرض، کیونکہ قرض دار ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کو قید سے بچانے کے لئے جو ہلاکت کے مترادف ہے نصاب کے مال میں قرض ادا کرے، اسی طرح آلات حرفت، گھریلو سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے علمی وفنی کتابیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک جہالت بھی ہلاکت ہی کے مثل ہے'' (شامی ۲/ ۲۶۲، بحر ۲/ ۲۰۶)۔

حاجت اصلیہ کا مفہوم، زمان ومکان کے تغیر سے بدلتا رہے گا

حاجت اصلیہ کا تعلق دراصل انسان کی شخصی اور انفرادی ضروریات سے ہے جس میں زمان ومکان، عرف وتعامل اور ماحول کے لحاظ سے تبدیلی عین فطرت ہے، حالات وزمانے اور مکان وماحول کے تغیر سے انسان کی بنیادی حاجتیں بھی بدلتی رہتی ہیں، اس لئے حاجت اصلیہ اور اس کے حدود کی تعیین کرنا مشکل ہے، اسے مبتلی بہ کے حالات پر چھوڑ دینا چاہئے۔

حاجت اصلیہ کی تعریف سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ بہت ہی مختصر، محدود اور تنگ ہے اور اس کے اندر صرف وہی چیزیں داخل ہیں، جو انسان کو ہلاکت سے یقینی طور پر بچاتی ہیں، مگر حاجت اصلیہ کے ذیل میں جن چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ حاجت اصلیہ کا دائرہ کافی حد تک وسیع اور تمام ہی ضروریات زندگی کو شامل

Marfat.com

ہے، فقہاء کرام نے جس طرح ہلاکت جسمانی کا لحاظ کر کے اس سے تحفظ دینے والی اشیاء کو اس کے دائرہ میں شمار کیا ہے اسی طرح انہوں نے ہلاکت معنوی اور روحانی کا بھی اعتبار کیا ہے اور اس سے بچانے والی چیزوں کو ''حاجت اصلیہ'' کا عنوان دیا ہے، چنانچہ اہل علم کے لئے اس کے موضوع سے متعلق علمی وفنی کتابوں کو حاجت اصلیہ کا درجہ دیتے ہوئے اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ جہالت ان کے لئے ہلاکت وتباہی کے درجہ میں ہے، ''فإن الجهل عندهم كالهلاك'' (شامی ۲/۲۶۲)۔

علامہ کاسانی نے حاجت اصلیہ کی تعریف وتوضیح کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کی انسان کو اپنی بقاء وتحفظ کے لئے ضرورت پڑتی ہے:

''لأنه من ضرورات حاجة البقاء وقيام البدن'' (بدائع ۲/۱۱)۔

غور کیا جائے فقہاء نے حاجت اصلیہ کے ذیل میں رہائشی مکانات، سردی اور گرمی سے تحفظ دینے والے لباس، پیشہ وارانہ آلات، وآلات حرب وغیرہ کو شمار کیا ہے، جن کا تعلق شخصی ضروریات وحاجات سے ہے جن میں زمان ومکان اور حالات کے تغیر سے تبدیلی عین ممکن ہے، اس لئے حاجت اصلیہ کے بارے میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ حاجت اصلیہ اور اس کے حدود کی تعیین نہیں کی جاسکتی ہے، بلکہ حالات وزمانہ اور عرف وماحول کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ہوتی رہے گی، لباس وپوشاک کا معیار زمانہ اور مسلک وتمدن کے لحاظ سے بدلے گا، سواری میں فرق آئے گا، کھانے پینے کی اشیاء میں تبدیلی ہوگی، رہائشی مکانات اور گھریلو سامان میں فرق ہوگا اور یہ چیزیں حاجت اصلیہ کے زمرہ میں آئیں گی، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ حضرات فقہاء کرام نے حاجت اور تحسین وزینت کے درمیان جو فرق کیا ہے اسے ملحوظ رکھا جائے اور جو چیزیں تحسین وزینت کے دائرہ میں آتی ہیں انہیں حاجت کے دائرہ میں نہیں رکھا جائے۔

واضح رہے کہ حاجت اصلیہ سے مراد مکلف بالزکاۃ کی اس کے اہل وعیال اور ان

Marfat.com

افراد کی حاجت اصلیہ ہے جن کا نفقہ شرعاً اس پر واجب ہوتا ہے جیسے بیوی، بچے۔

"والمعتبر هنا الحاجات الأصلية للمكلف بالزكاة ومن يعوله من الزوجة والأولاد" (فقہ الزکاۃ ۱/ ۱۵۳)۔

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا

وجوب زکوۃ کی چوتھی شرط مال کا دین سے محفوظ ہونا ہے، اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال ہو، مگر وہ مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد صاحب نصاب نہ رہتا ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً ایک شخص کے پاس پچاس ہزار کی مالیت ہے مگر وہ چالیس ہزار کا مقروض ہے تو اس شخص پر صرف دس ہزار جو فارغ عن الدین ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

کون سا دین مانع زکوۃ ہے

دین کی بحث کے ذیل میں یہ چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱- کن اموال میں دیون مانع زکوۃ ہیں۔

۲- کس قسم کے دیون مانع زکوۃ ہیں۔

۳- دیون کی اقسام۔

۴- طویل الاجل ترقیاتی قرضے وجوب زکوۃ میں مانع ہیں یا نہیں۔

اب ہم ان پر ترتیب وار گفتگو کرتے ہیں۔

۱- کن اموال میں دیون مانع زکوۃ ہیں

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دین اموال باطنہ (سونا، چاندی اور سامان تجارت) میں مانع زکوۃ ہے، یعنی دین کی مقدار مال منہا کرنے کے بعد بقیہ مال میں زکوۃ واجب ہوگی، عطاء،

Marfat.com

سلیمان بن یسار، حسن نخعی، لیث، مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، احمد، اسحاق، ابوثور، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے، امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرای، حماد بن سلمان اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول جدید اس کے خلاف ہے۔

اموال ظاہرہ، حیوانات اور کھیتوں کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس میں دین مانع زکوۃ نہیں ہے، امام مالک، اوزاعی، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت اسی کے مطابق ہے (المغنی ۳ر۴۲-۴۳)۔

۲، ۳- کس قسم کے دیون مانع زکوۃ ہیں

دیون کی قسمیں، حنفیہ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں:

الف- بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، جیسے قرض اور سامان تجارت کی قیمت اور اجرت وغیرہ۔

ب- بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو، جیسے وہ مال حرام جس کے مالک کا پتہ نہ ہو۔

۲- وہ دیون جن کا تعلق اللہ تعالی سے ہو، ان کی بھی دو صورتیں ہیں:

الف- بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، جیسے زکوۃ، عشر اور خراج، گو یہ چیزیں حق اللہ کے قبیل سے ہیں، مگر بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے، اموال ظاہرہ، مویشی اور زرعی پیداوار میں امام وقت کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے اور اموال باطنہ، سونا چاندی اور سامان تجارت میں بھی امام یا اس کے نائب کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے۔

ب- دوسری صورت یہ ہے کہ بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو، جیسے دیون، نذور و کفارات، ان دیون میں سے دین عبد جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی موجود ہو وہ

Marfat.com

وجوب زکوۃ کے باب میں مانع ہے اور صرف اس صورت میں زکوۃ واجب ہوگی جب کہ دین کی مقدار مالیت نکالنے کے بعد باقی ماندہ مالیت بقدر نصاب ہو جائے۔

دین عبد کی وہ قسم جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہوتا ہو، جیسے مال حرام، صحیح قول کے مطابق وہ بھی وجوب زکوۃ میں مانع ہوگا۔

وہ دین جس کا تعلق اللہ تعالی کی ذات سے ہوتا ہے اس میں صرف وہ دین وجوب زکوۃ اور وجوب صدقۃ الفطر میں مانع ہوگا جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہو، مگر یہ دین بھی عشر وخراج کے وجوب میں مانع نہیں ہوگا، ''بحر'' میں ہے:

''لأن الدين لا يمنع وجوب العشر والخراج ويمنع صدقة الفطر''
(بدائع ۶/۲)۔

باقی وہ سارے دیون جن کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں ہوتا ہے جیسے دیون، نذور، کفارات تو وہ مانع نہیں ہوں گے، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

''وجوب زکوۃ کی ایک شرط مال کا دین سے فارغ ہونا ہے، اور دین سے مراد وہ دین ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہو، اگر کسی کے ذمہ ایسا دین ہو تو وہ بقدر دین مانع زکوۃ ہوگا، چاہے وہ دین معجّل ہو یا مؤجل، امام شافعی کے نزدیک دین چاہے جس قسم کا ہو وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہوگا''۔

کاسانی نے دین کے مانع ہونے کی دلیل کے طور پر حضرت عثمانؓ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ انہوں نے رمضان المبارک میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''لوگو! تمہارے زکوۃ دینے کا مہینہ سایہ فگن ہو گیا ہے، پس جس شخص کے پاس مال ہو اور مقروض ہو تو وہ مقدار دین کو منہا کرنے کے بعد اپنے باقی مال کی زکوۃ ادا کرے گا''۔

''بحر الرائق'' میں ہے:

Marfat.com

"مراد وہ دین ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہو، لہذا نذور وکفارات کا دین وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہوگا" (بحر ۲/۲۰۴)۔

عورت کا مہر مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں

یہ سوال کہ عورت کا دین مہر وجوب زکوۃ میں مانع ہوگا یا نہیں؟ یعنی جس طرح دوسرے دیون مانع وجوب ہیں مہر کی رقم بھی مانع ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں:

۱- ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً عورت کا مہر وجوب زکوۃ میں مانع ہے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مہر معجّل مانع ہے، مؤجل مانع نہیں ہے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ اگر مہر کی ادائیگی کا فوری ارادہ ہو تو مانع ہے اور اگر ادائیگی کا ارادہ نہ ہو تو مانع نہیں ہے، علامہ کاسانی نے قہستانی کے حوالہ سے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

"زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع" (شامی ۲/۵)۔

"بحرالرائق" میں ہے:

"ولو صداق زوجة المؤجل إلى الطلاق أو الموت، قيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج على عزم الأداء يمنع وإلا فلا، لأنه لا يعد دينا" (بحرالرائق)۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (امداد الفتاوی ۲/)

پس حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی کا مہر فوری طور پر ادا کرنے کا ارادہ ہو تو اس صورت میں عورت کا مہر وجوب زکوۃ میں مانع ہوگا، اس کی ادائیگی کے بعد اگر مال بقدر نصاب رہ جائے تو اس پر وجوب زکوۃ ہوگا اور اگر فوری طور پر ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو پھر مہر مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوگا اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

Marfat.com

طویل الاجل ترقیاتی قرضے وجوب زکوۃ میں مانع ہیں یا نہیں؟

دیون کی بحث کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں زراعتی قرض، تعمیر مکان کے لئے قرض اور اس قسم کے مختلف ترقیاتی قرضے سرکار اپنے شہریوں کو دیتی ہے جن کی ادائیگی کے لئے ۵ سال سے لے کر ۳۰/۴۰ سال کی طویل مدت مقرر کی جاتی ہے، اس مدت کے دوران قسط وار قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اس قرض کی مقدار بھی عموماً بہت بڑی ہوتی ہے، مثلاً زید نے اپنے کسی تجارتی کاروبار کے لئے ۵ کروڑ روپے قرض لئے جسے پچاس قسطوں میں ادا کرنا ہے، یعنی سالانہ دس لاکھ روپے ادا کرنا ہے، یا کسی شخص نے ٹریکٹر کی خریداری کیلئے ایک لاکھ روپے قرض لیا جسے دس سال میں دس ہزار سالانہ کے لحاظ سے ادا کرنا ہے، ان صورتوں میں وجوب زکوۃ کے لئے اموال زکوۃ میں پورے قرض کو منہا کیا جائے گا یا سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال پر زکوۃ واجب قرار دی جائے گی؟

اس سلسلہ میں اگرچہ عام طور پر علماء یہی فرماتے ہیں کہ دین معجّل ہو یا مؤجل، دونوں ہی وجوب زکوۃ میں مانع ہوگا، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

"فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره حالا كان أو مؤجلا"

تاہم بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ دین مؤجل وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہوگا، خود کاسانی نے بعض مشائخ سے یہ نقل کیا ہے:

"وقال بعض مشائخنا: إن المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة" (بدائع ۶/۲)۔

شامی نے "شرح الطحاوی" کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب ایسے دین کو مانع زکوۃ قرار نہیں دیتے تھے، شامی ہی نے قہستانی کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا دین وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہے۔

Marfat.com

''فتاوی تاتارخانیہ'' میں مجد الائمہ السرخکی کے حوالہ سے ان کے بعض مشائخ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دین مؤجل وجوب زکوۃ میں مانع نہیں ہے (شامی ۲/۲۶۱)۔

''ذکر مجد الأئمة السرخكي عن مشائخه أنه لا يمنع'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۲۹۲)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ اس قسم کے طویل الاجل ترقیاتی قرضوں میں صرف سالانہ واجب الاداء قسط وضع کرکے باقی اموال پر زکوۃ واجب ہوگی۔

کمپنیوں کی مجموعی مالیت پر زکوۃ کا حکم

زکوۃ کے ذیل میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی کمپنی میں متعدد شرکاء اور حصہ دار ہوتے ہیں جو اپنے اپنے حصہ کے بقدر مالیت کے مالک ہوتے ہیں، بعض صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ کمپنی کا مجموعی اثاثہ اور مالیت نصاب زکوۃ سے زائد ہو، مگر شرکاء کے حصص کو علیحدہ کرنے کی صورت میں کوئی بھی صاحب نصاب نہ ہوتا ہو، یا بعض صاحب نصاب ہو تو اس صورت میں زکوۃ کا وجوب کمپنی کی مجموعی مالیت کے لحاظ سے ہوگا یا ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا، اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ کمپنیز کی مجموعی مالیت اور اس کے اثاثے میں وجوب زکوۃ نہیں ہوگا، بلکہ کمپنی کے شرکاء کی انفرادی حالت کا اعتبار ہوگا، اور جس شریک کا حصہ بقدر نصاب ہوگا یا اس کے پاس دوسری مالیت ہوگی جس کے ملانے سے وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہو تو صرف اس پر زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً کمپنی کی مجموعی مالیت ایک کڑور ہے جو بلاشبہ نصاب شرعی سے کافی زائد مالیت ہے، کمپنی کے شرکاء کی تعداد ایک لاکھ ہے تو وجوب زکوۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت ایک کروڑ کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ہر ہر شریک کی انفرادی حیثیت کو دیکھا جائے گا اور جس شریک کا حصہ بقدر نصاب ہوگا یا اس کے پاس دوسری مالیت پہلے سے موجود ہو جس کو ملانے سے وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہو تو اس

Marfat.com

پر زکوۃ واجب ہوگی، اور جس کے پاس بقدر نصاب مال نہیں ہوگا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر سائمہ جانور دو یا دو سے زائد افراد کے مابین مشترک ہو، یا سامان تجارت ہو تو وجوب زکوۃ میں شرکاء کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ہر ہر شریک کی انفرادی حالت معتبر ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے درمیان معاملہ شرکت درست اور صحیح ہوگا تو پھر زکوۃ کا وجوب ''مجموعی مالیت'' پر ہوگا۔

''ولا تجب الزكاة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة وإن صحت الخلطة فيه'' (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۳۰۴)۔

ہیرے اور جواہرات کی زکوۃ

جن اموال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے وہ شرعاً منصوص ہیں، اموال زکوۃ قیاسی نہیں ہیں، لہذا قیاس وظن کے ذریعہ کسی ایسی چیز پر زکوۃ واجب قرار نہیں دی جاسکتی جس پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہے، معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی پر زکوۃ واجب کی گئی ہے، باقی معدنیات چاہے جتنی بھی قیمتی اور مالیت رکھنے والی ہوں ان پر زکوۃ واجب نہیں کی گئی ہے، لہذا ہیرے جواہرات پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، چاہے جتنی بھی مالیت کے ہیرے وجواہرات اپنے پاس محفوظ کئے جائیں، یا زیورات کی شکل میں محفوظ کئے جائیں ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر کوئی شخص ہیرے اور جواہرات کی تجارت شروع کردے تو پھر ان کا حکم سامان تجارت کا ہوگا اور سامان تجارت کی حیثیت سے ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے:

''لا زكوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا اتفاقا إلا أن تكون للتجارة، والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع'' (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۲۷۳)۔

Marfat.com

''فتاوی تاتارخانیہ'' میں ہے:

''وليس فيما يشترى للتجمل والزينة من خادم ومتاع ولؤلؤ وجوهر وفلوس للنفقة شئ خزانة الفقه، وليس في اليواقيت، وفي المضمرات: وإن كان حلياً إلا أن تكون للتجارة'' (تاتارخانیہ ۲/ ۲۴۴-۲۴۵)۔

اموال تجارت میں کس نرخ کا اعتبار ہوگا

مال تجارت کی زکوۃ میں قوت خرید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ سامان تجارت کی موجودہ قیمت ومالیت معتبر ہوگی اور اسی لحاظ سے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ اس سلسلہ میں علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے کہ کس دن کی قیمت معتبر ہوگی؟ حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ جس دن اس مال پر سال گزرا اور اس پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوئی اس دن اس سامان کی جو قیمت ومالیت رہی ہوگی اسی کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جس دن زکوۃ ادا کی جائیگی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

''ولو أراد أن يودى القيمة جاز عندنا خلافا للشافعي لكن عند أبي حنيفة في الزيادة والنقصان جميعاً أن يؤدى قيمتها يوم الحول...... وعندهما في الفصلين جميعا يؤدى قيمتها يوم الأداء'' (بدائع ۲/ ۲۳)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''وإن أدى من قيمته يعتبر يوم الوجوب وهو تمام الحول عند الإمام، وقالا: يوم الأداء لمصرفها'' (ہندیہ ۱/ ۱۸۰، وہکذا فی التاتارخانیہ ۲/ ۲۴۲)۔

زکوۃ کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جس مال میں زکوۃ واجب ہوئی ہے، اسی مال سے زکوۃ بھی ادا کی جائے، مگر فقہاء کرام نے شریعت کی دی ہوئی رخصتوں کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ اصل سامان کے بجائے اگر اس کی قیمت ادا کر دی جائے تو بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ

Marfat.com

قیمت اصل کا بدل ہوتی ہے، اس اعتبار سے صاحبین کا مسلک زیادہ راجح اور قابل عمل معلوم ہوتا ہے کہ جس دن زکوۃ ادا کی جارہی ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، کیوں کہ وہی قیمت اصل کا بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا یا پھٹکر فروختگی کا، تو ظاہر ہے کہ اگر تھوک کے حساب سے مال فروخت کیا جاتا ہے تو تھوک کے بھاؤ کا لحاظ ہوگا، اور اگر پھٹکر فروخت کیا جاتا ہے تو پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا، اور اگر کوئی شخص دونوں طرح سے فروخت کرتا ہو تو پھر انفع للفقراء کے اصول کے پیش نظر پھٹکر فروختگی کے لحاظ سے ادا کرے۔ ''ہدایہ'' میں ہے:

''یقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء'' (ہدایہ علی ہامش الفتح ۲/ ۱۶۷)۔

اگر اراضی کی خرید وفروخت تجارتی کاروبار کے نقطہ نظر سے کی جائے تو وہ سامان تجارت ہونے کی وجہ سے اموال تجارت میں شامل ہیں، اور سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں ہیں ان کی موجودہ معروف قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی، وجوب زکوۃ میں اراضی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا، آئندہ متوقع قیمت فروخت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

شیئرز اور بونڈس کی زکوۃ

شیئرز چونکہ ایک تجارتی اثاثہ اور سرمایہ ہیں، لہذا شرعاً ان پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ شیئرز کی زکوۃ میں تفصیل یہ ہے:

''جو کمپنی تجارت کرتی ہے اور خود سامان تیار کر کے فروخت کرتی ہے، جیسے ریشم اور کپڑے کے کارخانے، تو اس صورت میں کمپنی کی مالیت کی حیثیت سامان تجارت کی ہوگی، اور رأس المال اور اس کے منافع دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ آلات حرفت اور مشنری اشیاء کی مالیت اس سے مستثنی ہوگی، اور جو کمپنی تجارت نہیں کرتی ہے صرف کرایہ وصول کرتی ہے کرایہ پر

Marfat.com

مکانات، دکانات دیتی ہے تو ایسی کمپنی کے صرف منافع پر وجوب زکوۃ ہوگا''۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے:

''شیئرز پر زکوۃ ہے۔ شیئرز جو کمپنی تجارت کرتی ہے جیسا کہ ریشم اور کپڑے کے کارخانے، لوہا اور سامان بنا کر تجارت کرنے والے کارخانے اور بجلی کمپنی وغیرہ تو اصل رقم اور اس کے نفع دونوں پر زکوۃ واجب ہے، اور جو کمپنی تجارت نہیں کرتی ہے محض کرایہ وصول کرتی ہے تو زکوۃ نفع پر واجب ہے، اصل رقم پر زکوۃ فرض نہیں ہے'' (فتاوی رحیمیہ ۱۱۱/۳)۔

یوسف القرضاوی نے شیئرز کی زکوۃ کے بارے میں لکھا ہے:

''صنعتی اور اس جیسی کمپنیاں جن کا سرمایہ مشینوں اور عمارتوں وغیرہ میں لگا رہتا ہے جیسے پریس، فیکٹریاں، کرایہ پر چلنے والی موٹریں، تو ان کی زکوۃ ان کے حصص سے نہیں بلکہ ان کی خالص آمدنی اور منافع سے لی جائے گی، ایسی تجارتی کمپنیاں جن کا بیشتر سرمایہ منقولات میں لگا رہتا ہے اور جن کی تجارت کی جاتی ہے اور جو اصلاً باقی نہیں رہتیں تو ان کی زکوۃ ان کے حصص سے بازار کی قیمت کے مطابق وصول کی جائے گی، اس قیمت میں منافع کو شامل کرکے اور غیر منقولہ سامان کی قیمت کو حصص میں سے وضع کرکے اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرنا پڑے گا (فقہ الزکوۃ ۵۲۷/۱-۵۲۸)۔

واضح رہے کہ شیئرز کی مالیت کا تعین ان کی بنیادی قیمت و مالیت کو سامنے رکھ کر نہیں کیا جائے گا، بلکہ بہ وقت اداء زکوۃ مارکیٹ میں اس کا جو نرخ اور مالیت ہوگی اس کا اعتبار کرکے زکوۃ واجب ہوگی۔

بونڈز کی زکوۃ

بونڈز (Bonds) درحقیقت بینک، کمپنی یا حکومت کے قرض دار ہونے کا وثیقہ اور تمسک ہے جن کے حامل متعینہ رقم مع منافع پانے کا حقدار ہوتا ہے، گویا بونڈ کا مالک دین مؤجل کا

Marfat.com

مالک ہوتا ہے، لہذا یہ ”دین قوی“ کے قبیل سے ہے، اس لئے کیش کرانے کے بعد تمام گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔

محور ثانی: نصاب زکوۃ

سونے اور چاندی کے نصاب میں سے کسے معیار قرار دیا جائے

یہ حقیقت ہے کہ شریعت اسلامی نے سونے اور چاندی کو مستقل نصاب کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور دونوں ہی اپنی جگہ پر اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر اس وقت سونے اور چاندی کے نرخ میں غیر معمولی تفاوت اور فرق پیدا ہوجانے کی وجہ سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اموال تجارت میں نصاب وجوب زکوۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے یا سونے کے نصاب سے؟ اسی طرح نصاب حرمت زکوۃ، غنی یعنی کسی شخص کو غنی قرار دے کر اس کے لئے زکوۃ لینا ممنوع قرار دیا جائے گا، معیار کسے قرار دیا جائے؟

اس سلسلہ میں علماء کے خیالات ورجحانات مختلف ہیں کہ وجوب زکوۃ کے لئے دونوں میں سے کسے اصل اور معیار قرار دیا جائے، علامہ یوسف القرضاوی کا رجحان اس طرف ہے کہ سونے کو معیار قرار دینا زیادہ بہتر ہے، مگر خود قرضاوی صاحب نے علماء معاصرین کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی اکثریت چاندی کو معیار قرار دیتی ہے، لکھتے ہیں:

”البتہ اس وقت ہمیں اس پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نقدین سونے چاندی میں سے کس کے ذریعہ نصاب شرعی کی تحدید وتعیین کریں گے، یعنی غنا کی وہ آخری حد کیا ہوگی جس پر وجوب زکوۃ کا حکم ہوگا، اس گفتگو کی ضرورت اس بناء پر پڑی کہ شارع نے سونے چاندی کو علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر کیا تھا، ایک کا نصاب دوسرے کے مخالف تھا، تو کیا ہم چاندی کو وجوب زکوۃ کا معیار قرار دیں گے، بہت سے علماء معاصرین کا اسی طرف میلان ہے اور اس میلان کی دو

Marfat.com

وجہ ہے:

۱- چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، اس کا ثبوت احادیث صحیحہ مشہورہ ہے۔

۲- چاندی کو معیار قرار دینے اور اس کے ذریعہ تقدیر کی صورت میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، کیونکہ چاندی کو معیار قرار دینے کی صورت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر زکوۃ واجب ہوگی''۔

راقم الحروف کا بھی اسی طرف رجحان ہے کہ وجوب زکوۃ کے لئے نصاب چاندی کو معیار قرار دیا جائے، لہذا اس دور میں اگر کسی کے پاس سامان تجارت یا کوئی دوسری مالیت نصاب چاندی کے بقدر ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور وہ غنی قرار پائے گا، اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہوگا، زکوۃ کے باب میں ہمیشہ فقراء ومساکین کی منفعت کے پہلو کو پیش نظر رکھنا چاہئے، کیونکہ زکوۃ کی مشروعیت ہی فقراء کو نفع پہنچانے کے لئے ہوئی ہے۔

محور ثالث: مصارف زکوۃ

اہل مدارس کیلئے ایک آسان راہ

اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے کہ ایک طالب علم جو مستحق زکوۃ ہے ادارہ اس کے قیام وطعام، تعلیم اور دوسری ضروریات کے انتظام پر آنے والے اخراجات ماہانہ مثلاً ڈھائی سو روپے کا چیک، اس کے حوالے کرے، چیک پر طالب علم کا قبضہ اصل رقم پر تصور کیا جائے گا اور اس طرح سے وہ اس رقم کا مالک ہوجانے کے بعد جب وہ چیک مدرسہ کو واپس کرے گا تو مدرسہ والوں کے لئے اس رقم کو مدرسین کی تنخواہ اور تعمیرات میں خرچ کرنے کی گنجائش ہوگی، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران کے لئے یہ آسان اور قابل عمل طریقہ ہے، اس پر عمل کرنے سے بہت ساری برائیوں سے حفاظت ہوگی۔

Marfat.com

مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندہ کا وکیل اور طلبہ کا نائب ہے

مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندہ کا وکیل ہے، کیونکہ معطی نے اسی کو زکوۃ صرف کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے وکیل بنایا ہے، اس لئے قبضہ مہتمم من کل الوجوہ قبضہ مستحق زکوۃ نہیں ہوگا اور تملیک طلبہ اور تملیک مستحق زکوۃ ضروری ہوگی، اور محض مہتمم مدرسہ کو زکوۃ دے دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، نیز مہتمم مدرسہ طلبہ کا بھی نائب ہے، واضح رہے کہ طلبہ کے نائب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جہاں چاہے زکوۃ کی رقم صرف کردے بلکہ وہ جس کا نائب ہے اور جس کی نیابت کے طور پر اس نے زکوۃ وصدقات واجبہ کی رقم وصول کی ہے اسی پر صرف کرنا متعین ہے، اگر وہ غیر مصرف میں اسے صرف کردیتا ہے تو زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:

''مہتمم مدرسہ کا قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے، جیسا امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شئی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکمیہ والذوات ہوں مگر نائب معین ہے اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے'' (فتاوی رشیدیہ)۔

کمیشن پر زکوۃ

مدارس اسلامیہ کے سفراء محصلین عاملین زکوۃ کے حکم میں نہیں ہیں جن کا مستحق زکوۃ ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، کیونکہ عامل زکوۃ جو مصرف زکوۃ ہے وہ شخص ہے جسے امیر المومنین نے لوگوں کی زکوۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی تحصیل کیلئے مامور کیا ہو، عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

''العامل هو الذى يبعثه الإمام لجباية الصدقات'' (عنایہ علی ہامش الفتح ۲/ ۲۰۴)۔

''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں ہے:

Marfat.com

''عامل زکوۃ صرف اس صورت میں زکوۃ لینے کا حقدار ہوگا جب کہ امام وقت نے زکوۃ کی وصولی پر اسے مامور کیا ہو،''وإنما يأخذ العامل منها إذا فرقها الإمام''(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۲۵)۔

امام المسلمین کو تمام مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور اس بنیاد پر اسے زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کا شرعاً حق ملتا ہے، اور زکوۃ کی وصولی کیلئے اس کا متعین کیا ہوا عملہ مستحق زکوۃ قرار پاتا ہے، مگر مدارس کے مہتمم کو ولایت عامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے اس کے محصلین وسفراء کو عاملین زکوۃ کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ عامل صدقات کو زکوۃ کی رقم بطور معاوضہ واجرت نہیں ملتی ہے، بلکہ وہ اپنے اوقات کو امور مسلمین کے لئے فارغ کر دیتا ہے اور ہمہ وقت اس میں مشغول رہتا ہے اس لئے جزاء احتباس کے طور پر بقدر کفایت (جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے گذارے کے لئے کافی ہو) اسے مال زکوۃ میں سے دیا جاتا ہے۔

''الاختيار لتعليل المختار'' میں ہے:

''وليس ذلك بالإجارة لأنه عمل غير معلوم'' (الاختیار لتعلیل المختار ۱/۱۱۸)۔

مدارس کے سفراء کو زکوۃ کی رقم بطور اجرت ومعاوضہ دی جاتی ہے اور زکوۃ کی رقم کو اجرت ومعاوضہ کے طور پر دینا جائز نہیں ہے۔

کمیشن پر چندہ کرانے میں کئی طرح کی خرابیاں ہیں:

۱- اس میں اجرت مجہول ہوتی ہے، عمل ومدت کی بھی تعیین نہیں ہوتی، حالانکہ عقد اجارہ کی صحت کیلئے اجرت کی تعیین، عمل اور مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

۲- زکوۃ کی رقم کا زیادہ تر حصہ خود محصلین وسفراء پر خرچ ہو جاتا ہے جو مشروعیت زکوۃ کے خلاف ہے، زکوۃ کی مشروعیت فقراء ومساکین کو نفع پہنچانے کے لئے ہوئی ہے اور اس صورت

Marfat.com

میں ان تک زکوۃ کی رقم کا بہت کم حصہ پہنچ پاتا ہے۔

۳- مدارس کے ذمہ داران کے لئے زکوۃ کی رقم کو اس کے مصرف میں صرف کرنا ضروری ہے اور جب تک وہ رقم اپنے مصرف میں صرف نہیں ہوگی زکوۃ دہندگان بری الذمہ نہیں ہوں گے، اس لئے ان وجوہات کی بنا پر کمیشن پر چندہ کرانا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے، البتہ اگر کمیشن کی رقم زکوۃ وصدقات واجبہ کے علاوہ غیر واجب التملیک رقم سے ادا کی جائے تو اس صورت میں صرف ایک خرابی لازم آئے گی اور وہ ہے اجرت کا مجہول ہونا، جسے بعض مجبوریوں کے تحت گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

حلال وحرام مخلوط مال میں زکوۃ کے احکام

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

زکوۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا اہم ترین رکن ہے جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر ہے قرآن واحادیث نبویہ میں اس کی ادائیگی کی بہت تاکید اور عدم ادائیگی پر بہت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب مقدس قرآن عظیم میں اقامت صلوۃ کے ساتھ ادائیگی زکوۃ کا متعدد جگہوں میں حکم دیا ہے، زکوۃ کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ماقبل کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ دینے کا حکم اور اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، اس لئے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ مسائل معلوم کرکے اپنے اموال کی جن پر زکوۃ فرض ہے، پوری ایمانداری اور دیانت کے ساتھ زکوۃ ادا کرنے کا اہتمام کریں، البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ تمام اموال میں زکوۃ فرض نہیں ہے، بلکہ خاص اصناف میں مخصوص شرائط کے ساتھ زکوۃ فرض ہے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

اموال زکوۃ

جن اموال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے وہ دو طرح کے ہیں:

☆ مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

الف-اموال ظاہرہ۔

ب-اموال باطنہ۔

اموال ظاہرہ درج ذیل ہیں:

۱-سائمہ جانور، یعنی وہ جانور جو پورا سال، یا سال کا بیشتر حصہ چرنے پر اکتفاء کرتے ہوں اور مالک کو ان کا چارہ دینا نہ پڑتا ہو، اس طرح سائمہ جانور جن پر زکوۃ فرض ہے وہ تین طرح کے ہیں:

الف-(ابل)	اونٹ اس میں ہر نوع کے اونٹ داخل ہیں۔
ب-(بقر)	گائے، بیل، بھینس وغیرہ نر و مادہ۔
ج-(غنم)	خصی، بکری، دنبہ اور بھیڑ۔ (بدائع ۲/ ۸۷)

۲-کھیت کی ہر طرح کی پیداوار خواہ غلے ہوں یا سبزیاں ہوں یا پھل عشر، یا نصف عشر واجب ہے، یعنی اگر کھاد، پانی وغیرہ کے ذریعہ سے فصل تیار ہوئی ہے تو بیسواں حصہ ورنہ دسواں حصہ واجب ہے۔

۳-نقود، خواہ اثمان خلقیہ ہوں، مثلاً سونا، چاندی، یا اثمان عرفیہ، یعنی مختلف ممالک کی کرنسیاں جو ثمن عرفی کی حیثیت سے رائج ہوں، مثلاً ہندوستانی نوٹ یا سکے یا ریال پونڈ وغیرہ۔

اثمان خلقیہ خواہ سکے ہوں یا زیورات بنالئے گئے ہوں، اور عروض التجارہ وہ سامان جو تجارت کی نیت سے خرید کر رکھا گیا ہو اس پر بھی زکوۃ واجب ہے، خواہ فی الحال تجارت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

وجوب زکوۃ کی شرط ملک تام

وجوب زکوۃ کی بنیادی شرطوں میں ایک شرط ملک تام بھی ہے، اگر کسی شیٔ کا مالک متعین نہیں ہے تو اس شیٔ پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے وقف کی جائداد اور آزاد چھوڑے

Marfat.com

ہوئے جانوروں میں ملک نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ شرعاً واجب نہیں ہے، چونکہ زکوۃ میں تملیک مستحقین شرط ہے اور غیر ملک میں تملیک متصور نہیں۔

"أما الشرائط التی ترجع إلی المال فمنها الملک، فلا تجب الزکوة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک، وھکذا، لأن فی الزکوة تملیکاً والتملیک فی غیر الملک لا یتصور" (بدائع ۲/ ۸۲۴)۔

ملک تام پر وجوب زکوۃ کی حکمت

ملک تام پر زکوۃ کیوں واجب ہے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

"ملکیت بڑی نعمت ہے، کیونکہ یہ آزادی اور انسانیت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جس سے غلام اور جانور محروم ہوتے ہیں، ملکیت سے آدمی کی قائدانہ حیثیت معلوم ہوتی ہے اور ملک تام کے ذریعہ انسان اپنے مال سے منتفع ہوتا ہے اور از خود یا اپنے نائب کے ذریعہ مال کے بڑھانے پر قادر ہوتا ہے، اس عظیم نعمت کا شکریہ ادا کرنا انسان پر لازم ہے کہ جب اس کو یہ نعمت نصیب ہو تو وہ اس کی زکوۃ ادا کرے (فقہ الزکاۃ ۱/ ۱۳۱)۔

ملک تام سے مراد

ملک تام سے مراد ملک رقبہ اور ملک ید ہے، ملک رقبہ یہ ہے کہ اس شیٔ پر ملکیت حاصل ہو اور ملک ید یہ ہے کہ وہ چیز اپنے قبضہ وتصرف میں ہو، اگر ملکیت حاصل نہیں ہے، جیسا کہ غلام کو اپنے مال پر ملکیت حاصل نہیں ہے اس کا جو بھی مال ہے اس کے آقا کا ہے، یا مدیون (جس پر قرض ہے) کے پاس جو مال ہے اس پر اس کا قبضہ تو ہے، لیکن اس کی ملکیت نہیں یا ملکیت تو

Marfat.com

حاصل ہے، لیکن قبضہ وتصرف میں نہیں ہے، یا اس سے انتفاع پر قدرت نہیں ہے، جیسا کہ مہر کی رقم ہے، قبضہ سے قبل ملکیت تو ہے، لیکن قبضہ وتصرف میں نہیں، غرض یہ کہ ملکیت رقبہ یا ملکیت ید دونوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہوتو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

"ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک واليد الخ"

(ہندیہ ۱/۱۷۲ ط بیروت)۔

ملک تام کی مراد میں اختلاف

امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ تو یہی فرماتے ہیں کہ وجوب زکوۃ کے لئے ملک رقبہ اور ملک ید دونوں ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہوتو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وجوب زکوۃ کے لئے ملک ید شرط نہیں ہے، اگر کسی شئ پر مکمل ملکیت ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، خواہ قبضہ وتصرف میں ہو یا نہ ہو (دیکھئے: بدائع الصنائع؛ کتاب الزکوۃ ۲/ ۸۲۴)۔

مال ضمار میں زکوۃ

چونکہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ملک ید وجوب زکوۃ کیلئے شرط نہیں ہے، اس لئے ان دونوں حضرات کے نزدیک مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں ہے، چونکہ مال ضمار میں ملک رقبہ تو حاصل ہے، لیکن ملک ید مفقود ہے۔

مال ضمار کی تفسیر

مال ضمار ہر وہ مال ہے جس پر اصل ملکیت تو قائم ہو، لیکن انتفاع پر قدرت نہ ہو، جیسا

Marfat.com

کے بھاگا ہوا غلام، گم شدہ چیز، مال مفقود، سمندر میں ضائع شدہ مال، اسی طرح وہ مال جس کو کسی نے ظلماً لے لیا، اسی طرح وہ مال جو جنگل یا بہت پرانے مکان میں دفن کر دیا ہو اور جگہ یاد نہ ہو یہ سب مال ایسے ہیں کہ ملکیت تو قائم ہے، لیکن انتفاع پر قدرت نہیں ہے (بدائع الصنائع ۲ر ۸۲۴)۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جو اس باب میں عام ہیں، ان میں ملک رقبہ اور ملک ید کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ مال کا وظیفہ ہے اگر کسی مال کا مالک متعین ہے تو اس پر شرعاً زکوۃ واجب ہے، خواہ وہ قبضہ وتصرف میں ہو یا نہ ہو جس کی دلیل مسافر کے مال پر وجوب زکوۃ ہے، اگر مال گھر میں دفن کر دیا ہو اور جگہ یاد نہ ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہے، اسی طرح قرض پر قبضہ سے پہلے زکوۃ واجب ہے باوجودیکہ ان تینوں صورتوں میں ملکیت تو قائم ہے، لیکن مال قبضہ وتصرف میں نہیں ہے، معلوم ہوا کہ زکوۃ مال کا وظیفہ ہے، لہذا مال ضمار میں زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ ملکیت ثابت ہے۔

فریق اول کی ایک دلیل تو حدیث رسول ﷺ: "**لا زکوۃ فی مال الضمار**" ہے یعنی مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ مال جس سے مالک انتفاع نہ کرسکتا ہو وہ مالک کے حق میں معدوم ہے، اس کے ذریعہ غنی (صاحب نصاب) نہیں سمجھا جائے گا اور جو صاحب نصاب نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

جہاں تک مسافر کے مال میں وجوب زکوۃ کا تعلق ہے تو چونکہ مسافر اپنے نائب کے ذریعہ اپنے مال میں انتفاع پر قدرت رکھتا ہے اور جو مال گھر میں مدفون ہے اس سے بھی انتفاع ممکن ہے کہ پورے گھر کو کھود کر مال مدفون کی جگہ معلوم کی جاسکتی ہے، اسی طرح قرض سے بھی انتفاع ممکن ہے کہ دائن جب چاہے مدیون سے اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس لئے ان تینوں صورتوں میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ملک ید نہیں ہے (بدائع ۲ر ۸۲۴-۸۲۵)۔

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق وجوب زکوۃ کیلئے ملک ید اور ملک رقبہ دونوں ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

جواب: سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور خریدار نے پیشگی ثمن بھی ادا کر دیا ہے، لیکن بائع (فروخت کرنے والے) نے ابھی تک مبیع خریدار کے حوالہ نہیں کیا ہے، ایسی صورت میں پیشگی ثمن اور مبیع دونوں پر وجوب زکوۃ کا مسئلہ زیر بحث ہے کہ ان دونوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں، اگر واجب ہے تو خریدار پر یا فروخت کرنے والے پر۔

ثمن پر زکوۃ

بیع مکمل ہو جانے کے بعد ثمن پر بائع کا قبضہ ہو یا نہ ہو بہر دو صورت بائع کو ثمن میں تصرف کا شرعاً اختیار ہوتا ہے، اور جب بائع کو ثمن میں تصرف کا شرعاً اختیار ہے تو بائع کے ذمہ ثمن پر زکوۃ واجب ہوگی، خواہ بائع کا قبضہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ وجوب زکوۃ کی شرط ملک تام (ملک رقبہ وملک ید) پائی جا رہی ہے۔ (جاز التصرف فی الثمن) بهبة أو بيع أو غيرهما لو عينا أی مشار إليه (قبل قبضه) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۴/۱۶۵) نیز ثمن کی حیثیت دین قوی کی ہوتی ہے اور دین قوی پر دائن (قرض خواہ) کے ذمہ زکوۃ واجب ہوتی ہے، لہذا مذکورہ صورت میں، جبکہ ثمن بائع کے قبضہ وتصرف میں آچکا ہے تو بائع کے ذمہ زکوۃ واجب ہوگی۔

مبیع پر قبضہ سے قبل زکوۃ

مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ خرید وفروخت مکمل ہو چکی، لیکن مبیع پر خریدار کا قبضہ نہیں ہوا تو مبیع پر قبضہ سے قبل زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو خریدار پر یا فروخت کرنے والے پر؟ اس کی تفصیل درجہ ذیل ہے:

Marfat.com

الف- اصولاً اور شرعاً فروخت کرنے والے کے ذمہ مبیع کی زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ مبیع فروخت کرنے والے کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔

ب- البتہ خریدار کے ذمہ واجب ہے یا نہیں اس سلسلہ میں کتب فقہ کی عبارتیں مختلف نظر آتی ہیں، ان عبارتوں کی روشنی میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ شرح فتح القدیر، درمختار، یوسف القرضاوی کی فقہ الزکوۃ کی عبارت اس سلسلہ میں صریح ہے کہ مشتری (خریدار) پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ خریدار کو قبضہ سے قبل مبیع پر ملک تام حاصل نہیں ہے، کیونکہ خریدار قبضہ سے قبل مبیع میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا ہے، چنانچہ "فتح القدیر" میں ہے: "ویخرج أیضا المشتری لتجارة إذا لم یقبض حتی حال حول، لا زکوة فیه إذ لم یستفد ملك التصرف، وكمال لملك بكونه مطلقاً للتصرف، وحقیقته مع كونه حاجزاً" (شرح فتح القدیر ۲/ ۱۵۴، نیز دیکھئے: فقہ الزکاۃ ۱/ ۱۳۰)۔

علامہ علاء الدین الحصکفی درمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا فیما اشتراه لتجارة قبل قبضه" (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار ۲/ ۷)۔

علامہ شامی اس سلسلہ میں مطمئن نظر آتے ہیں چنانچہ "درمختار" کی عبارت قبل قبضہ کے تحت لکھتے ہیں:

"قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ تو قبضہ سے قبل ہی واجب ہوگی، لیکن اس کی ادائیگی قبضہ کے بعد لازم ہوگی (قوله قبل قبضه) أما بعده فیزكیه عما مضی كما فهمه فی البحر عن المحیط" (شامی ۲/ ۷)۔

لیکن علامہ شامی نے "فتاوی خانیہ" کے حوالے سے جو جزئیہ نقل کیا ہے اور اس کی روشنی میں اپنی جو رائے دی ہے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا نہیں کرنی ہوگی (شامی ۲/ ۷)۔

Marfat.com

لیکن ''خانیہ'' میں ہے کہ ایک شخص کے پاس سائمہ جانور (وہ جانور جو پورا سال یا سال کا بیشتر حصہ جنگل میں چرنے پر اکتفاء کرتا ہو) ہے اور دوسرے شخص نے اس کو سائمہ بنانے کے لئے خریدا اور سال گزرنے کے بعد اس پر قبضہ کیا تو خریدار پر گذشتہ سال کی زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وہ بائع پر مضمون بالثمن ہے، یعنی اگر سائمہ جانور ہلاک ہو جائے تو بائع پر اس کے ثمن کی واپسی ضروری ہوگی، اس علت کا تقاضہ یہ ہے کہ جانور خواہ سائمہ بنانے کے لئے خریدا ہو یا تجارت کے لئے دونوں کے حکم میں فرق نہ ہو، علامہ شامی نے ''فتأمل'' کہہ کر اس مسئلہ میں مزید غور وفکر کی دعوت دے دی اور اپنے عدم اطمینان کا اظہار بھی کر دیا۔

مسئلہ کا فقہی جائزہ

چونکہ کتب فقہ کی ان عبارتوں کی روشنی میں کوئی قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے، اس لئے ہم پہلے اس کا فقہی جائزہ لیتے ہیں کہ اس میں وجوب زکوۃ کی شرط ملک تام (ملک رقبہ و ملک ید) پائی جاتی ہے یا نہیں، اس کے بعد اپنی رائے قائم کریں گے۔

مذکورہ صورت میں غور کرنے کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے مبیع پر قبضہ سے قبل خریدار کو ملک رقبہ تو حاصل ہے، اس لئے کہ بیع مکمل ہونے کے بعد ہی مبیع پر خریدار کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے خواہ مبیع پر خریدار کا قبضہ ہو یا نہ ہو۔

''**البیع ینعقد بالإیجاب والقبول**'' (ہدایہ ۳/۲)، البتہ چونکہ مبیع پر قبضہ سے قبل خریدار کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خریدار کو مبیع پر قبضہ سے قبل ملک ید حاصل نہیں ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں خریدار پر بھی مبیع کی زکوۃ واجب نہ ہو ''**قال فی الفتح: الأصل أن کل عقد ینفسخ بھلاک العوض قبل القبض لم یجز التصرف فی ذلک العوض قبل قبضہ إذا کان عیناً لا یجوز بیع**

Marfat.com

شئ من ذلک ولا أن یشترک فیه غیره" (شامی فصل فی التصرف فی المبیع والثمن ۴/ ۱۶۲)۔

لیکن اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خریدار کو ملک رقبہ کے ساتھ ملک ید بھی حاصل ہے، اس لئے کہ جب بیع مکمل ہوچکی ہے اور خریدار نے ثمن بھی ادا کردیا ہے تو اس کو شرعاً مبیع سے انتفاع پر قدرت حاصل ہے، کیونکہ وہ جس وقت چاہے فروخت کرنے والے سے مبیع کا مطالبہ کرکے مبیع سے انتفاع کرسکتا ہے، لہذا اس کی حیثیت دین قوی کی ہوگی، اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

یہ دو نقطہ ہائے نظر ہمارے سامنے آئے، علامہ ابن نجیم نے کنز الدقائق کی اپنی مشہور ترین شرح "البحر الرائق" میں محیط السرخسی کے حوالہ سے ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو نقل کیا ہے۔ محیط السرخسی نے دوسری رائے (قبضہ سے قبل خریدار پر مبیع کی زکوۃ کا واجب ہونا) کو صحیح قرار دیا ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۰۸-۲۰۹)۔

علامہ ابن نجیم نے محیط السرخسی کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد بہت ہی بہتر اور عمدہ فیصلہ فرمایا ہے کہ زکوۃ تو قبضہ سے قبل ہی واجب ہوگی، البتہ اس کی ادائیگی قبضہ کے بعد لازم ہوگی، اور دین قوی کی طرح گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی "**فعلى هذا قولهم لا تجب الزكوة معناه قبل قبضه، وأما بعد قبضه فتجب زكوته فيما مضى كالدين القوى**" (البحر الرائق ۲/ ۲۰۹)۔

خلاصہ جواب

رقم الحروف علامہ ابن نجیم کے مذکورہ فیصلہ سے متفق ہے اور مذکورہ بحثوں کی روشنی میں اپنی رائے بھی یہی رکھتا ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع کی زکوۃ خریدار پر واجب ہوگی، البتہ اس کی ادائیگی قبضہ کے بعد لازم ہوگی اور دین قوی کی طرح اس میں بھی گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

Marfat.com

عقد اجارہ میں دی گئی پیشگی رقم پر زکوۃ

کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم جو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کر دی جاتی ہے، اس کی حیثیت رہن کی ہوتی ہے اور شئ مرہون پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہے، نہ ہی راہن پر اور نہ ہی مرتہن پر، راہن پر اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہے کہ شئ مرہون اس کے قبضہ وتصرف میں نہیں ہے اور شئ مرہون سے اس وقت تک انتفاع بھی نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ مرتہن کے قبضہ میں رہے۔ اور مرتہن پر اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہے کہ اس کے قبضہ اور تصرف میں تو ہے لیکن اس کی ملکیت نہیں ہے، گویا کہ راہن اور مرتہن دونوں کی ملکیت ناقص ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں سے کسی پر شئ مرہون کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لہذا کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم پر زکوۃ نہ تو کرایہ دار کے ذمہ واجب ہوگی نہ ہی مالک کے ذمہ واجب ہوگی، البتہ کرایہ دار کو وہ رقم جب واپس مل جائے تو پھر اس پر سال گزر جائے یا پہلے سے بقدر نصاب اس کے پاس دوسری مالیت ہو تو اس کے ساتھ ضم کر کے کرایہ دار کو اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

مدارس اور اداروں میں جمع شدہ رقم پر زکوۃ

مدارس یا دینی اداروں میں جمع ہونے والی رقمیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

۱- چندہ دہندگان نے چندہ کی رقم کسی خاص مد، مثلاً مسجد یا مدرسہ کی تعمیر پر صرف کرنے کے لئے دیا ہو۔

۲- ہدایا، عطیات اور صدقات نافلہ کی رقم جو عام مد میں صرف کرنے کے لئے دی گئی ہو۔

۳- زکوۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی یا دیگر صدقات واجبہ کی رقمیں۔

Marfat.com

پہلی صورت میں چونکہ مدرسہ یا ادارہ کے منتظم و مہتمم چندہ دہندگان کے وکیل ہوتے ہیں اس لئے جب تک وہ رقم جس مد پر صرف کرنے کے لئے چندہ دہندگان نے دی ہے اس مد پر صرف نہ کردی جائے چندہ دہندگان ہی اس کے مالک رہیں گے۔ وہ جب چاہیں اس رقم کو واپس لے سکتے ہیں اور دوسرے مد میں صرف کرسکتے ہیں۔ یا صرف کرنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں مدرسہ یا دینی ادارہ میں جمع شدہ رقوم پر ملکیت کے تمام احکام جاری ہوں گے، اور سال گزرنے پر چندہ دینے والوں کے ذمہ ان رقوم کی زکوۃ بھی واجب الاداء ہوگی۔

دوسری اور تیسری صورت میں مہتمم و منتظم رقم دینے والوں کے بھی وکیل ہوتے ہیں اور مدارس میں پڑھنے والے طلبہ یا دیگر تمام فقراء و مساکین کے بھی وکیل ہوتے ہیں، ایسی صورت میں مذکورہ دونوں طرح کی رقوم کے شرعاً حقدار وہ تمام طلباء و فقراء و مساکین ہوتے ہیں جو متعین نہیں ہیں اور جس مال کا مالک متعین نہ ہو اس مال پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ وقف کی جائداد اور آزاد چھوڑے ہوئے گھوڑے یا اسلامی خزانہ بیت المال میں جمع شدہ رقوم زکوۃ، وصدقات واجبہ، یا صدقات نافلہ، مال فئی، مال غنیمت کا خمس وغیرہ۔ اس طرح عام فقراء ومساجد، مجاہدین، یتامی، رباط یا دیگر ابواب خیر پر وقف شدہ اشیاء پر زکوۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں مال کا مالک متعین نہیں ہے، لہذا مدارس اور دینی اداروں میں جمع شدہ دونوں طرح کی رقوم پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں مالک متعین ہے۔ علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

"وعلی هذا إذا کان هناک مال لا مالک له واعني بالمالک المالک المعین الخ" (فقہ الزکاۃ ۱/۱۳۱-۱۳۲)

خلاصہ جواب

الف- پہلی صورت میں جب کہ مدارس یا دینی اداروں میں جمع ہونے والی رقمیں کسی

Marfat.com

خاص مد پر صرف کرنے کے لئے دی گئی ہوں، چندہ دہندگان کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اگر سال گزر گیا اور وہ رقم محفوظ ہے تو چندہ دہندگان اس کی زکوۃ ادا کریں گے۔

ب- دوسری اور تیسری صورت میں، جبکہ صدقات واجبہ کی رقم ہو یا ہدایا، عطیات اور صدقات نافلہ کی رقم ہو مالک متعین نہ ہونے کی وجہ سے ان رقوم پر کسی کے ذمہ بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

مال حرام پر زکوۃ کا حکم

کسی کے قبضہ میں مال حرام ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف- پورا کا پورا مال حرام اور مال خبیث ہو، حلال اور طیب مال کچھ بھی نہ ہو۔

ب- حرام وحلال دونوں مال ہوں، لیکن ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں، باہم مخلوط نہ ہوں۔

ج- حرام وحلال دونوں باہم اس طرح مخلوط ہوں کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہو۔

چونکہ پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں، جبکہ کل مال حرام ہو یا حلال وحرام دونوں ہوں اور دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں، مال حرام پر قبضہ کرنے والے کی ملکیت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ''قنیہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

''وفي القنية: الرشوة يجب ردها ولا تملك'' (شامی ۲۰۴/۴)۔

اس لئے ان دونوں صورتوں میں ''مال حرام'' پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ وجوب زکوۃ کے لئے ملکیت شرط ہے۔

''وفي القنية: لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب

Marfat.com

التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه" (ردالمحتار ۲/۲۵)۔

اس مال کا حکم یہ ہے کہ اگر مالک معلوم ومتعین ہوتو وہ مال اس کے حوالہ کیا جائے۔ مالک کے حوالہ، خواہ براہ راست ہو اور یہ کہہ کر دیا جائے کہ تمہارا فلاں مال ہے، یا اگر اس طرح حوالہ کرنے میں کوئی شرعی یا قانونی رکاوٹ ہو یا جان ومال کے نقصان یا عزت کی پامالی کا قوی اندیشہ ہوتو بغیر کہے ہوئے بھی کسی بھی ذریعہ سے اس کی ملک تک پہنچا دینا ضروری ہوگا، یا اگر مالک معلوم ومتعین نہ ہوتو اس کے وبال سے بچنے کے لئے مالک کی طرف سے اس کا تصدق واجب ہوگا، "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه" (شامی مطلب فیمن حدث مالا حراما ۴/۱۳۰)۔

اس مال حرام کو فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے، البتہ رفاہ عام پر بھی صرف کرنے کی گنجائش ہے (اس کی پوری تفصیل تیسرے مجلہ فقہ اسلامی میں مذکور ہے، وہاں پر یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے)۔

مخلوط مال حرام وحلال پر زکوۃ کا حکم

تیسری صورت جب کہ مال حرام وحلال باہم اس طرح مخلوط ہو چکے ہوں کہ ان کے درمیان تمیز مشکل ہو اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مال حرام وحلال دونوں کے باہم مخلوط ہوجانے کی وجہ سے استہلاک پایا گیا، اس لئے وہ مال جس کے قبضہ میں ہے وہ اس کا مالک ہے۔ اس میں وراثت بھی جاری ہوگی اور اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی۔

جہاں تک ضمان کا تعلق ہے کہ مالک کے آنے پر اس مال کی واپسی ضروری ہے تو اس سلسلہ میں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ضمان اس کے ذمہ میں ہے، عین اسی مال کی واپسی ضروری نہیں ہے۔

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قبضہ کرنے والا مال حرام کا مالک نہیں ہوا، بلکہ وہ مال اس کے پاس بطور امانت ہے، ان دونوں حضرات کے نزدیک ملکیت کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے نہ وراثت جاری ہوگی اور نہ ہی اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں اور علامہ علاء الدین الحصکفی نے ''درمختار'' میں ''الولوالجیہ'' کے حوالہ سے امام صاحب کے قول کو ارفق بالناس قرار دیا ہے، اس لئے کہ ایسا مال کم ہے جو حرام مال سے خالی ہو، اگر اس طرح کے اموال میں وراثت جاری نہ ہو اور زکوۃ واجب قرار نہ دی جائے تو وارثین اور فقراء و مساکین کا حق مارا جائے گا۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق مذکورہ مخلوط مال پر زکوۃ واجب ہے، لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس مال پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف صرف وراثت کے جاری ہونے میں ہے نہ کہ وجوب زکوۃ میں۔ امام صاحب کے نزدیک ملکیت کی وجہ سے وراثت جاری ہوگی اور صاحبین کے نزدیک وراثت جاری نہیں ہوگی، لیکن تینوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ مال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر امام صاحب کا یہ قول کہ ملکیت ثابت ہو جائے گی، تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کے قول کے مطابق زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ وہ مال مضمون بالدین ہے، اگر مالک کا پتہ ہو تو وہ مال مالک کے حوالہ کیا جائے گا، ورنہ بلانیت ثواب اس کا تصدق واجب ہوگا اور وجوب زکوۃ کے لئے مال کا دیون سے فارغ ہونا بھی ضروری ہے۔

علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں یہی اشکال کیا ہے اور امام صاحب کے قول کے مطابق وجوب کی ایک شرط ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے:

''زکوۃ اس شرط کے ساتھ واجب ہے کہ مالکان نے اس مال کی ادائیگی سے بری کر دیا ہو کیونکہ بری کرنے سے قبل وہ مال مضمون بالدین ہے اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی''۔

Marfat.com

علامہ ابن نجیم نے اس قید کو حسن اور اس کو محفوظ کر لینا واجب قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: البحر الرائق ۲/۲۰۵)۔

علامہ شامی نے اس موقع سے جو بحث کی ہے وہ بھی قابل ذکر ہے۔ علامہ شامی نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

الف- مال حرام وحلال کے مخلوط ہونے کی صورت میں اس پر قبضہ کرنے والا شخص اس مال کا مالک تو ہو جائے گا لیکن وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔

ب- اگر مال مخلوط کے علاوہ بقدر نصاب حلال وطیب مال نہیں ہے، تو مال مخلوط پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ مشغول بالدین ہے۔

ج- اگر مال مخلوط کے علاوہ دوسرا جائز مال بقدر نصاب موجود ہے تو اس مال میں زکوۃ واجب ہوگی۔

البتہ اس صورت میں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ زکوۃ صرف زائد مال میں واجب ہوگی جو بقدر نصاب ہے یا مال مخلوط میں بھی واجب ہوگی۔ اگر مال مخلوط میں زکوۃ واجب ہوگی تو پورے مال میں یا صرف جائز و پاک مال میں؟۔

علامہ شامی کی عبارت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ صرف زائد مال میں واجب ہوگی۔ مال مخلوط میں زکوۃ واجب ہی نہیں ہوگی (فی الفصل العاشر من التاتارخانیہ عن فتاوی الحجۃ من ملک أموال غیر طیبۃ الخ شامی ۲/۲۵)۔

لیکن اس سلسلہ میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ اگر مال حرام کی مقدار معلوم و متعین ہو تو حرام مال کی مقدار کے علاوہ جو جائز مال کی مقدار ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور حرام مال کے بقدر صدقہ کرنا ہوگا اور اگر حرام وحلال دونوں باہم اس طرح مخلوط ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مقدار معلوم نہیں ہے تو پورے مال مخلوط پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ پورے مال کو

Marfat.com

صدقہ کرنا ہوگا۔

مال حرام کا مالک ہونے اور نہ ہونے پر زکوۃ کا حکم

اس موقع سے یہ بحث بھی قابل ذکر ہے کہ اگر مال حرام کا مالک معلوم و متعین ہو تو کیا حکم ہے اور اگر معلوم و متعین نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے یا کوئی فرق بھی ہے؟

علامہ شامی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے ان کی بحث سے دو رائیں سامنے آتی ہیں:

۱- اگر مالک معلوم و متعین نہ ہو تو ایسی صورت میں زکوۃ واجب ہوگی۔ اس لئے کہ وہ دین مانع وجوب زکوۃ ہے جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ ہو، اور جب مالک کا پتہ ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ اس دین کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ رہا نہیں، علامہ شامی نے اپنے شیخ کی یہی رائے نقل کی ہے۔

۲- مال حرام کا مالک معلوم و متعین ہو یا نہ ہو بہر دو صورت زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ کل مال کا تصدق واجب ہوگا۔ علامہ شامی کا رجحان بھی یہی ہے۔

خلاصہ جواب

الف- اگر مال مخلوط میں مال حلال وحرام کے درمیان تمیز مشکل ہو اور مال حرام وحلال کی مقدار بھی معلوم و متعین نہ ہو تو کل مال کا تصدق واجب ہوگا۔ اس طرح کے مال پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

ب- اگر مال مخلوط کے علاوہ جائز وطیب مال بقدر نصاب موجود ہو تو اس زائد مال پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ج- مال مخلوط میں اگر حلال وحرام دونوں کی مقدار معلوم و متعین ہو تو مال مخلوط کے حلال

Marfat.com

مال کی مقدار پر بھی زکوۃ واجب ہوگی اور مال حرام کے بقدر صدقہ کرنا ہوگا۔

دین پر زکوۃ

دین پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو دائن اور مدیون دونوں پر یا کسی ایک پر؟ اس سلسلہ میں درج ذیل تفصیل ہے:

۱- دائن اور مدیون دونوں پر زکوۃ واجب ہو، اس کا قائل کوئی بھی فقیہ نہیں ہے۔

۲- دائن اور مدیون دونوں میں سے کسی پر بھی دین کی زکوۃ واجب نہیں ہے، اس کے قائل حضرت عکرمہؒ اور حضرت عطاءؒ ہیں، ابن حزمؒ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے، اصحاب ظواہر کا مسلک بھی یہی ہے، امام مالک کا مسلک بجز چند استثنائی صورتوں کے تقریباً یہی ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دین میں وجوب زکوۃ کی بنیادی شرط ''ملک تام'' نہیں پائی جارہی ہے، نہ تو دائن کی ملکیت تام ہے اور نہ ہی مدیون کی، مدیون کے قبضہ وتصرف میں ہے، لیکن اصل ملکیت حاصل نہیں ہے اور دائن کو اصل ملکیت حاصل ہے، لیکن اس کے قبضہ وتصرف میں نہیں ہے، لہٰذا ملک تام نہ پائے جانے کی وجہ سے کسی پر بھی واجب نہیں ہوگی۔

۳- دور صحابہ سے لے کر ان کے بعد تک کے جمہور فقہاء کے نزدیک مدیون پر تو زکوۃ واجب نہیں ہے، البتہ دائن پر کچھ تفصیل کے ساتھ زکوۃ واجب ہے، جو درج ذیل ہے:

دین کی قسمیں

یہ حضرات دین کی دو قسمیں کرتے ہیں:

الف- دین غیر مرجوہ دین جس کے ملنے کی امید نہ ہو، مثلاً ایسے نادار اور مفلس پر دین ہو جس کی مالداری کی امید نہ ہو، یا ایسے شخص پر دین ہو جو دین کا انکار کرتا ہو اور کوئی شرعی

Marfat.com

شہادت موجود نہ ہو۔

ب- دین مرجووہ دین جس کے ملنے کی امید ہو، مثلاً کسی ایسے صاحب مال پر دین ہو جو اس دین کا اقرار کرتا ہو۔

جس دین کے ملنے کی امید نہ ہو اس پر زکوۃ کا حکم

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''جس دین کے ملنے کی امید نہ ہو اس پر بھی زکوۃ واجب ہے، البتہ اس کی ادائیگی اس پر قبضہ کے بعد لازم ہوگی اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی''۔

امام شافعیؒ اور امام زفرؒ بھی یہی فرماتے ہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک ''ملک تام'' سے مراد اس مال کا مکمل مالک ہونا ہے، خواہ وہ قبضہ وتصرف میں ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک مال ضمار میں زکوۃ واجب نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب اس مال میں ملکیت باقی ہے تو جو حق اللہ ہے، یعنی زکوۃ وہ کیسے ساقط ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس طرح کے دین کا حکم ''مال ضمار'' کا ہے، مال ضمار (وہ مال جس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو) کی طرح قبضہ سے قبل اس دین پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، قبضہ کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ کا وجوب ہوگا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب اس دین کے ملنے کی امید نہیں ہے اور نہ اس سے انتفاع پر قدرت ہے تو اس مال کی وجہ سے غنا کا تحقق نہیں ہوگا اور زکوۃ غنی (صاحب نصاب) پر واجب ہے نہ کہ غیر صاحب نصاب پر۔

علامہ یوسف قرضاوی نے ''فقہ الزکوۃ'' میں اس مسئلہ پر مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے اور اخیر میں امام صاحب کی رائے سے مکمل موافقت کا اعلان کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"ونحن نوافق أبا حنيفة في اعتبار هذا النوع من الدين المجحود أو الميؤس منه والمال الضمار بصفة عامة إذا قبضه صاحبه كالمال الجديد المستفاد" (فقہ الزکاۃ ۱/ ۱۳۵-۱۳۸)۔

جس دین کے ملنے کی امید ہو اس پر زکوۃ کا حکم

جس دین کے ملنے کی امید ہو اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی دو رائیں ہیں:

۱- امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جس دین کے ملنے کی امید ہو وہ "دین قوی" ہے۔ ہر سال اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ زکوۃ کی ادائیگی قبضہ کے بعد لازم ہوگی اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی، لیکن مقتول کی دیت اور بدل کتابت پر قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ قبضہ کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں:

"بدل کتابت اور مقتول کی دیت کے علاوہ اس طرح کے تمام دیون پر صاحب دین کو "ملک تام" حاصل ہے، اس لئے کہ وہ دین کی وصولیابی پر قادر ہے، جب چاہے وہ اس کا بدل وصول کرسکتا ہے، لہذا اس طرح کے تمام دیون پر "ملک تام" پائے جانے کی وجہ سے قبضہ سے قبل بھی زکوۃ واجب ہوگی، البتہ دیت اور بدل کتابت پر دائن کی ملکیت ناقص ہے، اس لئے ان دونوں میں قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ دیت پر اس لئے ملکیت ناقص ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس پر جو دیت ہے وہ ساقط ہو جائیگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیت پر مقتول کے وارثین کی ملکیت ناقص ہے، ورنہ مرنے والے کے ذمہ دین کے ساقط ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور "بدل کتابت" درحقیقت دین ہی نہیں ہے، اس لئے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہو وہ غلام ہے اور غلام پر آقا کا دین واجب نہیں ہوتا

Marfat.com

ہے۔ مکاتب جو کچھ بھی کماتا ہے اس پر من وجہ آقا کی ملکیت بھی رہتی ہے اور من وجہ مکاتب کی بھی۔ آقا کی ملکیت تو اس لئے رہتی ہے کہ غلام کا جو بھی مال ہے وہ آقا کا ہے اور مکاتب کی ملکیت اس لئے رہتی ہے کہ مکاتب اپنی کمائی میں آزاد ہے''۔

۲- امام صاحب اس طرح کے دیون کی تین قسمیں کرتے ہیں: دین قوی۔ دین متوسط اور دین ضعیف۔

دین قوی

کسی کا قرض کسی کے ذمہ ہو یا تاجر نے سامان تجارت فروخت کیا اور خریدنے والے کے ذمہ اس کی قیمت باقی ہے، اس کو دین قوی کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ سال گزرنے کے بعد قبضہ سے قبل بھی ہر سال زکوۃ واجب ہوگی، البتہ اس کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب کہ نصاب زکوۃ کے برابر یعنی چالیس درہم یا اس کی مالیت کے بقدر رقم وصول ہو جائے، اس سے قبل زکوۃ کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی، لیکن ادائیگی کے وقت گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی حساب کر کے ادا کرنا ہوگی۔

واضح رہے کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ اور ۱/۵ رتی چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ آٹھ رتی برابر ایک ماشہ اور بارہ ماشہ برابر ایک تولہ ہوتا ہے، اس طرح چالیس درہم کا وزن دس تولہ چھ ماشہ چاندی کے برابر ہوا، گویا کہ ''دین قوی'' میں زکوۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب کہ دس تولہ اور چھ ماشہ چاندی یا اس کی قیمت کے بقدر قرض وصول ہو جائے۔

دین متوسط

وہ قرض جو کسی سامان کی قیمت ہو، لیکن وہ سامان تجارت کی قیمت نہ ہو۔ اس کو ''دین متوسط'' کہتے ہیں۔ اس دین پر زکوۃ واجب ہونے کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں

Marfat.com

ہیں۔ایک یہ کہ اس کا حکم دین قوی کی طرح ہے کہ "دین قوی" کی طرح اس میں بھی گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، البتہ اس میں زکوۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی، جبکہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کے بقدر قرض وصول ہو جائے۔

امام صاحب سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں دین ضعیف کی طرح گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ قبضہ کے بعد جب سال گزر جائے تو زکوۃ واجب ہوگی، صاحب بدائع وغیرہ نے اسی دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۸۲۶/۲-۸۲۷)۔

دین ضعیف

وہ قرض جو کسی مال کے عوض مدیون پر عائد نہ ہو خواہ وہ کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو، جیسے حصہ میراث یا وصیت کا مال جو کسی پر قرض ہو یا کسی چیز کا معاوضہ تو ہو، لیکن مال کا معاوضہ نہ ہو مثلاً مہر، یہ معاوضہ تو ہے، لیکن مال کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ ملک بضعہ کا معاوضہ ہے جو مال نہیں ہے، اس کو دین ضعیف کہتے ہیں۔دین ضعیف پر قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہے، قبضہ کے بعد جب سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

دیون کی مذکورہ بالا تقسیم اور دین قوی پر زکوۃ واجب ہونے اور دین متوسط اور دین ضعیف پر زکوۃ واجب نہ ہونے کے سلسلہ میں امام صاحب کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱- پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ دین درحقیقت مال نہیں ہے بلکہ صاحب دین کو مال کا مالک بنا دینے اور مال اس کے حوالہ کر دینے کا ایک واجبی اور ضروری عمل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل مال نہیں ہے، لہذا جب دین مال نہیں تو اصولاً تمام دیون میں زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے کیونکہ زکوۃ مال میں واجب ہوتی ہے، البتہ جو دین مال تجارت کے عوض میں ہو وہ مال کے حکم میں ہے،

Marfat.com

کیونکہ کسی چیز کا بدل اس کے قائم مقام ہوا کرتا ہے گویا کہ خود مال تجارت اس کے قبضہ میں ہے جس پر سال گزر رہا ہے لہذا اصولاً وشرعاً دین قوی میں تو زکوۃ واجب ہونی چاہئے، دوسرے دیون میں نہیں۔

۲- دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر دین کو مال مملوک تسلیم کرلیا جائے تب بھی چونکہ یہ قبضہ وتصرف میں نہیں ہے اور نہ ہی اس پر قبضہ کا احتمال ہے کیونکہ دین ذمہ میں واجب ہے، حقیقۃً مال نہیں ہے اور جو چیز ذمہ میں واجب ہو اس پر قبضہ کا احتمال نہیں رہتا ہے، اس لئے مال مملوک تسلیم کرلینے کی صورت میں بھی تمام دیون پر اصولا زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، البتہ جو دین مال تجارت کے عوض میں ہو اس کو مال تجارت کے قائم مقام دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس پر قبضہ کا احتمال ہے، کیونکہ کسی شئ کا بدل اس شئ کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا اس دین پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

دیون کی اس تقسیم اور عدم تقسیم کے سلسلہ میں فتوی امام صاحب کے قول پر ہے، اسی قول کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے، البتہ صاحبین کا قول اختیار کرنا احوط ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدائع ۲/ ۸۲۶-۸۲۸، البحر الرائق ۲/ ۲۰۷ فتاوی خانیہ ۱/ ۲۵۲)۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوۃ

سرکاری محکمے یا پرائیویٹ کمپنیز یا ادارے اپنے اپنے ملازمین کی تنخواہ سے جو رقم قانوناً اور جبراً ہر ماہ وضع کر کے اس میں اضافہ کے ساتھ ملازمین کے محفوظ کھاتے میں رکھ دیتے ہیں، اور ان کے ریٹائرمنٹ کے بعد ان کو یا ان کے انتقال کے بعد ان کے وارثین کو اضافہ شدہ رقم کے ساتھ پوری رقم واپس کر دیتے ہیں جس کو آج کی اصطلاح میں پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے، اس پوری رقم کے حقدار وہ ملازمین ہوتے ہیں، یا ان کا واجبی حق ہے جو ان کو یا ان کے وارثین کو ملنا ہے، لہذا اس کی حیثیت ایسے دین کی ہوگی جس کے ملنے کی امید ہو۔

Marfat.com

چونکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ دین جس کے ملنے کی امید ہو وہ دین قوی ہے اور اس پر ہر سال زکوۃ واجب ہوتی ہے، قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنا ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں حضرات کے نزدیک پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر قبضہ سے قبل بھی ہر سال زکوۃ واجب ہوگی اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنا ہوگی، علامہ یوسف القرضاوی نے بھی ''فقہ الزکوۃ'' میں یہی بات لکھی ہے، اور ان کی رائے بھی صاحبین کی رائے کے موافق ہے،

"فالذی أرجحه أن ملکه فی هذه الحال ملک تام وهی کالدین المرجو الذی قال فیه أبو عبید: إنه بمنزلة المال الذی فی یده، فحینئذ تجب فیها الزکوة فی کل حول إذا بلغت نصاباً وتوفرت الشروط الأخری من السلامة من الدین ونحوه" (فقہ الزکاۃ ۱/۱۳۹)۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق غور کرنا ہوگا کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم دیون کی کس قسم میں داخل ہے؟ ''دین قوی'' میں یا ''دین متوسط'' میں یا ''دین ضعیف'' میں یا ''مال ضمار'' میں اس کا شمار ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دین قوی ہو نہیں سکتا ہے، اس لئے کہ دین قوی مال تجارت کا معاوضہ ہوتا ہے یا دیا ہوا قرض ہوتا ہے اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ان میں سے نہ تو مال تجارت کا معاوضہ ہے اور نہ ہی دیا ہوا قرض، یہ دین متوسط بھی نہیں، اس لئے کہ دین متوسط کسی غیر تجارتی مال کا معاوضہ ہوتا ہے اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقم مال کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے جو مال نہیں ہے، خدمت مال ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حسب تصریحات فقہاء ''عبد تجارت'' (وہ غلام جو تجارت کے لئے ہو) کی خدمت تو مال ہے، لیکن کوئی بھی فقیہ آزاد شخص کی خدمت کو مال قرار نہیں دیتا ہے، اس رقم کو ''مال ضمار'' میں بھی شامل نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اس دین کے ملنے کی امید ہے اب لامحالہ اس کو ''دین ضعیف'' میں شامل کرنا ہوگا جس پر قبضہ کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، اوپر دیون کی تفصیل میں یہ بات گذر چکی

Marfat.com

ہے، امام ابوحنیفہ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے اور صاحبین کا قول احوط ہے، لہٰذا مفتی بہ قول کے مطابق پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہے، بلکہ قبضہ کے بعد جب اس پر سال گزر جائے تو زکوۃ واجب ہوگی، یا اگر پہلے سے بقدر نصاب اس کے پاس مال موجود ہو جس پر سال گزر رہا ہو تو مال مستفاد کی طرح اس رقم کو بھی سابق نصاب کے ساتھ ضم کر کے زکوۃ ادا کرنی ہوگی، قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا نہیں کرنی ہوگی۔

وجوب زکوۃ کی دوسری شرط نماء

وجوب زکوۃ کی دوسری شرط مال کا ''نامی'' ہونا ہے۔ مال غیر نامی میں زکوۃ شرعاً واجب نہیں ہے۔ وجوب زکوۃ کے لئے ''مال نامی'' کی شرط کیوں ہے۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

''زکوۃ کی مشروعیت اس لئے ہے تاکہ اللہ تعالی نے جس مال و دولت سے سرفراز فرمایا ہے وہ اپنے مال کا کچھ حصہ نکال کر فقراء و مساکین کو دے جس سے ان کی غمخواری ہوگی، زکوۃ میں اتنا مال نہ دے جس سے وہ خود فقیر ہو جائے، اگر ایسے مال میں زکوۃ واجب قرار دی جائے جس میں ''نمو'' کی صلاحیت نہ ہو تو زکوۃ دینے والا خود ہی فقیر ہو جائے گا جو اسلامی روح کے خلاف ہے'' (فتح القدیر ۲/۱۵۵)۔

وجوب زکوۃ کی تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ہے

وجوب زکوۃ کی شرطوں میں سے ایک بنیادی شرط ''اموال نامیہ'' کا حوائج اصلیہ سے زائد ہونا ہے، جو مال حوائج اصلیہ میں شامل ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس مال کے ذریعہ غنی کا تحقق نہیں ہوتا ہے اور زکوۃ شرعاً غنی پر واجب ہے، نیز حوائج اصلیہ میں شامل اموال پر زکوۃ کی ادائیگی خوش دلی سے نہیں ہو سکتی ہے، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"أدوا زكوة أموالكم طيبة بها أنفسكم" (اپنے اموال کی زکوۃ خوش دلی سے نکالو)۔

حاجت کے ساتھ اصلیہ کی قید کیوں لگائی گئی ہے اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ یوسف القرضاوی نے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

"چونکہ انسان کی حاجتیں بے شمار اور لا محدود ہیں۔ خاص طور سے اس زمانہ میں جب کہ تعیش وکمال، حاجت کا، اور حاجت ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے، اس لئے ہر وہ چیز جس کی خواہش انسان رکھتا ہے اس کو حاجت اصلیہ میں شمار کر کے وجوب زکوۃ سے خارج نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان حریص ہے اگر اس کو سونے کی دو وادی مل جائے تو خواہش کرے گا کہ تیسری بھی مل جائے" (ملاحظہ ہو: وإنما قلنا: الحاجة الاصلية، لأن حاجات الإنسان كثيرة الخ" (فقہ الزکاۃ ۱/۱۵۲)۔

حاجت اصلیہ کی تعریف

حاجت اصلیہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف علامہ یوسف القرضاوی نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

حاجت اصلیہ ہر وہ چیز ہے جو انسان کی بقا کے لئے ضروری اور معین ومددگار ہو، جیسے کہ کھانا، کپڑا، پانی یا رہائشی مکان یا جس علم وفن کو حاصل کرنے والا ہے اس علم وفن کی کتابیں۔ یا جس پیشہ کو اختیار کرنے والا ہو اس پیشہ کے آلات وغیرہ (حوالہ سابق)۔

فقہاء حنفیہ نے حاجت اصلیہ کی نہایت ہی علمی اور دقیق تفسیر بیان کی ہے، چنانچہ علامہ شامی ابن ملک کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:

"وهي ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى الخ" (رد المحتار ۲/۶)۔

Marfat.com

یعنی حاجت اصلیہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کو ہلاکت سے محفوظ رکھے خواہ وہ ہلاکت حقیقی ہو یا تقدیری، حقیقی کی مثال نفقہ، رہائشی مکان، آلات حرب، سردی، گرمی سے بچنے کیلئے ضروری کپڑے ہیں اور تقدیری کی مثال ''دین'' ہے، اس لئے کہ مدیون اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ اس کو دے کر قرض کی ادائیگی کر دے تاکہ قید وغیرہ سے محفوظ رہ سکے، کیونکہ قید ایک طرح سے ہلاکت ہی ہے، آلات حرفہ، گھریلو سامان اور سواری کے جانور بھی تقدیری کی مثال ہیں، اسی طرح علم وفن حاصل کرنے والوں کے لئے اس علم وفن کی کتابیں ہیں کیونکہ جہالت ہلاکت کے مانند ہے۔

خلاصہ یہ کہ حاجت اصلیہ میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو انسان کی بقاء اور اس کے وجود کے لئے ضروری ہیں اور جو اس کو ہلاکت سے محفوظ رکھ سکیں خواہ حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔

حاجت اصلیہ کا دائرہ

یہاں پر ایک بحث یہ ہے کہ حاجت اصلیہ کا دائرہ کیا ہے؟ آیا جس شخص کے مال پر زکوۃ واجب ہے اسی کی ضروریات کی چیزیں حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گی یا دوسرے لوگوں کی ضروریات بھی اس کے حوائج اصلیہ کے تحت آئیں گی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حاجت اصلیہ کا دائرہ صرف زکوۃ دینے والے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کی ضروریات کے ساتھ بیوی، نابالغ اولاد یا جن بالغ اولاد کا نفقہ اس پر واجب ہے، اسی طرح والدین اور دیگر رشتہ دار جن کا نفقہ واجب ہے ان سب کی ضروریات اس کے حوائج اصلیہ میں شمار ہوں گی ''**والمعتبر هنا: الحاجات الأصلية للمكلف بالزكوة ومن يعوله من الزوجة والأولاد، مهما بلغ عددهم، والوالدين والأقارب الذين تلزمه نفقتهم، فإن حاجتهم من حاجته**'' (فقہ الزکاۃ)۔

Marfat.com

حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور کے اعتبار سے ہوگا

چونکہ زمانہ، حالات اور ماحول کی تبدیلی سے لوگوں کی حاجت وضرورت میں تبدیلی آتی رہتی ہے، ہر دور میں ہر ایک کی حاجت وضرورت یکساں نہیں ہوتی۔ایک چیز ہے جو عام انسانوں کی حاجت ضرورت سے خارج ہے، لیکن کسی خاص انسان مثلاً وزیر اعظم کی حاجت وضرورت میں شامل ہے، اس لئے ''حاجت اصلیہ'' کا تعین ہر دور اور ہر زمانہ کے اعتبار سے ہوگا حتی کہ افراد واشخاص کے اعتبار سے بھی حاجت اصلیہ کا تعین علیحدہ علیحدہ ہوگا۔وقت کے صاحب الرای اور اولی الأمر جو لوگ ہوں گے ان پر چھوڑ دیا جائے گا، وہ جس کو'' حاجت اصلیہ'' میں شمار کریں گے اس کا شمار'' حاجت اصلیہ'' میں ہوگا، ہر ایک کو'' حاجت اصلیہ'' کے تعین کا اختیار نہیں ہوگا'' والذی نری علی کل حال أن الحاجات الأصلية للإنسان قد تتغير وتتطور بتغير الأزمان والبيئات والأحوال، والأوى أن تترک لتقدير أهل الرأی واجتهاد أولی الأمر'' (فقہ الزکوۃ ۱/ ۱۵۳)۔

وجوب زکوۃ کی چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا ہے

وجوب زکوۃ کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط'' مال نامی'' کا دین سے محفوظ ہونا بھی ہے، اگر'' مال نامی'' حوائج اصلیہ سے زائد ہے، لیکن دین سے محفوظ نہیں ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔مثلاً کسی کے پاس دس ہزار روپے حوائج اصلیہ سے زائد ہیں، لیکن وہ دس ہزار روپۓ میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ بقیہ پانچ ہزار روپۓ میں زکوۃ واجب ہوگی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے ماہ رمضان المبارک میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کی موجودگی میں خطبہ دیا، اور خطبہ کے دوران یہ ارشاد فرمایا:

''فمن كان له وعليه دين فليحسب ماله بما عليه ثم يترک بقية ماله''

Marfat.com

یعنی اگر کسی کے پاس مال ہے اور اس پر دین بھی ہے تو دین کے بقدر مال الگ کر کے بقیہ مال کی زکوۃ دے، کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ مدیون کا مال زکوۃ کے عموم سے خارج ہے اور مال کی جو مقدار دین کی ادائیگی کے ساتھ مشغول ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، نیز جو مال دین کی ادائیگی کے ساتھ مشغول ہو وہ حوائج اصلیہ میں سے ہے، کیونکہ دین کی ادائیگی انسان کی حاجت اصلیہ میں شمار ہوتی ہے، اور جس مال کا شمار حوائج اصلیہ میں ہو اس کی موجودگی میں غنی کا تحقق نہیں ہوتا ہے اور زکوۃ غنی پر واجب ہے نہ کہ غیر غنی پر، لہذا دین کے بقدر جو مال ہے وہ مال زکوۃ نہیں قرار پائے گا اور اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

اب یہاں پر تین باتیں قابل ذکر ہیں جن پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی:

۱-کس مال میں دین مانع وجوب زکوۃ ہے؟

۲-وہ دین جو مانع وجوب زکوۃ ہے، اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

۳-کون سا دین مانع وجوب زکوۃ ہے؟

پہلی صورت کس مال میں دین مانع وجوب زکوۃ ہے

کس مال میں دین مانع وجوب زکوۃ ہے، اس سلسلہ میں غور کرنے سے فقہاء کرام کے تین اقوال سامنے آتے ہیں:

الف-بعض فقہاء اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اموال باطنہ (نقود اور اموال تجارت) میں دین مانع وجوب زکوۃ ہے، اموال ظاہرہ (سائمہ جانور اور کھیت کی پیداوار) میں نہیں۔

ب-جمہور کے نزدیک اموال ظاہرہ اور باطنہ دونوں طرح کے اموال میں دین مانع وجوب زکوۃ ہے۔

Marfat.com

ج-البتہ امام ابوحنیفہؒ کا راجح قول یہ ہے کہ کھیت کی جو بھی پیداوار ہو خواہ غلے ہوں یا پھل وغیرہ اس میں دین مانع وجوب زکوۃ نہیں ہے، دین کے باوجود زمین کی کل پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، بلکہ زمین سے جو بھی پیداوار ہوگی اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، اسی وجہ سے اراضی موقوفہ کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، یہی قول احناف کا مفتی بہ ہے اور اسی پر عمل بھی ہے "وأما علی ظاهر الرواية فلأن العشر مؤنة الأرض النامية كالخراج فلا يعتبر فيه غنى المالك، ولهذا لا يعتبر فيه أصل الملك عندنا، حتى يجب في الأراضي الموقوفة وأرض المكاتب" (شامی؛ کتاب الزکوۃ ۲/۵)۔

دوسری صورت- اس دین کی قسمیں جو مانع زکوۃ ہے

جو دین مانع وجوب زکوۃ ہے اس کی بنیادی دو قسمیں ہیں: دین اللہ اور دین العبد۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی مختلف صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-دین اللہ جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ ہو۔ مثلاً زکوۃ "دین اللہ" ہے، لیکن اس کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہے، اس لئے کہ "اموال ظاہرہ" میں تو خود سلطان مطالبہ کرتا ہے اور "اموال باطنہ" میں اس کے نائب، یعنی اصحاب اموال، حضرت عثمان غنیؓ کے ابتدائی دور تک تو "اموال ظاہرہ" اور "اموال باطنہ" دونوں کی زکوۃ کی وصولیابی حکومت وقت کی جانب سے ہوا کرتی تھی، لیکن جب بعد میں اموال کی کثرت ہوئی اور زکوۃ کی وصولیابی اور تمام اموال کا تتبع دشوار ہوا تو حضرت عثمان غنیؓ نے خود اصحاب اموال کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیدیا، اس طرح اصحاب اموال سلطان کے نائب اور وکیل قرار پائے، اسی وجہ سے اگر اصحاب اموال "اموال باطنہ" کی زکوۃ از خود ادا نہ کریں تو سلطان ان سے زکوۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

۲-دین اللہ جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہ ہو، مثلاً حج فرض یا نذر یا نماز، روزہ وغیرہ کا کفارہ کہ یہ سب دین اللہ ہیں، لیکن ان کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہیں ہے۔ اسی وجہ

Marfat.com

سے ان کی ادائیگی پر نہ تو کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قید و بند کیا جا سکتا ہے۔

۳- دین العبد جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ ہو، مثلاً ایسا دین ہے جس کے مالک کا پتہ ہے اس طرح کے دین کا مطالبہ کرنے والا خود مالک یا اس کا نائب موجود ہے۔

۴- دین العبد جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہ ہو، مثلاً کسی کے پاس مال حرام ہے لیکن اس کے مالک کا پتہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں مال حرام ''دین العبد'' تو ہے، لیکن اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہیں ہے، اسی طرح ''مہر مؤجل'' کہ اس کی ادائیگی کا وقت موت یا طلاق ہے، ہندوستانی عرف و عادت کے مطابق بیوی موت یا طلاق سے قبل اپنے اس دین کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے، گویا کہ یہ دین ہی نہیں ہے، اس طرح مہر مؤجل دین العبد تو ہے، لیکن کوئی عبد اس کا مطالبہ کرنے والا نہیں ہے۔

۵- دین العبد اصالۃ ہو۔ یعنی براہ راست یہ دین اس کے ذمہ عائد ہو۔ کسی دوسرے کے دین کی ذمہ داری نہ لی ہو۔

۶- دین العبد کفالہ ہو۔ کسی پر دوسرے شخص کا قرض تھا، مقروض شخص اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا تھا، یا اس کی ادائیگی سے قاصر تھا اور قرض دینے والا مسلسل اس سے مطالبہ کر رہا تھا اور پریشان کئے ہوا تھا، دوسرے شخص نے اس قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لی جس نے قرض کی ضمانت لی ہے اس پر یہ دین اصالۃ نہیں ہوگا بلکہ کفالۃ ہوگا، قرض دینے والا اپنے قرض کا مطالبہ ضمانت لینے والے سے بھی کر سکتا ہے۔

۷- دین العبد معجّل ہو، یعنی وہ دین جس کی ادائیگی فی الفور ضروری ہو، دائن ہر وقت اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۸- دین العبد مؤجل ہو، وہ دین جس کی ادائیگی فی الفور ضروری نہ ہو، دائن وقت سے پہلے اپنے دین کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے۔

Marfat.com

یہ دین کی چند صورتیں ہوئیں، ان میں سے کون سا دین مانع وجوب زکوۃ ہے اور کون سا نہیں؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسری صورت کون سا دین مانع وجوب زکوۃ ہے؟

تیسری اور اہم بحث یہ ہے کہ مذکورہ بالا دیون میں سے کون سا دین مانع وجوب زکوۃ ہے اور کون سا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی یہ تصریحات موجود ہے کہ وہ دین مانع وجوب زکوۃ ہے جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ موجود ہے، خواہ وہ دین اللہ ہو یا دین العبد، اصالۃً ہو یا کفالۃً اور مؤجل ہو یا معجّل، لہذا زکوۃ جو دین اللہ، لیکن مطالبہ کرنے والا بندہ، یعنی سلطان یا اس کا نائب موجود ہے، یا کسی کے دین کی ضمانت لے لی ہو یا طویل الاجل دین ہو یہ مانع وجوب زکوۃ ہیں، علامہ علاء الدین الحصکفی ''درمختار'' میں لکھتے ہیں:

''فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة وخراج أو للعبد ولو كفالة أو مؤجلا الخ'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۵)۔

البتہ اگر ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہیں ہے وہ مانع وجوب زکوۃ نہیں ہے، لہذا نذور، کفارات، صدقہ فطر اور وجوب حج وغیرہ، یہ دیون مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا مطالبہ کرنے والا کوئی عبد نہیں ہے، ان کا اثر احکام آخرت میں ظاہر ہوگا یعنی ان کی ادائیگی پر ثواب اور ترک پر گناہ ہوگا، احکام دنیا میں ان کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا، اسی وجہ سے اس طرح کے دیون کی ادائیگی پر نہ تو جبر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عدم ادائیگی پر قید و بند۔ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''وأما الديون التي لا مطالب لها من جهة العباد كالنذور والكفارات الخ'' (بدائع ۲/ ۸۲۱)۔

Marfat.com

جہاں تک اس مال حرام کا تعلق ہے جس کے مالک کا پتہ نہیں ہے، اصولاً اس کو مانع وجوب زکوۃ نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی عبد نہیں ہے، لیکن یہ بھی مانع وجوب زکوۃ ہے اس کی تفصیل مال حرام کی بحث میں گزر چکی ہے۔

مہر مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟

ایک بحث مہر کی رہ جاتی ہے کہ مہر مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں:

۱- مطلقاً مہر مانع وجوب زکوۃ ہے خواہ معجّل ہو یا مؤجل اور اس کی ادائیگی کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

۲- مہر معجّل مانع ہے۔ مہر مؤجل نہیں۔

۳- اگر شوہر مہر ادا کرنے کا عزم رکھتا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں۔

علامہ شامی نے قہستانی کے حوالہ سے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے" زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع" (شامی ۲/۵)، جبکہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ یعنی اگر شوہر مہر کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں۔

راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ اگر مہر معجّل ہے تو یہ مانع وجوب زکوۃ ہے خواہ شوہر فی الفور ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، اس لئے کہ عورت جس وقت چاہے اپنے مہر معجّل کا مطالبہ کرسکتی ہے، اس میں طلاق اور موت سے قبل بھی مطالبہ کا حق ہے، اسی طرح اگر مہر مؤجل ہے اور شوہر کا فی الحال مہر کی ادائیگی کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو چونکہ ہندوستانی عرف وعادت کے مطابق موت یا طلاق سے قبل عورت کو مہر کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے ایسی صورت میں مہر مؤجل مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوگا۔

Marfat.com

دین طویل الاجل بھی مانع زکوۃ ہے

چونکہ فقہی تصریحات کے مطابق دین مؤجل بھی مانع زکوۃ ہے جیسا کہ اوپر درمختار وغیرہ کے حوالہ سے گذر چکا، اس لئے سرکار کی جانب سے مختلف پروگراموں کے لئے ملنے والا قرض جس کی ادائیگی کے لئے ایک لمبی مدت مقرر ہوتی ہے، مانع وجوب زکوۃ ہے۔ پورے قرض کو منہا کرنے کے بعد بقیہ مال کی زکوۃ واجب الاداء ہوگی۔

کمپنیز پر زکاۃ

کمپنیز جس کی مالیت مشترک ہے چند افراد کے درمیان، کسی خاص فرد کی ملک نہیں۔ اور مال مشترک کا حکم یہ ہے کہ اس کی مجموعی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہر شریک کے حصہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اسی پر شرعاً زکوۃ واجب ہوتی ہے جس کے حصہ کی مالیت بقدر نصاب پہنچ جائے، لہذا مذکورہ صورت میں وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں کمپنیز کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر فرد کے حصہ کا علیحدہ علیحدہ اعتبار کیا جائے گا، جس کے حصہ کی مالیت بقدر نصاب ہو اسی پر زکوۃ شرعاً واجب ہوگی۔ مال مشترک پر زکاۃ کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو ''درمختار'' اور ''شامی'' کی عبارت:

''ولا تجب الزكاة عند ما في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة الخ'' (شامی باب زکاۃ المال ۲/۳۴)

ہیرے اور جواہرات پر زکوۃ

اصول یہ ہے کہ سونے اور چاندی یا مختلف ممالک کی مختلف کرنسیاں جو ''ثمن'' کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور سائمہ جانوروں کے علاوہ کسی بھی مال میں جب تک اس کو تجارت کی نیت سے حاصل نہ کیا جائے زکوۃ واجب نہیں ہوتی، اسی وجہ سے فقہاء نے صراحۃً لکھا ہے کہ

Marfat.com

ہیرے، جواہرات، مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ یا جائداد یا وہ جانور جن کو چارہ کھلایا جاتا ہے یا غلام یا کپڑے یا دیگر سامان وغیرہ میں شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہے، الا یہ کہ ان کو تجارت کی نیت سے حاصل کیا جائے، لہذا مذکورہ صورت میں جو ہیرے اور جواہرات محض انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے خرید کر محفوظ کردیئے جاتے ہیں، خریدتے وقت ان میں تجارت کی نیت نہیں ہوتی ان پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو خواتین ہیرے اور جواہرات کو محض تزئین اور آرائش کے لئے استعمال کرتی ہیں ان پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہے، گرچہ ان ہیروں اور جواہرات کی قیمت ہزاروں اور لاکھوں روپئے کیوں نہ ہوں۔ " لا زکاۃ فی اللآلی والجواھر وإن ساوت ألفا اتفاقاً إلا أن تکون للتجارۃ الخ" (ردالمحتار ۲/ ۱۴)۔

اموال تجارت کی زکوۃ میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا

مفتی بہ قول کے مطابق زکوۃ کی ادائیگی کے وقت سامان تجارت کی جو قیمت ہوگی اسی قیمت کا اعتبار کیا جائیگا، اور اسی حساب سے زکوۃ ادا کی جائے گی، سامان تجارت کی خرید وفروخت جس اعتبار سے ہوتی ہو اسی اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی "وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء إجماعاً، وھو الأصح، وفی المحیط: یعتبر یوم الأداء بالإجماع وھو الأصح.... فاعتبار یوم الأداء یکون متفقاً علیه عنده وعندھما" (شامی ۲/ ۲۲)۔

اگر سامان کی خرید وفروخت تھوک بھاؤ سے ہوتی ہو تو تھوک بھاؤ سے اور اگر پھٹکر کے اعتبار سے ہوتی ہو تو اسی اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

"وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء الخ (شامی ۲/ ۲۲)۔

اراضی کی خرید وفروخت کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ غلہ حاصل کرنے کے لئے

Marfat.com

خریدی جائے اور ضرورت پڑنے پر فروخت بھی کی جائے، ایسی صورت میں اراضی کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، اگر زمین عشری ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اراضی کی خرید وفروخت تجارت کی غرض سے ہو، یعنی اراضی کی خرید وفروخت کا کاروبار ہی ہو اور ضمنی طور پر غلہ بھی حاصل کیا جائے، ایسی صورت میں جو اراضی سال گزرنے پر مالک کے پاس بچ جائے وہ اموال تجارت میں شمار ہوں گی اور ان اراضی کی مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی۔ زکوۃ کی ادائیگی کے وقت ان اراضی کی جو قیمت ہوگی اس قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

شیئرز کی زکوۃ

شیئرز چونکہ تجارتی سرمایہ ہے، اس لئے اس پر شرعاً زکوۃ واجب ہوگی۔ البتہ یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ شیئرز کی زکوۃ کس اعتبار سے ادا کی جائے گی۔ یعنی زکوۃ اصل رقم پر واجب ہوگی یا اصل رقم اور منافع دونوں پر یا زکوۃ کی ادائیگی کے وقت بازار میں اس شیئرز کی جو قیمت ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً ایک تجارتی کمپنی قائم ہے جس کی مالیت ایک لاکھ کی ہے جس میں دس آدمی شریک ہیں۔ زید نے بھی دس ہزار روپئے جمع کیا اور دس ہزار روپے کے بدلہ کمپنی کا مالک ہوگیا۔ ایک سال کے بعد زید کو ایک ہزار روپئے نفع ملے۔ اب کمپنی میں زید کی مالیت گیارہ ہزار روپئے ہوگئی اور اسی شیئر کی قیمت بازار میں مثلاً بارہ ہزار روپئے ہے۔ تو زکوۃ ان تینوں میں سے کس مالیت کے اعتبار سے واجب ہوگی؟۔

فقہی تصریحات اور اصول کے اعتبار سے زکوۃ کی ادائیگی کے وقت اصل رقم اور منافع کی جو مالیت ہے یعنی گیارہ ہزار روپئے اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ اس لئے کہ تجارتی اموال میں اصل سرمایہ اور منافع دونوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، اس میں بازار کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص شیئرز کی خرید وفروخت کا کاروبار ہی کرتا ہے تو ایسی صورت میں زکوۃ

Marfat.com

کی ادائیگی کے وقت بازار میں اس شیئرز کی جو قیمت ہوگی اس قیمت کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی۔

بونڈس کی زکوۃ

بونڈس جو درحقیقت قرض ہے جس کی ادائیگی کی مدت کمپنی یا حکومت کی جانب سے ۵/سال یا دس سال کی مقرر ہوتی ہے، اس کی حیثیت ''دین قوی'' کی ہے۔ لہذا ''دین قوی'' کی طرح ہر سال اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ اس کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب کہ کم از کم نصاب زکوۃ کے ۱/۵ کے بقدر رقم وصول ہو جائے۔ قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

Marfat.com

مشترک سرمایہ میں زکوۃ کی فرضیت کی نوعیت

مولانا اعجاز احمد اعظمی ☆

زکوۃ اسلام کے پانچ بنیادی فرائض میں سے ایک ہے، جو صاحب نصاب مسلمان پر عائد ہوتی ہے، اس کے احکام ومسائل، جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے اس کی درج ذیل تعریف کی ہے:

"تملیک جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر هاشمي ولا مولاه لله تعالی" (درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۵۷)۔

(کسی مسلمان فقیر کو جو نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کے موالی میں سے ہو، مال کے ایک حصہ کا جسے شریعت نے متعین کیا ہے اللہ کے واسطے مالک بنانا)۔

اور اس کا سبب فرضیت یہ تحریر کیا ہے کہ:

"ملک نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وعن حاجته الأصلية نام ولو تقديراً" (حوالہ سابق)۔

ایسے نصاب کی ملکیت تامہ جس پر سال پورا ہو چکا ہو اور اس پر کوئی ایسا دین نہ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو، نیز اس کی حاجت اصلیہ سے فارغ ہو اور وہ نامی ہو، اگر چہ وہ حکماً ہی ہو۔

☆ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

سوالنامے کے دونوں محور کا جواب اسی سبب کی تفصیل میں مضمر ہے، اس میں چند باتیں قابل غور ہیں:

۱- ملک تام

۲- نصاب حولی

۳- فراغت عن الدین

۴- فراغت عن الحاجۃ الأصلیۃ

۵- نماء

یہی پانچ نکتے ہیں جن پر اس مجلس میں غور کرنا ہے۔

سوال: ملک تام سے کیا مراد ہے؟

"إن المراد بالملک التام المملوکۃ یداً ورقبۃً" (درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۶۹)۔

ملک تام سے مراد یہ ہے کہ شئ کا مالک ہو، اور قبضہ بھی اسی کا ہو، اگر قبضہ نہ ہو تو ملکیت ناقص ہے، یا قبضہ ہو، لیکن شئ کا مالک نہ ہو تو یہ بھی ناقص ہے، لیکن بعض اوقات ملکیت ناقصہ، ملک تام کے حکم میں ہوتی ہے، اس کی تفصیل دین کے اقسام کے سلسلے میں آرہی ہے۔

سوالات کے جواب

۱- مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، اور مال ابھی وصول نہ ہوا ہو، "بحر الرائق" میں "محیط" کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں زکوۃ خریدار پر واجب ہوگی، لیکن ادائیگی کا وجوب قبضہ کے بعد ہوگا اور سالہائے ماضی کی بھی زکوۃ دینی ہوگی (بحر ۲/۲۰۸-۲۰۹)۔

محیط میں "اقسام دین کے بیان" کے تحت مذکور ہے کہ مبیع قبضہ سے پہلے نصاب نہیں ہوتا، کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت ناقص ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ نصاب ہو جاتا ہے، اس

Marfat.com

لئے کہ وہ ایسے مال کا عوض ہے جس پر اس کا قبضہ ثابت تھا اور اسے عوض پر قبضہ کرنا عین ممکن ہے، پس اس کا قبضہ نصاب پر معتبر مانا جائے گا، کیونکہ شرعا وہ قبضہ پر قدرت رکھتا ہے، اس بنیاد پر فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قبضہ سے پہلے زکوۃ کی ادائیگی واجب نہ ہوگی، لیکن قبضہ کے بعد گذشتہ مدت کی زکوۃ بھی واجب ہوگی، جیسا کہ دین قوی (دین قوی کی تعریف آگے آرہی ہے) میں ہوتا ہے۔

اور قیمت جو پیشگی ادا کردی گئی، اس پر بائع کی ملک تام ہوگئی، اس لئے اس کی زکوۃ بائع کے ذمہ ہوگی، آگے ایک مسئلہ اجارہ کا آرہا ہے اسی میں اس مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے۔

۲- کرایہ کی مد میں دی گئی رقم جو پیشگی ادا کردی گئی ہو، اس کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی جس نے رقم وصول کی ہے، کیونکہ وہ اس پر ملکیت تامہ رکھتا ہے۔

امام ابوبکر محمد بن الفضل بخاری نے ذکر کیا ہے کہ اجارہ طویلہ جس کا تعارف اہل بخارا میں ہے، اس میں پیشگی دی ہوئی اجرت کی رقم کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی، کیونکہ جب تک اجارہ فسخ نہ ہو، اس رقم کا مالک وہی ہے (بدائع ۲/۶)۔

اور جو رقم ڈپوزٹ ہوتی ہے اور بعد میں واپس کردی جاتی ہے وہ بحکم رہن ہے، (ولو استأجر داراً أو شيئاً وأعطى بالأجرة رهناً جاز) (ہندیہ ۴۳۵/۵) اگر کسی نے مکان یا کوئی اور چیز کرایہ پر لی اور اجرت کے عوض کوئی چیز بطور رہن کے دی تو جائز ہے، ظاہر یہی ہے کہ ڈپوزٹ رقم جو بعد میں واپسی کے ساتھ مشروط ہوتی ہے وہ رہن اجرت ہی بنے گی، خود شئی مستاجر کے عوض تو رہن رکھنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ امانت ہے، پس وہ اجرت ہی کے عوض تسلیم کیا جائے گا اور رہن کے متعلق تصریح ہے کہ اس میں زکوۃ سرے سے واجب ہی نہیں ہوتی، نہ راہن پر نہ مرتہن پر اور نہ مال مرہون میں قبضہ کے بعد اس پر، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی نہ مرتہن پر، ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے، اور نہ راہن پر، قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے، اور جب راہن اس شئ مرہون کو واپس

Marfat.com

لے لے گا جب بھی سالہائے گزشتہ کی زکوۃ نہیں ادا کرے گا (فتاوی شامی ۲ / ۲۶۳)۔

۳-جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو، جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

وقف کے جانوروں اور فی سبیل اللہ مہیا کئے ہوئے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ ان پر کسی کی ملکیت نہیں ہے (حوالہ سابق ۲ / ۲۵۹)۔

۴-وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بہ طور حرام آتا ہے، مثلاً رشوت کا مال، بینک کا سود وغیرہ، اگر یہ حرام مال علیحدہ ہے، حلال مال کے ساتھ شامل نہیں ہوا ہے تو اس پر اس کی ملکیت نہیں، اگر چہ قبضہ ہے، اس لئے اگر مالک معلوم ہے تو اسے واپس کرنا واجب ہے اور اگر مالک نامعلوم ہے تو پورے کو فقراء و مستحقین میں تقسیم کر دینا واجب ہے، پس اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

اور اگر اپنے حلال مال کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے تو اس خلط کی وجہ سے وہ اس کا مالک قرار دیا جائے گا، لیکن چونکہ دوسرے کا مال اس کی ملکیت میں غلط طور سے شامل ہو گیا ہے، اس لئے اس مقدار کا وہ ضامن ہوگا، گویا وہ اتنے کا مدیون ہے، اگر بہ قدر دین اور بہ مقدار ضمان علیحدہ کرنے کے بعد، نصاب کے برابر مال موجود ہے، تو زکوۃ واجب ہوگی اور بہ قدر نصاب نہیں بچتا تو چونکہ یہ مدیون ہے اس لئے زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

''قنیہ میں ہے کہ اگر ناجائز مال بہ قدر نصاب ہے تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ وہ کل واجب التصدق ہے (جب کہ مالک معلوم نہ ہو)، اس لئے اس کے کچھ حصے کے صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں، اور اسی طرح بزازیہ میں بھی ہے، اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' کی دسویں فصل میں ''فتاوی حجۃ'' سے نقل کیا ہے کہ جو حرام مال کا مالک ہوا یا اس نے کوئی مال غصب کیا اور اسے اپنے مال کے ساتھ مخلوط کر دیا تو خلط کی وجہ سے وہ مالک ہو گیا، لیکن اس کا ضمان دینا ہوگا، اور اگر اس کے سوا اس کے پاس بہ قدر نصاب مال نہیں ہے تب تو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، اگر چہ وہ خود

Marfat.com

بقدر نصاب ہو، کیونکہ وہ مدیون ہے اور مدیون کا مال ہمارے نزدیک وجوب زکوۃ کا سبب نہیں ہوتا'' (شامی ۲/۲۹۱)۔

۵- دین کی زکوۃ مدیون پر نہیں واجب ہوتی، ہاں اگر مدیون کے پاس دین سے فاضل نصاب موجود ہے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، دین کے ادا کرنے کی قدرت کے باوجود اگر کوئی شخص ٹال مٹول کررہا ہے تو ظلم ہے، اس کے خلاف دنیا میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے اور آخرت میں خدا کے حوالے کرنا چاہئے، لیکن اس کی وجہ سے زکاۃ کے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، زکوۃ کوئی سزا نہیں ہے کہ اس کے اس جرم کے بدلے عائد کی جائے، یہ تو ایک عبادت ہے جو خلوص دل اور انشراح صدر کے ساتھ ادا کی جانی چاہئے۔

دین کی اقسام

وصولیابی کی امید اور ناامیدی کے اعتبار سے دین کی تین قسمیں ہیں:

دین قوی، دین متوسط، دین ضعیف۔

دین قوی- وہ دین جو قرض یا مال تجارت کے عوض میں لازم ہوا ہو۔

دین متوسط- وہ دین جو قرض اور مال تجارت کے علاوہ کسی اور مال کے عوض لازم ہوا ہو، جیسے استعمالی کپڑوں، خدمت کے غلاموں اور رہائشی مکان کی قیمت۔

دین ضعیف- ایسا دین جو کسی مال کے عوض نہ لازم ہوا ہو، جیسے مہر، وصیت اور بدل خلع وغیرہ۔

امام ابوحنیفہؒ نے دین کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

۱- قوی اور وہ بدل قرض اور بدل مال تجارت ہے۔

۲- متوسط وہ ایسے مال کا بدل ہے جو تجارت کے لئے نہ ہو، جیسے استعمال کے کپڑے، خدمت گزار غلاموں اور رہائشی مکانات کی قیمت۔

Marfat.com

۳-ضعیف اور وہ ایسی چیز کا بدل ہے جو مال نہ ہو، جیسے مہر، وصیت، بدل خلع، صلح عن دم العمد، دیت، بدل کتابت اور سعایت (بحر ۲/۲۰۷)۔

دین قوی کا حکم یہ ہے کہ جب اس پر سال تمام ہوگا تو زکوۃ واجب ہوگی، لیکن اس کی ادائیگی کا وجوب اس وقت تک مؤخر ہوگا، جب تک اس میں چالیس درہم کے بقدر دین وصول نہ ہو جائے، جب اتنی رقم مل جائے گی تو اس کی زکوۃ ادا کرنی ضروری ہوگی، اور اس کے بعد جتنی وصول ہوتی جائے گی، اسی کے حساب سے چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔

اور دین متوسط میں اس وقت تک ادائیگی واجب نہ ہوگی جب تک نصاب کے بقدر وصول نہ ہو جائے، لیکن جب اتنا وصول ہو جائے گا تو سالہائے گزشتہ کی بھی زکوۃ دینی ہوگی، اور دین ضعیف میں زکوۃ اس وقت تک واجب نہ ہوگی، جب تک بقدر نصاب دین وصول ہو کر اس پر سال نہ گزر جائے۔

لہذا دین قوی میں جب سال گزر جائے گا تو زکوۃ واجب ہوگی اور ادائیگی چالیس درہم وصول ہونے تک مؤخر رہے گی، جب اتنا وصول ہو جائے گا تو ایک درہم واجب ہوگا اور اسی طرح زائد میں اس کے حساب سے، اور دین متوسط میں اس وقت تک واجب نہ ہوگی جب تک نصاب نہ وصول کر لے، اور اس میں سال گزشتہ کا بھی اعتبار ہے، یہی صحیح روایت ہے، اور دین ضعیف میں جب تک نصاب کے بقدر وصول نہ کر لے، اور اس پر قبضہ کے بعد سال نہ گزر جائے، اس وقت تک زکوۃ واجب نہ ہوگی (البحر الرائق ۲/۲۰۷)۔

۶-سرکاری محکموں اور بعض پرائیویٹ کمپنیوں کے ملازمین کی تنخواہوں میں سے ایک حصہ وضع کر کے ان کے محفوظ کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے اور کچھ فیصد سرکار اس میں اضافہ کرتی ہے جس کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں، اس رقم کے دو حصے ہیں، ایک حصہ اصل تنخواہ والا، دوسرا جو اس پر اضافہ ہوا ہے۔

Marfat.com

اضافہ کی زکوۃ کا تو کوئی سوال ہی نہیں، اس لئے کہ اس پر نہ اس ملازم کی ملکیت وارد ہے اور نہ وہ بہ حکم دین ہے، بہ حکم دین اگر کوئی چیز ہے تو وہ اصل تنخواہ والا حصہ ہے، اس لئے اس اضافی حصہ کی زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب کہ اس پر قبضہ ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے۔

البتہ اصل تنخواہ میں سے وضع شدہ رقم کے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ آیا وہ دین ہے؟ اگر ہے تو دین کی تین قسموں میں سے کس میں داخل ہے، امام سرخسیؒ نے "مبسوط" میں اجرت کی حیثیت تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، فرماتے ہیں:

"اجرت کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ سے تین روایتیں ہیں، ایک روایت میں اس کو مثل مہر کے قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ مال کا بدل نہیں ہے، کیونکہ یہ منفعت کا بدل ہے، اور ایک روایت میں اسے استعمالی کپڑوں کی قیمت کے مانند ٹھہرایا ہے، کیونکہ منافع ایک طرح کے مال ہیں، لیکن وجوب زکوۃ کے محل نہیں ہیں، اور اصح یہ ہے کہ گھر یا غلام جو برائے تجارت ہو اس کی اجرت اور کرایہ سامان تجارت کی قیمت کی طرح ہے، جب چالیس درہم وصول ہوں گے ان کی زکوۃ واجب ہوگی، اس میں بدل منفعت کو بدل عین کے مشابہ قرار دیا گیا ہے"

(مبسوط ۲/۱۹۵-۱۹۶)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کرایہ اور اجرت دین میں داخل ہیں، اور اصح روایت کے مطابق جو حکم اس شئ کا ہے، جس کی اجرت حاصل ہوئی ہے وہی اجرت کا بھی ہے، اگر مال تجارت کی اجرت حاصل ہوئی تو اس میں اسی طرح زکوۃ واجب ہے جس طرح مال تجارت میں واجب ہوتی، گویا یہ دین قوی ہے، اور اگر استعمالی سامانوں کی اجرت حاصل ہوئی تو اس کا قیاس انہیں پر ہے۔

حوالہ بالا میں جو دوسری روایت ہے، "منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق" میں "محیط" کے

Marfat.com

حوالے سے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے، غرض پہلی روایت کی بنیاد پر اجرت دین ضعیف میں داخل ہے اور دوسری روایت کی روشنی میں وہ دین متوسط میں شامل ہے، اور صحیح روایت کے پیش نظر وہ اصل مال مستاجر کے تابع ہے، لیکن واضح ہو کہ یہ تینوں روایتیں ایسی چیزوں کے کرایہ اور اجرت کے احکام بتاتی ہیں، جو خود مال ہیں، مثلاً مکان، غلام وغیرہ، لیکن یہاں جو اجرت اور تنخواہ زیر بحث ہے وہ کسی مال کی نہیں ہے بلکہ یہ بدل ہے خدمت حر کی، اور حر بہ تصریح فقہاء مال نہیں ہے، لہذا اس کی خدمت بھی مال نہیں ہوسکتی، پس یہ تنخواہ غیر مال کی بدل ہے اس لئے یہ دین ضعیف ہے، اور دین ضعیف کا حکم معلوم ہے کہ اس میں قبضہ کے بعد سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوتی ہے، پس پراویڈنٹ فنڈ میں خواہ اصل تنخواہ کی وضع شدہ رقم ہو یا اضافی رقم، زکوۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ بقدر نصاب قبضہ میں آجائے اور اس پر سال گزر جائے، یا اگر اس کے علاوہ نصاب موجود تھا تو یہ رقم اس میں شامل ہوجائے گی اور اصل نصاب پر سال پورا ہونے کے بعد اسی کے ساتھ اس کی بھی زکوۃ نکل جائے گی۔

دوسری شرط "نماء"

نماء کے لغوی معنی بڑھنے کے ہیں، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: نماء بالمد لغت میں بڑھوتری کے معنی میں ہے، اور بغیر مد کے ہمزہ کے ساتھ غلط ہے، کہا جاتا ہے: "نمی ینمی نماءاً، وینمو نمواً، اور "أنماه الله تعالی، کذا فی المغرب" (شامی ۲/ ۲۶۳)۔

شریعت کی اصطلاح میں بھی نماء کا وہی معنی ہے جو لغت میں ہے، البتہ یہاں اس کی دو قسمیں کردی گئی ہیں، اول یہ کہ حقیقتاً اضافہ ہو، جیسے جانوروں میں توالد وتناسل کے ذریعہ بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، اسی طرح تجارت کے واسطے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ یہ اضافہ تقدیراً اور حکماً ہو، جیسے سونا اور چاندی کہ جب یہ اپنی ملک اور قبضہ میں ہے تو شریعت کی نگاہ میں اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، کیونکہ اس پر قدرت حاصل ہے، یہ مال نامی تقدیراً ہے، یعنی

Marfat.com

ظاہرا بڑھتا ہوا نظر نہیں آتا مگر اسے نامی تسلیم کیا گیا ہے۔

''شریعت میں نماء کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور تقدیری، حقیقی وہ نماء ہے جو توالد و تناسل اور تجارتوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ نماء پر قدرت ہو، اس طرح کہ مال خود مالک کے قبضہ میں ہو یا اس کے نائب کے'' (شامی)۔

زکوۃ کی فرضیت کے لئے مال نامی کا نصاب ہونا شرط ہے، اگر کسی کے پاس نماء کی دونوں قسموں کے اعتبار سے کوئی مال نامی نہیں ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہ ہوگی، مثلاً کسی کے پاس زمینیں بہت ہیں یا مکانات ہیں یا کارخانہ ہے، جس میں مشینیں قیمتی قیمتی ہیں، تو گویا اس کے پاس مالیت بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز مال نامی نہیں ہے، اس لئے ان کا حساب نصاب زکوۃ میں نہ ہوگا۔

تیسری شرط: حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت اصلیہ کے دائرہ میں وہ چیزیں آتی ہیں جن کا تعلق انسان کے جان و مال کی حفاظت اور بچاؤ سے ہے، مثلاً نفقہ، رہائشی مکان، لڑائی کے اوزار، گرمی اور سردی کی ضرورت کے کپڑے، آلات حرفت، گھر کے سامان، سواریاں اور ان کی حفاظت کے گھر، مثلاً اصطبل، گیراج وغیرہ اور اہل علم کے واسطے کتابیں ''**الحاجة الأصلية هي ما يدفع الهلاك من الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد أو تقديراً كالدين وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها**'' (شامی ۲/ ۲۶۲)۔

(حاجت اصلیہ وہ چیزیں ہیں جو انسان سے ہلاکت کو دفع کرتی ہیں، حقیقۃً جیسے نفقہ، رہائشی مکانات، آلات حرب اور گرمی و سردی کے لباس، یا تقدیراً جیسے آلات حرفت، گھریلو سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کیلئے کتابیں)۔

Marfat.com

حاجت اصلیہ میں مزید کچھ اور تفصیلات ہیں جنہیں فقہاء اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، مثلاً استعمالی کپڑے کتنی تعداد میں ہوں، رہائشی مکان کس مقدار کا ہو، سواری کے جانور کتنے ہوں، کتابوں کے کتنے نسخے ہوں تو حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے اور کتنے اس سے زائد ہوں گے، لیکن زکوۃ کی بحث میں ان تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہاں سرے سے حاجت اصلیہ سے فراغ کی قید وجوب میں مؤثر نہیں ہے، کیونکہ زکوۃ کے لئے نصاب نامی شرط ہے اور نصاب نامی بہر حال حاجت اصلیہ سے فاضل ہوگا، تو یہ قید درحقیقت کسی احتراز کے لئے نہیں ہے، محض بیان واقعہ یا اہتمام ذکر کے لئے ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"فإن الحوائج الأصلية أعم من الدين والنامي أعم منها" (شامی ۲/۲۶۲)۔

یعنی حوائج اصلیہ دین سے عام ہیں اور نامی ہونا حوائج اصلیہ سے عام ہے، تو جب ایک عام قید اور شرط کسی حکم میں لگا دی گئی تو اس کے ضمن میں خاص خود بخود آ گیا، اب اس کے ذکر کی ضرورت احتراز کے لئے نہیں ہوتی، ہاں کسی خصوصیت کے اہتمام کی وجہ سے ہو تو اور بات ہے، پس ثابت ہو گیا کہ مال نامی ہونا بنیادی شرط ہے، حاجت اصلیہ سے فراغ کی شرط صرف اظہار واقعہ کے لئے ہے، چنانچہ علامہ شامی اس کی مثال میں ذکر کرتے ہیں:

"لأنه يخرج منها كتب العلم لغير أهلها وليس من الحوائج الأصلية"

دیکھئے غیر اہل علم کے پاس کتابیں حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں، لیکن چونکہ مال نامی نہیں ہے، اس لئے ان پر زکوۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

چوتھی شرط: دین سے محفوظ ہونا

دین سے محفوظ ہونے میں فقہاء نے طویل الأجل اور قصیر الأجل کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی ہے، اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین مطلقاً خواہ وہ طویل الأجل ہو یا قصیر

Marfat.com

الأجل، نصاب میں سے پورا وضع کیا جائے گا، دیکھئے مہر مؤجل کتنی طویل المیعاد ہوتی ہے، مگر فقہاء نے اسے بھی موانع زکوۃ میں سے شمار کیا ہے، لیکن ''بدائع الصنائع'' میں بعض مشائخ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مہر مؤجل مانع زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ عرفاً اس کا مطالبہ نہیں ہوتا۔

''قال بعض مشائخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة''

(شامی)

(ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ مہر مؤجل مانع زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ عرفاً اس کا مطالبہ نہیں ہوتا)۔

اس کی علت ''لأنه غير مطالب به عادة'' پر نظر کی جائے تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ سالانہ واجب الأداء قسط کے بقدر ہی ہر سال دین وضع کیا جائے، کیونکہ عادۃ اس سے زائد کا مطالبہ اس سال نہیں ہوتا، نیز یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی بھی دین مانع زکوۃ نہیں ہوتا، اس خیال سے اگر احتیاطاً صرف قسط واجب الاداء کے بقدر وضع کرکے باقی کی زکوۃ ادا کی جائے تو مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

کمپنیوں پر زکوۃ

کسی تجارت میں اگر متعدد شرکاء ہوں تو مجموعی سرمایہ پر مجموعی طور سے زکوۃ کا وجوب نہ ہوگا بلکہ ہر ایک پر علیحدہ زکوۃ کا وجوب ہوگا، جبکہ اس کا حصہ بقدر نصاب ہو، یا کمپنی میں تو بقدر نصاب نہ ہو، لیکن اس کے پاس اس کے علاوہ مال زکوۃ موجود ہو، تو اس کے ساتھ شامل کردیا جائے گا (شامی ۲/ ۲۶۲)۔

بہر حال جب تجارت مشترک ہو تو اس میں اختلاف ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ شرکت کی حالت میں بھی وہی چیز معتبر ہے جو انفرادی کی حالت میں ہے اور وہ نصاب تام ہے، ہر ایک کے حق میں، پس اگر ہر ایک کا حصہ نصاب کے بقدر ہے تب تو زکوۃ واجب ہوگی،

Marfat.com

ورنہ نہیں (شامی)۔

ہیرے اور جواہرات کی زکوۃ

ہیرے اور جواہرات اموال نامیہ میں سے نہیں ہیں، اگر بغرض تجارت ہوں تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

موتیوں اور جواہرات میں بالاتفاق زکوۃ نہیں ہے گو وہ ہزار کے برابر ہوں، البتہ یہ اگر تجارت کے لئے ہوں تب زکوۃ واجب ہوگی "**لا زكوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً إلا أن تكون للتجارة**" (درمختار مع الشامی ۲/ ۲۷۳)۔

تاہم جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپے کے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں، اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ نیت کس زمرے میں آئے گی، احقر کا خیال ہے کہ یہ نیت درحقیقت تجارت ہی کی نیت ہے کہ ضرورت کے موقع پر اسے فروخت کرکے پھر اسے روپیہ بنالیں گے اور نفع بھی ہاتھ آئے گا، آج کا ایک لاکھ کا ہیرا عین ممکن ہے کہ دس سال کے بعد ڈیڑھ دو لاکھ کا ہو جائے، اس لئے ایسے ہیرے جواہرات پر زکوۃ واجب ہوگی۔

البتہ جو خواتین محض تزئین و آرائش کے لئے جواہرات استعمال کرتی ہیں ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

اموال تجارت پر زکوۃ

زکوۃ کی ادائیگی میں اصل یہ ہے کہ وہ نصاب کے جز سے ہو، یعنی جس مال کا نصاب ہو، زکوۃ اسی میں ادا کی جائے۔ البتہ اونٹوں میں شریعت نے ایک خاص حد تک بکریاں متعین کی ہیں، پھر اس کے بعد اونٹ کا وجوب ہوتا ہے، اس کے علاوہ تمام اموال میں قاعدہ یہی ہے کہ

Marfat.com

جس مال کی زکوۃ ادا کرنی ہے اسی مال میں سے بہ قدر زکوۃ کے علیحدہ کیا جائے، صاحب ''بدائع'' فرماتے ہیں:

بہر حال اموال تجارت میں واجب کی صفت یہ ہے کہ ان میں عین مال، یعنی نصاب کا چالیسواں حصہ واجب ہے (بدائع الصنائع ۲/۲۱)۔

لیکن علماء احناف کے نزدیک بجائے عین مال کے اس کی قیمت کو زکوۃ میں دینا درست ہے، امام ابوحنیفہؒ کے قول میں تو عین یا قیمت ہر دو میں سے ایک واجب ہے اور صاحبین کے بقول اصل واجب تو عین مال سے ہے، مگر اس کے عوض میں قیمت بھی دی جاسکتی ہے، اس قاعدہ کے پیش نظر مسئلہ کا جواب یہ ہوا کہ جب سال پورا ہو تو اس وقت مال کا جو نرخ ہو اسی حساب سے زکوۃ ادا کی جائے۔

''بدائع'' میں ہے:

پھر ہمارے اصحاب کے درمیان اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک دراہم و دنانیر اور اموال تجارت میں نصاب کا جز معنوی حیثیت سے واجب ہے، صورتاً نہیں، اور صاحبینؒ کے نزدیک واجب اس کا جزء صورت اور معنی کے لحاظ سے ہے، لیکن اس کے علاوہ کو معنوی حیثیت سے اس کی جگہ رکھ سکتے ہیں اور صورت کا اعتبار صاحب حق، یعنی اللہ تعالی کے اذن سے ختم ہو جائے گا، اسی قاعدہ پر جامع صغیر کا یہ مسئلہ مبنی ہے کہ کسی شخص کے پاس دوسو گز قفیز گیہوں تجارت کے لئے ہے اور اس کی قیمت دوسو درہم ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے اور اس پر سال گذر گیا، تو اگر گیہوں ادا کرنا چاہے تو بغیر اختلاف کے پانچ قفیز ادا کرے گا، اور اگر قیمت ادا کرنا چاہے تو امام شافعی کے برخلاف یہ بھی جائز ہے، لیکن امام صاحب کے نزدیک کمی اور زیادتی ہر صورت میں سال پورا ہونے کے دن کی قیمت ادا کرے گا اور وہ پانچ درہم ہے، اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ادا کے دن کی قیمت دے گا (فتاوی ہندیہ ۱/۱۷۹، بدائع الصنائع ۲/۲۳)۔

Marfat.com

تھوک اور پھٹکر تجارت میں زکوۃ کے لئے اس کے طریقہ تجارت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر تھوک کا تاجر ہے تو مال کی قیمت تھوک کے حساب سے لگائی جائے گی ورنہ پھٹکر۔

زمین کی تجارت کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر عشری یا خراجی زمین بغرض تجارت خریدی ہے تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا فریضہ عشر یا خراج ہے، لیکن امام محمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور اگر اس میں کھیتی کرے گا تو عشر یا خراج بھی واجب ہوگا۔

اگر عشری یا خراجی زمین تجارت کی نیت سے خریدی تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اگر عشری زمین بغرض تجارت خریدی تو زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر کھیتی کرے گا تو عشر بھی واجب ہوگا (فتاوی قاضی خاں علی الہندیہ ۱/ ۲۵۳)۔

اور اگر غیر عشری وخراجی زمین بغرض تجارت لی گئی ہو تو سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اس وقت کے نرخ کے حساب سے ہوگی۔

شیرز اور بونڈز کی زکوۃ

شیرز پر مال تجارت ہونے کی وجہ سے زکوۃ فرض ہوگی، ان کی مالیت کا تعین نہ ان کی بنیادی قیمت سے ہوگا اور نہ مارکیٹ کے نرخ سے، بلکہ وہ شیر جس مالیت پر مشتمل ہوگا اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً شیر کا مالک ابتداء سال میں بقدر نصاب ملکیت رکھتا تھا اور پھر درمیان میں بذریعہ تجارت اس میں اضافہ ہوتا رہا، اور سال کے آخر میں جس قدر مالیت فراہم ہوگئی ہے اسی سے زکوۃ نکالی جائے گی۔

اب رہا یہ سوال کہ اس مالیت کا پتہ کیسے چلے گا تو موجودہ کاروباری نظام میں اس کے معلوم کرنے کا طریقہ واقعی دشوار ہے، ایسی صورت میں آسان راہ یہ ہے کہ مارکیٹ کا نرخ دیکھ لیا جائے، یقینی طور پر تو نہیں لیکن گمان یہ ہوتا ہے کہ بازار کا نرخ اس کی مالیت سے کچھ زائد یا کم از کم

Marfat.com

برابر ہوتا ہوگا تو احتیاطاً اسی نرخ سے زکوۃ ادا کی جائے، تاکہ زکوۃ میں کمی کا احتمال نہ رہے کہ خدا کے یہاں مواخذہ ہو، اگر کچھ زیادہ دے دی جائے گی تو مستحسن ہے۔

محور ثانی، نصاب زکوۃ

۱-سونے اور چاندی دونوں کا نصاب اصل ہے، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ مال تجارت کی قیمت کا تعین دونوں سے ہوسکتا ہے، لیکن اگر ایک سے نصاب پورا ہوتا ہو اور دوسرے سے نہیں تو جس سے نصاب پورا ہوتا ہو اسی کا اعتبار ہوگا، وجوب زکوۃ کے اندر بھی اور اسی پر قیاس کر کے حرمت اخذ زکوۃ کے اندر بھی، اس لحاظ سے موجودہ دور میں چاندی کا اعتبار ہوگا۔

پھر سامان تجارت کی تقویم میں اختیار ہے کہ درہم و دینار میں سے جس سے چاہے قیمت لگائے البتہ اگر کسی ایک سے نصاب نہ پورا ہوتا ہو تو وہ متعین ہے جس سے نصاب پورا ہو (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ)۔

محور ثالث، مصارف زکوۃ

۱-سوال میں مذکور پہلی صورت زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ مستحسن ہے، جسے اہل مدارس کو اختیار کرنا چاہئے، مہتمم مدرسہ ظاہر ہے کہ زکوۃ دہندگان کا وکیل ہے کہ انہوں نے زکوۃ کی رقم اسی لئے اس کے حوالے کی ہے کہ مدارس میں جو مستحق طلبہ ہیں ان پر خرچ کی جائے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ طلبہ کا نائب بھی ہے، مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

''مہتمم مدرسہ کا قیم، و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے، جیسا کہ امیر جملہ عالم کا ہوتا ہے پس جو شئ کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا، اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے اور مہتمم بعض وجوہ میں

Marfat.com

وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے'' (تذکرۃ الرشید ۲/ ۱۳۲)۔

لیکن یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ طلبہ کے نائب اور قیم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زکوۃ کی رقم قبضہ کرنے کے بعد آزاد ہے کہ جہاں چاہے خرچ کرے، بلکہ وہ جن کا نائب ہے اور جن کی نیابت میں اس نے زکوۃ وصول کی ہے، انہیں پر خرچ کرنا متعین ہے، اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتا تو حسب تصریح فقہاء زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی، انہیں دوبارہ زکوۃ دینی ہوگی اور اس کا وبال مہتمم مدرسہ پر پڑے گا، اگر کوئی مہتمم ایسا کرتا ہے تو اسے زکوۃ کی رقم دینی جائز نہیں ہے، یہ تو مدرسہ کے مہتمم کا مسئلہ ہے، جس کو زکوۃ دہندگان پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، خود صاحب امر اور سلطان زکوۃ وصول کرتا ہے، اور صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتا تو زکوۃ ادا نہیں ہوتی، چنانچہ مبسوط میں ہے:

رہے وہ صدقات اور عشر وخراج اور جزیہ جسے ہمارے زمانہ کے ظالم حکام وصول کرتے ہیں تو اس سے امام محمد علیہ الرحمہ نے کوئی تعرض نہیں کیا اور بہت سے ائمہ بلخ فتوی دیتے ہیں کہ دوبارہ ادا کیا جائے فیما بینہ وبین اللہ، جبکہ باغیوں کے متعلق فتوی ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ صحیح مصارف صدقہ پر خرچ نہیں کرتے (مبسوط ۲/ ۱۸۰)۔

یہاں ایک اور صورت بتائی گئی ہے کہ اگر زکوۃ دینے والا خود انہیں ظالم سلاطین کو دینے کی نیت کرے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے ظلم کرکے اور ناجائز اموال جمع کرکے اپنے اوپر دوسروں کے اتنے حقوق جمع کر لئے ہیں کہ سارا مال دے کر بھی ان حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ زبردست مدیون ہیں اور اس کی وجہ سے افلاس کے انتہائی مرتبہ پر ہیں، پس انہیں کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اور اصح یہ ہے کہ سب مال والوں سے زکوۃ ساقط ہو جائے گی، جبکہ وہ دیتے وقت

Marfat.com

خود انہیں کو زکوۃ ادا کرنے کی نیت کرلیں، کیونکہ اتنے اموال مسلمانوں کے غلط طور پر ان کے پاس ہیں اور اتنے تاوان ان پر مسلط ہیں جو ان کے مال سے زیادہ ہیں، اگر وہ سب لوٹا دیں تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ بچے گا، وہ بمنزلہ فقراء کے ہیں (حوالہ سابق)۔

اس عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی زکوۃ ادا ہوجائے گی، لیکن ''البحر الرائق'' میں اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل درج ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وظاهر ما صححه السرخسي أنه لا فرق بين الأموال الظاهرة والباطنة، وصحح الولوالجي عدم الجواز في الأموال الباطنة، قال: وبه يفتي؛ لأنه ليس للسلطان ولاية الزكوة في الأموال الباطنة فلم يصح الأخذ" (البحر الرائق ۲/ ۲۲۳)

(امام سرخسی نے جس کی تصحیح کی ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال ظاہرہ و باطنہ میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر ولوالجی نے اموال باطنہ میں عدم جواز کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے، کیونکہ سلطان کو اموال باطنہ کی زکوۃ لینے کا حق نہیں پس اس کا لینا صحیح نہیں ہے)۔

یہی بات علامہ ابن ہمام نے بھی حاکم شہید کے حوالے سے نقل کی ہے (حوالہ سابق)۔ انہوں نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے، بہر حال یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس کا تعلق ہمارے موضوع زیر بحث سے نہیں ہے، لیکن اس سے اشتباہ ہوسکتا تھا، اس لئے وضاحت کردی گئی ہے۔

غرض جب صاحب امر غلط مصرف میں زکوۃ خرچ کرے گا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، تو مدرسہ کا مہتمم جو صاحب امر اور صاحب ولایت بھی نہیں، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے کیسے خرچ کرسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

۲- زکوۃ وصول کرنے کے لئے مدارس میں جو سفراء و محصلین مقرر کئے جاتے ہیں، یہ لوگ زکوۃ پر عامل نہیں ہیں، قرآن نے جن لوگوں کو العاملین علیہا کہا ہے وہ دوسرے لوگ ہیں،

Marfat.com

چنانچہ فقہاء ان کی تعریف کرتے ہیں:

"فهم الذين نصبهم الإمام لجباية الصدقات" (البحر الرائق)۔

امام کو جبایت صدقات کا حق اس کی ولایت عامہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور عاملین اس کے کارکن ہوتے ہیں، مدارس کے مہتمم حضرات کو اہل اسلام پر کون سی ولایت عامہ حاصل ہے، صرف کام کی ظاہری مشابہت دیکھ کر حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، مہتمم مدرسہ کا صرف منتظم ہے، زیادہ سے زیادہ جن لوگوں سے اسے چندہ دستیاب ہوتا ہے ان کا وکیل ہے، اس کے کارکنوں پر شریعت کی مخصوص اصطلاحوں کو منطبق کرنا مناسب نہیں ہے۔

پھر ان سفراء کو زکوۃ کی رقم سے کمیشن دینے کا مسئلہ اور نازک ہے، اول تو یہ عاملین علی الزکوۃ نہیں ہیں کہ انہیں زکوۃ لینے کا اس بنیاد پر استحقاق ہو، دوسرے کمیشن کے طور پر زکوۃ دینا خود محل نظر ہے بلکہ فقہاء کی تصریحات اور تعامل کے خلاف ہے۔

"قال العيني: اتفق العلماء على أن العامل في الصدقات هم السعاة المتولون قبض الصدقات، وإنهم لا يستحقون على قبضها جزءاً معلوماً سبعاً أو ثمناً وإنما له أجر عمله على حسب اجتهاد الإمام" (اوجز المسالک ۶/۱۹-۲۰)

(امام عینی نے فرمایا کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عامل فی الصدقات وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کی وصولی کرنے والے ہیں، یہ لوگ زکوۃ وصول کرنے کے عوض میں کسی متعین جز، یعنی آٹھویں یا ساتویں حصے کے مستحق نہ ہوں گے، ان کے لئے عمل کا معاوضہ امام کے اجتہاد کے مطابق ہوگا)۔

عاملین کو جو وظیفہ زکوۃ کی رقم سے دیا جاتا ہے وہ بقدر کفایت ہوتا ہے، یہی تمام فقہاء لکھتے ہیں، اور اسی پر تعامل رہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی وصول کردہ زکوۃ سے اسے اتنی رقم دے دی جائے کہ اس کے کام کے زمانہ میں اس کے اور اس کے گھر والوں کے اخراجات بہ

Marfat.com

سہولت پورے ہوجائیں، اس میں اجرت کی مشابہت تو ضرور ہے مگر اجرت نہیں ہے، اسی لئے اس کو اجرت کے بجائے ''عمالہ'' کا نام دیا جاتا ہے (اوجز المسالک ۶/ ۲۱)، اس کے برخلاف کمیشن اول سے آخر تک اجرت کا معاملہ ہے، اسی واسطے فقہاء نے اس طرح کے کمیشن کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اجرت بالکل مجہول ہوتی ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اجرت کی جہالت معاملہ کو فاسد کردیتی ہے، اگر اس اجرت کے فساد سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو بھی بہ طور کمیشن کے زکوۃ کی رقم دینا کسی طرح جائز نہیں، کیونکہ زکوۃ کو کسی مال یا خدمت کے عوض دینا درست نہیں ہے۔

البتہ اگر کمیشن زکوۃ یا اموال واجبۃ التملیک کے علاوہ کسی مال سے طے کیا جائے تو اس میں صرف اس کی جہالت کا خدشہ باقی رہے گا، اگر یہ دور ہوجائے تو معاملہ صحیح ہوگا۔

زکوۃ کی رقم سے تنخواہ دینا درست نہیں ہے، زکوۃ صدقہ ہے جو کسی چیز کا عوض نہیں ہوتا، اور تنخواہ اجرت ہے، اجرتوں میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنا خلاف موضوع ہے۔

خلاصہ جوابات

پہلی شرط ملک تام

۱- مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی نہیں ہوئی ہے، قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی بائع کے اوپر، اور مال جو وصول نہیں ہوا ہے اس کی زکوۃ بھی واجب ہوگی مشتری کے اوپر، لیکن چالیس درہم کے بقدر وصول ہونے کے بعد ادا کرنا واجب ہوگا۔

۲- کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی۔

ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہوجانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے وہ رہن کے حکم میں ہے، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، نہ مالک مکان پر نہ کرایہ دار پر۔

۳- جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

۴- حرام مال اگر غیر مخلوط اور ممتاز ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور اگر مخلوط وغیر

Marfat.com

متمیز ہو گیا ہے تو اس کی مقدار جدا کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔

۵-دین قوی کی زکوۃ دائن پر واجب ہے، مگر وجوب ادا چالیس درہم کے بقدر وصولیابی کے بعد ہے، دین متوسط کی زکوۃ بھی دائن پر واجب ہے، مگر بقدر نصاب وصول ہونے کے بعد، اور دین ضعیف کی زکوۃ واجب نہیں ہے، وصولیابی کے بعد جب کہ بقدر نصاب ہو سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۶-پراویڈنٹ فنڈ کی زکوۃ واجب نہیں ہے، وصولیابی کے بعد سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا

۱-دین کے مانع زکوۃ ہونے میں طویل الأجل اور قصیر الأجل کی تفصیل نہیں ہے۔

کمپنیوں پر زکوۃ

۱-ایک تجارت میں کئی افراد شریک ہوں تو انفراداً زکوۃ کا وجوب ہوگا، اجتماعاً نہیں۔

۲-ہیرے جواہرات بغرض تجارت ہوں تو زکوۃ واجب ہوگی، سرمایہ محفوظ رکھنے کے لئے اس کو ہیرے جواہرات کی شکل میں رکھ لینے سے اس میں زکوۃ کا وجوب ہوگا، محض تزئین و آرائش کے لئے ہوں تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

۳-اموال تجارت میں زکوۃ ادا کرنے کے لئے نرخ کا تعین وجوب زکوۃ کے دن کے لحاظ سے ہوگا۔ عشری اور خراجی زمین جو بغرض تجارت لی گئی ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی زمین یا گھر برائے تجارت لیا گیا ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

۴-کمپنیوں کے شیئرز تجارتی مال ہیں اس کے لئے ان کی زکوۃ واجب ہے اور قیمت کا تعین ان کی مالیت سے کیا جائے گا۔

Marfat.com

محور ثانی - نصاب زکوۃ

۱- چاندی اور سونا دونوں نصاب میں اصل ہیں، تجارتی اموال میں جس کے حساب سے نصاب پورا ہوتا ہو، اس کا اعتبار ہوگا۔

محور ثالث - مصارف زکوۃ

۱- طالب علموں کے سلسلہ میں ادائیگی زکوۃ کی جو صورت سوالنامہ میں درج ہے وہ مستحسن ہے۔

۲- مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندگان کا وکیل ہے اور طلبہ کا نائب اور قیم۔

۳- مدرسہ کے سفراء وعاملین شرعی نہیں ہیں، اس لئے مد زکوۃ سے نہ ان کو تنخواہ دی جاسکتی ہے اور نہ کمیشن، ہاں اگر فقر کی وجہ سے مستحق زکوۃ ہوں تو زکوۃ انہیں دی جاسکتی ہے۔

۴- فی سبیل اللہ کے مصداق اصالۃً تو مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، اگر ان کے ذیل میں منقطع الحاج کو داخل کیا جائے تو گنجائش ہے۔

۵- فی سبیل اللہ کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں فقر بنیادی شرط ہے۔

۶- مصارف زکوۃ آٹھ اصناف میں منحصر ہیں، ان پر قیاس کر کے دوسروں کو مصارف کے دائرہ میں نہیں لایا جاسکتا۔

۷- فی سبیل اللہ یا کسی بھی مصرف زکوۃ کے دائرے میں ایسی کوئی صورت نہیں آسکتی جس میں زکوۃ کی تملیک نہ ہوتی ہو۔

Marfat.com

اسلام میں زکوۃ کا مصرف

مفتی شبیر احمد قاسمی ☆

ملک تام کی تعریف

جس شئ میں مالک کو ملکیت اور قبضہ دونوں حاصل ہو جائے اس پر ملک تام کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور اگر صرف ملکیت حاصل ہو جائے، لیکن قبضہ حاصل نہ ہو، جیسا کہ قبضہ سے قبل طے شدہ مہر کی عورت مالک ہو جاتی ہے، لیکن مہر پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت تامہ عورت کو حاصل نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر مال پر قبضہ تو ہو جائے، لیکن ملکیت درحقیقت اپنی نہ ہو، بلکہ کسی اور کی ہو تو ایسی صورت میں بھی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ قرض دار شخص جو مال کما کر قبضہ کرتا ہے یا ہبہ وغیرہ کے توسط سے اس کے قبضہ میں آتا ہے تو ایسی صورت میں قرض دار کے قبضہ میں تو مال آ گیا ہے، لیکن مال کے ساتھ قرض خواہ کا بھی حق لاحق ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قرض ادا کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے، لہذا اس مال کا مالک درحقیقت قرض خواہ ہی ہوا کرتا ہے، اس لئے مقروض کے حق میں اس مال میں ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، اسی وجہ سے مقروض پر اس مال کی زکوۃ بھی واجب نہیں ہوتی ہے۔

''ملک تام وہ ہے کہ جس میں قبضہ وملکیت دونوں جمع ہو جائیں اور بہر حال جب صرف ملکیت حاصل ہو اور قبضہ نہ ہو، جیسا کہ قبل القبض عورت کا مہر، یا قبضہ حاصل ہو، لیکن ملکیت

☆ دار الافتاء مدرسہ شاہی، مراد آباد۔

Marfat.com

ہو، جیسا کہ مکاتب اور مدیون کی ملکیت تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۷۲، ومثلہ فی الجوہرۃ ۱/ ۱۳۹)۔

قیمت ادا کر کے قبضہ نہیں کیا اس کی زکوۃ

جس مال تجارت کی خریدار نے قیمت ادا کر دی ہے، لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس کی زکوۃ خریدار پر واجب نہیں ہے (عزیز الفتاوی ۱/ ۳۴۶)۔

"ولا فیما اشتراہ لتجارۃ قبل قبضہ" (الدر المختار ۲/ ۲۶۳)۔

(جو مال تجارت کی غرض سے خریدا ہے اس پر قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہے)۔

"المبیع قبل القبض لا تجب فیہ الزکوۃ" (حاشیہ چلپی علی ہامش التبیین ۱/ ۲۵۷)۔

(قبضہ سے قبل مبیع میں زکوۃ واجب نہیں ہے)۔

اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ مشتری پر واجب ہوگی یا نہیں؟ تو اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، قاضی خان کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ خریدار پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

"کسی شخص کے پاس چر کر گزارا کرنے والے جانور ہیں، ان کو دوسرے شخص نے نسل بڑھانے اور چرا کر پالنے کی نیت سے خرید کر قبضہ نہیں کیا ہے حتی کہ سال گزر گیا تو گذشتہ سالوں کی زکوۃ خریدار پر واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ بائع کی ضمانت میں ہے" (شامی ۲/ ۲۶۳، خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/ ۲۶۰)۔

لیکن راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ مال تجارت میں قبضہ کے بعد مشتری پر سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب اور ضروری ہے، اس لئے کہ قبضہ سے قبل جو ملکیت ناقص تھی اس پر قبضہ کے بعد استصحاب حال کے قاعدے سے ملکیت تامہ کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

”وأما بعده (أی بعد القبض) فیزکیه عما مضی“(شامی ۲/ ۲۶۳)۔

(مال تجارت میں قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے)۔

قبضہ سے قبل مشتری پر زکوۃ واجب نہیں ہے، لیکن قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ بھی واجب ہے جیسا کہ دین قوی کا حکم ہے (البحر الرائق ۲/ ۲۰۳-۲۰۴)۔

اور مشتری نے مبیع کی جو قیمت بائع کو ادا کردی ہے اس پر بائع کی ملکیت اور قبضہ دونوں جمع ہوکر ملکیت تامہ کے دائرہ میں داخل ہوچکی ہے، اس لئے اس کی زکوۃ ادا کرنا بائع پر لازم ہوگا، مشتری پر نہیں ہوگا، چنانچہ ”البحر الرائق“ میں ہے:

”کسی شخص نے بغرض تجارت ایسا غلام خریدا جس کی قیمت دوسو درہم ہے اور ثمن ادا کردیا لیکن قبضہ نہیں کیا حتی کہ سال گذر گیا، اب اگر غلام بائع کے یہاں ہلاک ہوجائے تو دوسو درہم کی زکوۃ بائع پر لازم ہے، اس لئے کہ وہ اس ثمن کا مالک ہوچکا ہے اور مشتری پر زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملکیت میں داخل ہوکر سال گذر چکا ہے“ (البحر الرائق ۲/ ۲۰۳-۲۰۴، خانیہ ۱/ ۲۵۹)۔

کرایہ کی پیشگی رقم اور پگڑی کی زکوۃ

کرایہ دار پیشگی رقم جو یک مشت مالک مکان اور مالک دکان کو ادا کرتا ہے، مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، اس کی زکوۃ بھی مالک مکان ہی پر لازم ہوا کرتی ہے کرایہ دار پر اس کی زکوۃ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ اس رقم پر کرایہ دار کی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔

”إذا عجل الأجرة لا یملک الاسترداد“ (شامی ۶/ ۱۰)۔

(اگر کرایہ دار پیشگی اجرت اور کرایہ ادا کردیتا ہے تو مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، لہذا واپسی کا حق نہیں ہوگا)۔

Marfat.com

ڈپوزٹ اور بیع الوفاء کی رقم کی زکوۃ

اگر اس طرح مکان یا دکان یا زمین وغیرہ خرید وفروخت کی جائے کہ مشتری جو قیمت ادا کرتا ہے وہ بائع کے پاس مثل امانت کے ہے اور جب بائع اتنی مشتری کو ادا کردے گا تو مبیع واپس مل جائے، یا عقد کیلئے مدت متعین کی جائے اور مدت پوری ہونے یا عقد فسخ ہونے پر مشتری اور مستاجر کو اپنی دی ہوئی پوری رقم واپس مل جائے، تو ایسے معاملہ کو بیع الوفاء، الامانت اور الرہن وغیرہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، ایسی صورت میں اداشدہ رقم کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوبکر محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ اگر اجرت رقم کی شکل میں ہے تو اس کی زکوۃ صرف بائع پر واجب ہوتی ہے، چنانچہ قاضی خاں لکھتے ہیں:

''شیخ ابوبکر محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اگر اجرت درہم ودینار کی شکل میں ہے تو اس کی زکوۃ بائع پر لازم ہے، اس لئے کہ قبضہ کی وجہ سے اس کو ملک تام حاصل ہو چکا ہے اور فسخ اجارہ کے وقت عین مقبوض کی واپسی لازم نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ ادا کرنا لازم ہے تو یہ بمنزلہ اس دین کے ہوگا جو بعد حولان حول اس پر لازم ہوا ہے'' (قاضی خان ار ۲۵۳)۔

اور امام زاہد علی بن محمد بزدویؒ اور مجد الائمہ سرختگیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری دونوں پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی، بائع کے اوپر اس لئے لازم ہے کہ اس کو ملک تام حاصل ہے اور مشتری پر اس لئے لازم ہے کہ وہ بمنزلہ ثمن رہن ہے، لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی زکوۃ صرف مشتری پر واجب ہوگی اور اسی کو انہوں نے ''ینبغی'' کے لفظ سے راجح قرار دیا ہے۔

حضرت امام الزاہد علی بن محمد البزدوی اور مجد الائمہ سرختگی فرماتے ہیں کہ اس کی زکوۃ مستاجر پر بھی لازم ہے، اس لئے کہ لوگ مال اجارہ کو موجر پر قرض اور دین شمار کرتے ہیں اور وہ بیع وفا جو سمرقند میں معروف ومشہور ہے، اس میں ثمن کی زکوۃ بائع پر واجب ہے اور امام بزدوی اور

Marfat.com

سرخسیؒ کے نزدیک مشتری پر بھی اس کی زکوۃ واجب ہے (قاضی خان ۱/ ۲۵۴)۔

اورعلامہ شامیؒ نے مشتری پر وجوب ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے: "وینبغی لزومها علی المشتری فقط علی القول الذی علیه العمل الآن من أن بیع الوفاء ینزل منزلة الرهن وعلیه فیکون الثمن دیناً علی البائع" (شامی ۲/ ۲۶۱)

(مناسب اور اولی یہی ہے کہ اس کی زکوۃ صرف مشتری پر لازم ہو، اس قول کے مطابق جس پر اس زمانے میں عمل ہے اور اس لئے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن قرار دی جاتی ہے، لہذا ثمن بائع کے اوپر بطور قرض لازم ہے)۔

حاصل یہ نکلتا ہے کہ قول راجح کے مطابق زکوۃ صرف مشتری پر واجب ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ بائع ومشتری دونوں ایسی رقم کی زکوۃ ادا کردیا کریں، بیع الوفاء کے جواز کیلئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ قید لگائی ہے کہ دستاویز کے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے بیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے (فتاوی مظاہر العلوم ۱/ ۳۹۵)۔

مدارس، مساجد، قومی ورفاہی فنڈ کے مال پر زکوۃ

مدارس اسلامیہ اور مساجد اور دیگر قومی اور رفاہی فنڈ بیت المال وغیرہ شخص حقیقی نہیں ہیں، بلکہ یہ سب اشیاء اشخاص حکمی میں شامل ہیں اور اسلامی شریعت نے زکوۃ کا فریضہ شخص حقیقی کی ملکیت تامہ پر واجب کیا ہے، شخص حکمی کی ملکیت پر واجب نہیں کیا ہے، اس لئے مساجد، مدارس، قومی فنڈ اور بیت المال وغیرہ کی ملکیت پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

وقف کے جانور اور رفاہی گھوڑے میں شخص حقیقی کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوب زکوۃ کے لئے کسی شخص کو مالک بنادینا شرط ہے اور غیر کی ملکیت میں تملیک متصور نہیں ہے (بدائع ۲/ ۹، شامی ۲/ ۲۵۹، حاشیہ چلپی علی التبیین ۱/ ۲۵۲)۔

Marfat.com

رشوت اور مال حرام کی زکوۃ

سود اور مالِ رشوت اور مالِ حرام کا قابض شرعی طور پر مالک نہیں ہوتا ہے اور وجوب زکوۃ کیلئے ملکیت تامہ شرط ہے، اس لئے ایسے مال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۱۱۶، کفایت المفتی ۲/ ۲۴۲، عزیز الفتاوی / ۳۶۲)۔

یعنی مال حرام اگر بقدر نصاب ہوتو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، بلکہ نادار فقیر پر پورا کا پورا صدقہ کردینا واجب ہے، اس کے بعض حصہ کا صدقہ کرنا کافی نہیں ہے (شامی ۲/۲۹۱ مطبوعہ کراچی، بزازیہ ۴/۸۶)۔

اور ایسے مال کے بارے میں حکم شرعی اور واجب یہی ہے کہ پورا مال اصل مالک کو واپس کردیا جائے اور اگر اصل مالک تک رسائی ممکن نہ ہوتو بلانیت ثواب نادار فقیر کو صدقہ کردینا واجب ہے، صاحب ''بذل'' نقل فرماتے ہیں:

''یعنی حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ جو شخص بغیر حق کے کوئی مال حاصل کرے، جیسا کہ بیوع فاسدہ، اجارہ فاسدہ اور معصیت اور ممنوع الاجارہ طاعات سے حاصل کرتا ہے، یا چوری، غصب، خیانت وغیرہ سے حاصل کرتا ہے تو تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال اس پر حرام ہے، وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، اگر مالک مل جائے تو مالک کو واپس کرنا واجب ہے، ورنہ فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے'' (بذل المجہود ۱/ ۳۷، نیز دیکھئے: شامی ۲/۲۹۱، مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳، امداد المفتین / ۴۵۵)۔

اور اگر حاصل شدہ مال حرام کے بارے میں قابض اصل مالک کو تاوان وغیرہ دے کر بری ہوجاتا ہے، یا اس سے صلح کر کے اس کو راضی کرلیتا ہے تو ایسی صورت میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ قابض مقبوضہ مال کا مالک ہوجاتا ہے اور اس پر زکوۃ بھی واجب ہوجاتی ہے۔

''لكن علمت أنه لا تجب زكوته إلا إذا استبرأ من صاحبه أو صالح

Marfat.com

عنه فیزول عنه خبثه الخ" (شامی کراچی ۲/۲۹۱)

(لیکن آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ مال حرام پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، مگر جب قابض صاحب مال کو عوض وغیرہ دے کر براءت حاصل کرتا ہے یا اس سے صلح کر لیتا ہے تو خبث اور حرمت ختم ہو جاتی ہے)۔

اور اگر مال حرام کو قابض نے اپنے حلال مال کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے تو اس کی دو شکلیں ہیں:

۱- قابض کے پاس مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد موجود ہو تو مال حرام کو مستثنی کر کے بقیہ مال کی زکوۃ ادا کرنا اس پر واجب ہے۔

۲- قابض کی ملکیت میں مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب موجود نہیں تو ایسی صورت میں قابض پر کوئی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کے پاس ملکیت تامہ کے طور پر کوئی نصاب موجود نہیں ہے۔

"وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب مملوكة له لا تجب عليه بقدر المغصوب وتجب في الزائد" (تقریرات رافعی ۲/۱۳۲ تحت عبارۃ الشامی ۲/۲۹۱)

(جب مال مغصوب کے مملوکہ نصاب سے مخلوط ہونے کی وجہ سے امتیاز نہ کر سکے تو مقدار مغصوب کو مستثنی کر کے بقیہ پر زکوۃ واجب ہے)۔

دین اور قرض کی زکوۃ کس پر لازم ہے

دیون کی زکوۃ سے متعلق اہم ترین تین شکلیں علی الترتیب یہاں پر درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- وہ دین جو تجارتی مال یا قرض کے طور پر لازم ہے اور مدیون اس دین کا اقرار بھی

Marfat.com

کرتا ہے، مدیون ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا ہے اور دائن بہ آسانی اس کو وصول بھی کر سکتا ہے تو ایسے دین کو دین قوی کہا جاتا ہے اور اس کی زکوۃ دائن پر واجب ہوا کرتی ہے، اس میں شریعت نے یہ رعایت دی ہے کہ وصول ہونے سے قبل ادا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر وصول ہو جائے تو اس وصول شدہ کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرتا جائے گا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ وامام محمد کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوتا رہے گا اس کی زکوۃ چالیسویں حصہ کے حساب سے نکالنا واجب ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے:

''دین قوی وہ ہے جو مال تجارت وغیرہ کا بدل ہو، جیسا کہ تجارتی کپڑے اور غلام، سامان تجارت کا ثمن یا مال تجارت کی آمدنی وغیرہ اور اس میں وجوب زکوۃ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن سنین ماضیہ کی زکوۃ چالیس درہم یعنی نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر قبضہ ہونے سے پہلے زکوۃ واجب نہ ہوگی اور چالیس درہم وصول ہونے پر ایک درہم زکوۃ میں ادا کرنا لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوگا اس کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا، مقبوض کی مقدار کم ہو یا زیادہ'' (بدائع ۲/۱۰، نیز دیکھئے: رسائل مجمع الانہر ۱/۱۹۵، قاضی خان ۱/۲۵۲، البحر الرائق ۲/۲۰۷)۔

۲-اگر مدیون دین کا اقرار کر رہا ہے مگر مفلس ہونے کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے قاصر ہے تو ایسی صورت میں اگر حاکم نے اس کو مفلس تصور کر کے اس پر افلاس کا حکم نہیں لگایا ہے تو دین متوسط کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا بھی دائن پر لازم ہوگا اور اگر حاکم نے افلاس کا حکم لگا دیا ہے تو مال ضمار اور دین ضعیف کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ کرنے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دائن پر واجب

Marfat.com

نہ ہوگا، اس لئے کہ قبضہ سے قبل اس کے وصول پر دائن کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

اور حضرات شیخین کے نزدیک سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب ہے، اس لئے کہ اس میں جانب فقراء کی رعایت پائی جاتی ہے، اور صاحب درمختار، صاحب تحفہ اور قاضی خان وغیرہ نے حضرت امام محمدؒ کے قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے اور باقانی نے کافی سے نقل کرکے شیخین کے قول کو راجح قرار دیا ہے:

''اگر تنگ دست اور مفلس پر قرض ہے اور حاکم اس پر مفلس ہونے کا حکم لگادے یا منکر پر دین ہے جس پر گواہ موجود ہے تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہونے پر سنین ماضیہ کی زکوۃ نہیں ہے، (اور شیخین کے نزدیک واجب ہے) اور اگر قاضی نے مفلس قرار نہیں دیا ہے تو بالاتفاق سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب ہے، اور امام محمدؒ کے قول کو ''تحفۃ غایۃ البیان خانیہ'' نے صحیح قرار دیا ہے اور باقانی نے کافی سے وجوب کے قول کی تصحیح نقل کی ہے'' (درمختار مع الرد ۲/۲۶۷، نیز دیکھئے: مجمع الانہر ا/۱۹۴، عنایہ ا/۱۱۶۴، بدائع ۲/۹)۔

۳- دین کا اقرار کررہا ہے اور اس کے پاس ادا کرنے کیلئے مال بھی ہے، لیکن ٹال مٹول کررہا ہے اور امروز و فردا میں کئی سال گزر گئے اور دائن کو اس کے حاصل کرنے پر قدرت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا دائن پر واجب نہیں ہوگا، صرف مستقبل کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (امداد الفتاوی ۲/۳۵)۔

''یقر المدیون بالدین وبملائته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه، فهو بمنزلة العدم'' (شامی ۲/۳۴۴)

(مدیون دین کا اور مال داری کا اقرار کرتا ہے اور دائن اس کے چھڑانے پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو وہ بمنزلہ عدم کے ہے اور عدم پر شرعی حکم لاگو ہوکر زکوۃ وغیرہ واجب نہیں ہوا کرتی ہے)۔

Marfat.com

اور اس کی زکوۃ مدیون پر اس لئے واجب نہیں ہے کہ وہ اتنی مقدار مال کا درحقیقت مالک نہیں ہے اور وجوب زکوۃ کیلئے ملک تام شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے، حاصل یہ نکلتا ہے کہ ایسا مال وجوب زکوۃ کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا، اور دین کی زکوۃ مدیون پر کسی حال میں بھی لازم نہیں ہوتی اور دائن پر ہی دین کی زکوۃ واجب ہوا کرتی ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوۃ

سرکاری محکموں اور دیگر پرائیویٹ اداروں کے ملازمین کی تنخواہ میں سے جو حصہ فنڈ کے نام کاٹ کر جمع کرلیا جاتا ہے اور اس پر مزید اضافہ کے ساتھ محفوظ کرلیا جاتا ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت اصل رقم اور اضافہ دونوں ملازم کو مل جاتے ہیں تو ایسی صورت میں فنڈ کی زکوۃ ملازم پر واجب ہوگی یا نہیں؟

اس میں تفصیل یہ ہے کہ فنڈ کی مذکورہ رقم بالاتفاق دین قوی کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی، اور دین ضعیف کے دائرہ میں داخل ہونا زیادہ راجح ہے، اس لئے کہ اس رقم پر کبھی قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ ملازم کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی ہے، اسی وجہ سے اضافہ شدہ رقم کو سود کے دائرہ میں داخل نہیں کیا جاتا ہے اور دین ضعیف میں قبضہ کے بعد بالاتفاق سنین ماضیہ کی زکوۃ لازم نہیں ہوتی ہے، اور اس رقم کا دین متوسط کے دائرہ میں داخل ہونا امر متردد فیہ ہے، لیکن اگر دین متوسط میں داخل کرلیا جائے تو بھی صحیح، راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق اس پر سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس لئے پراویڈنٹ فنڈ پر ماضی کی زکوۃ واجب نہ ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۴۹، فتاوی محمودیہ ۳/۵۱، کفایت المفتی ۴/۲۴۶، ۲۸۸، جواہر الفقہ ۱/۳۸۵، فتاوی رحیمیہ ۵/۱۴۷، عزیز الفتاوی ۱/۳۶۸)۔

نیز ''بدائع الصنائع'' میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''بہر حال دین متوسط وہ ہے جو اس کے ایسے مال سے واجب ہے جو مال تجارت نہیں ہے اور اس کے وجوب کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے حتی کہ دو سو درہم قبضہ کرلے اور اس پر قبضہ کے بعد سال گزر جائے اور یہی امام صاحب کی دونوں روایتوں میں سے صحیح اور راجح روایت ہے'' (بدائع ۱۰/۲، منحۃ الخالق علی البحر ۲۰۷/۲، شامی ۳۰۶/۲)۔

نمو کی تعریف اور وجوب زکوۃ کی شرط

نمو کے معنی بڑھوتری کے ہیں اور باب زکوۃ میں اس کی دو قسمیں ہیں:

۱- نمو حقیقی: اس کا مطلب یہ ہے کہ مال توالد وتناسل اور تجارت کی شکل میں بڑھتا رہے۔

۲- نمو تقدیری: اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال از خود یا اپنے نائب وغیرہ کے ذریعہ سے مال کو بڑھانے اور ترقی کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ وجوب زکوۃ کیلئے مال نامی کا ہونا شرط ہے چاہے نمو حقیقی ہو یا تقدیری۔

اور اصطلاح شرع میں نمو کی دو قسمیں ہیں: نمو حقیقی اور نمو تقدیری: حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ توالد وتناسل اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ اضافہ ہو، اور تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال از خود یا اپنے نائب کے ذریعہ مال کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو (شامی ۲۶۳/۲، بحر ۲۰۶/۲، تبیین ۲۵۵/۱)۔

حوائج اصلیہ کی شرط

حوائج اصلیہ میں وہ اشیاء داخل ہوتی ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی بسر کرنا دشوار ہو جائے، آج کل کے دور میں بہت سی غیر ضروری اشیاء کو لوگوں نے اپنے لئے یوں ہی ضروری

Marfat.com

کرلیا ہے جو درحقیقت حوائج اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتی ہیں۔ حوائج اصلیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱- حاجت اصلیہ حقیقیہ- اس کے اندر وہ اشیاء شامل ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کو ہلاکت کا خطرہ ہے، مثلاً ضروری نفقہ اور اخراجات اور رہائشی مکانات اور آلات جنگ اور سردی اور گرمی کے وہ کپڑے جن کی اپنے موسم کے اعتبار سے ہروقت ضرورت ہوتی ہے۔

۲- حاجت اصلیہ تقدیریہ- اس کے اندر وہ اشیاء داخل ہوتی ہیں، انسان جن کے بارے میں ہروقت صحیح معنی میں متفکر رہتا ہے، مثلاً واجب الاداء قرض، پیشہ اور کاریگری کے اوزار وآلات اور گھر کے ضروری اثاث وسامان اور سواری کے جانور اور علماء کے لئے دینی کتابیں یہ سب حوائج اصلیہ میں شامل ہیں، لہذا اگر کسی کے پاس نقد رقم موجود ہے، لیکن اس پر قرض بھی ہے یا کسی عالم نے ضروری کتابیں خریدنے کیلئے کچھ رقم الگ کررکھی ہے یا کسی کاریگر نے اوزار کیلئے کسی کو رقم دے رکھی ہے یا گھر کے سامان اور سواری کیلئے کچھ پیسہ دے رکھا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، چنانچہ علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

''حوائج اصلیہ میں ہر وہ شئ شامل ہوتی ہے جو انسان سے حقیقی معنی میں اسباب ہلاکت کو دور کرتی ہے، جیسا کہ نفقہ، رہائشی مکان، جنگی آلات، گرمی سردی کے ضروری کپڑے وغیرہ تقدیراً اور باطناً ہلاکت کو دور کرتے ہیں، جیسے کہ واجب الاداء قرض، جو اس کے قبضہ میں بقدر نصاب مال کے ذریعہ ادا کیا جائے گا اپنے سے قید وغیرہ کو دور کرنے کیلئے اور یہ بھی ہلاکت کے درجہ میں، صناعت کے اوزار اور گھر کے اثاث اور سواری کے جانور اور علماء کیلئے دینی کتابیں، اس لئے کہ جہالت ان کے نزدیک ہلاکت ہے، لہذا ان ضروریات میں خرچ کیلئے جو رقم موجود ہے وہ کالعدم ہوگی، جیسا کہ پیاسے کے حق میں پینے کے پانی کو کالعدم قرار دے کر اس پر وضو واجب نہیں ہوتا ہے'' (شامی ۲/ ۲۶۲ کراچی)۔

شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کی حقیقت، علاقہ اور ہر دور کے اعتبار سے حاجات اصلیہ میں تفاوت ہوسکتا ہے، مثلاً عوام کیلئے کتب حدیث، کتب فقہ وغیرہ

Marfat.com

حاجات اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتیں اور علماء کیلئے حاجات اصلیہ میں سے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں جانوروں کو سواری کے کام میں لایا جاتا ہے اور وہاں اسکوٹر، سائیکل وغیرہ چلانے کے لئے کوئی راستہ بھی نہیں ہے، وہاں سواری کے جانور حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گے، اور گاڑی، اسکوٹر وغیرہ شامل نہیں ہوگی، اور شہر والوں کیلئے یہ سب اشیاء حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گی، نیز ایسی جگہ جہاں گاڑی وغیرہ چلانے کا راستہ نہیں ہے وہاں کے لوگ اگر گاڑی وغیرہ رکھ لیں تو وہ اشیاء حوائج اصلیہ سے اگر چہ زائد ہیں، لیکن مال نامی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

طویل الاجل قرض اور کون سا دین مانع زکوۃ ہے؟

وہ تمام دیون جو مدیون پر واجب الادا ہوتے ہیں وہ سب وجوب زکوۃ کو مانع ہیں، اس لئے موجودہ دور میں تجارت کو فروغ دینے کے لئے اور فیکٹری اور فرم وغیرہ قائم کرنے کے لئے پبلک حکومت سے جو قرض لیتی ہے اور ادائیگی کے لئے سالانہ یا ماہانہ قسط مقرر کی جاتی ہے اور طویل الاجل قرض کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ مقدار قرض کو منہا کرنے کے بعد مابقیہ مال اگر نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر نصاب کو نہیں پہنچتا ہے تو زکوۃ ہی اس مدیون پر واجب نہ ہوگی۔

نیز اگر ایک کروڑ روپیہ قرض میں لے رکھا ہے اور سالانہ پانچ لاکھ کے حساب سے بیس سال میں ادا کرتا ہے تو سالانہ قسط کے لحاظ سے تجزی نہ ہوگا، بلکہ پورے ایک کروڑ کو منہا کیا کرے گا۔

مال نصاب قرض سے بری ہو اور قرض سے ایسا قرض مراد ہے کہ منجانب العباد اس کا مطالبہ ہو، چاہے وہ دین بندوں کا ہو یا اللہ تعالی کا، اور مطالبہ فی الحال اور بالفعل ہو یا مدت اور زمانے کے بعد، لہذا دین مؤجل بھی مانع زکوۃ میں شامل ہوگا (مجمع الانہر ۱/ ۱۹۳، نیز دیکھئے: عنایہ ۲/ ۱۶۰، خانیہ ۱/ ۲۵۵، ہندیہ ۱/ ۱۷۳، درمختار ۲/ ۲۶۰، البحر الرائق ۲/ ۲۰۴)۔

Marfat.com

کمپنی اور مشترک کاروبار کے حصہ داروں کی زکوۃ

مشترکہ تجارت، کمپنی اور فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوۃ مجموعی رقم اور مال پر واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہر حصہ دار کی زکوۃ اس کے حصہ کے حساب سے واجب ہوگی، لہذا جس کا حصہ نصاب کو پہنچے گا، اس پر اپنے حصہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا اور جس کا حصہ نصاب کو نہیں پہنچتا ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوسکتا ہو، تو ایسے حصہ دار پر زکوۃ ہی واجب نہیں ہے، اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہو جاتا ہے اس پر زکوۃ تو واجب ہو جاتی ہے، لیکن وہ اپنے حصہ کی زکوۃ اپنے طور پر نکالا کرے گا (مستفاد فتاوی دار العلوم ۶/ ۶۷)۔

”ولا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة، وإن صحت الخلطة (إلى قوله) وإن تعدد النصاب تجب إجماعاً ويتراجعان بالحصص فإن بلغ نصيب أحدهما نصاباً زكوة دون الآخر الخ“ (درمختار ۲/ ۳۰۴)

(ہمارے نزدیک جانوروں اور مال تجارت کے ایک مشترک نصاب پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اگر اس میں اختلاط واشتراک صحیح ہو چکا ہے اور اگر نصاب متعدد ہو جائے تو ان نصابوں کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور حصہ دار حضرات اپنے اپنے حصوں کے حساب سے ایک دوسرے سے مراجعت کریں گے، اور اگر کسی کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہے اور کسی کا نہیں پہنچتا ہے تو جس کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، دوسرے پر نہیں)۔

ہیرے، جواہرات کی زکوۃ

ہیرے جواہرات اگر تجارت کے لئے ہیں تو ان پر زکوۃ واجب ہے اور اگر تجارت کے لئے نہیں ہیں، بلکہ گھر میں برائے زینت یا کسی اور مقصد سے جمع کر رکھا ہے تو ہیرے و جواہرات

Marfat.com

پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ہیرے جواہرات اگر چہ حوائج اصلیہ سے زائد ہیں، لیکن وجوب زکوۃ کے لئے مال نامی ہونا بھی شرط ہے اور ان میں نمو اور بڑھوتری کی شرط نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے ہیرے جواہرات چاہے کتنے ہی مقدار میں ہوں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

''یاقوت، موتی، جواہرات اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے اگر چہ زیور کی شکل میں کیوں نہ ہوں'' (عالمگیری ۱/۱۸۰، ۱۸۵ ومثلہ کتاب الفقہ ۱/ ۶۱۴، شامی ۲/ ۳۲۱-۳۲۲)۔

''یاقوت وجواہرات میں کوئی زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ حوائج اصلیہ میں دین بھی شامل ہے اور نمو بھی دین کو شامل ہے اور اسی نمو کی قید کی وجہ سے غیر اہل کے لئے کتب دینیہ نصاب کے دائرہ سے خارج ہو جاتی ہیں، حالانکہ وہ غیر اہل کے لئے حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں (شامی ۲/ ۲۶۲)۔

غیر نامی اشیاء اگر بقدر نصاب یا نصاب سے زیادہ حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو مالک پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ سے صرف مستحق زکوۃ بننے سے محروم ہوتا ہے، اس لئے ہیرے وجواہرات میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

''وكذا الكتب، وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة غير أن الأهل له أخذ الزكوة وإن ساوت نصاباً وتحته في الشامي، وأما غير الأهل، فإنهم يحرمون بالكتب من آخذ الزكوة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه وإن لم يكن نامياً'' (درمختار کراچی ۲/ ۲۶۵)

(ایسے ہی کتابیں اگر چہ نااہل کے لئے ہوں اور تجارت کی غرض اس میں نہ ہو (تو اس میں زکوۃ نہیں ہے)، لیکن اگر با اہل عالم کی کتابیں ہیں تو اس کیلئے زکوۃ لینا بھی جائز ہوگا، کتابیں چاہے کئی نصاب کے بقدر کیوں نہ ہوں، اور غیر اہل ان کتابوں کی وجہ سے مستحق زکوۃ ہونے سے

Marfat.com

محروم ہو جائے گا، جب کہ نامی اور تجارتی نہ ہوں)۔

تجارتی پلاٹ اور اموال تجارت میں کس نرخ پر زکوۃ واجب ہے

اموال تجارت میں اداء زکوۃ کے لئے چار قسم کے نرخ سامنے آتے ہیں:

۱-امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس دن سال ختم ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا کرنا واجب ہوا ہے، اگر اسی روز زکوۃ ادا نہیں کی ہے اور پھر بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہو جائے تو حولان حول کے دن جو بھاؤ عمومی طور پر پایا جاتا تھا، اسی بھاؤ کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

"عند أبی حنیفةؒ فی الزیادة والنقصان جمیعاً یؤدی قیمتها یوم الحول۔الخ" (بدائع ۲/ ۲۳، نیز دیکھئے: ہندیہ ۱/ ۱۸۰)۔

۲-امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک اگر یوم الحول میں زکوۃ ادا نہیں کی ہے تو وقت گزر جانے کے بعد جس دن بھی اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی اسی دن کی قوت خرید کے نرخ کا اعتبار کر کے زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا، لہذا اگر بھاؤ گھٹ جائے تو گھٹے ہوئے کی قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی اور اگر بڑھ جائے تو بڑھے ہوئے کی قیمت لگا کر ادا کرنا لازم ہوگا۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وعندهما فی الفصلین جمیعاً یؤدی قیمتها یوم الأداء فی النقصان (وقوله) وفی الزیادة الخ" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳)

(اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں یوم الاداء کے نرخ کے اعتبار سے ادا کرے گا، چاہے مال کی قیمت کم ہوگئی ہو یا زیادہ)۔

۳-متوقع قیمت فروخت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ ادا کی جائے، لیکن یہ ایک امر متردد فیہ ہے، اور زکوۃ مال متعین اور مال یقینی اور ملکیت متقیہ پر ہی واجب ہوا کرتی ہے، اس لئے

Marfat.com

متوقع نرخ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۴-رأس المال اور لاگت کی قیمت کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے، یہ ایک امر یقینی اور متعین ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو ملکیت تامہ اور ملکیت لازمہ پر زکوۃ ادا کرنا پایا جاتا ہے، اور شریعت اسلامی نے ملکیت لازمہ پر زکوۃ واجب کی ہے ملکیت متردد فیہ پر زکوۃ واجب نہیں کی ہے، اس وجہ سے اس شکل کا اعتبار کرنے میں اگر چہ عبارات فقہیہ زیادہ ساتھ نہیں دیتی ہیں، لیکن وجوب زکوۃ کی اصل علت اور بنیاد پر غور کرنے سے اس شکل کی قوت نظر آتی ہے، اس لئے اس صورت کو اگر جائز کہا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور کتب فقہ کی عبارات اول الذکر دونوں شکلوں کی مؤید ہیں، لہذا حاصل یہ نکلے گا کہ تیسری شکل کے جواز کے دائرہ میں آنے کیلئے کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور چوتھی شکل اصل بنیاد وعلت کے لحاظ سے جواز کے دائرہ میں آسکتی ہے، اور اول ودوم کے لئے کتب فقہ کی صریح عبارات موجود ہیں، اس لئے ان تینوں شکلوں میں سے کسی بھی ایک کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق یوم الحول کے نرخ کا اعتبار کرنا زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، اور تجارتی پلاٹ پر بھی مذکورہ تفصیل اور احکام لاگو ہوں گے، اگر پھٹکر فروختگی کا مال ہے تو زکوۃ میں پھٹکر بھاؤ کی قیمت لگانا ہوگا، اور تھوک فروختگی کا مال ہے تو تھوک بھاؤ کی قیمت لگانا ہوگا۔

کمپنی کے حصص اور شیئرز کی زکوۃ

کمپنی کے حصص اور شیئرز میں تجارتی سرمایہ ہونے کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی اور اس کی زکوۃ کی ادائیگی میں لاگت اور منافع دونوں کا اعتبار کر کے دونوں کی زکوۃ نکالنا واجب ہے، اور اس کے سرمایہ میں سے جتنی مقدار کمپنی کے غیر نامی اثاثوں میں خرچ ہوئی ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور جو مقدار نامی اثاثوں میں لگی ہے اس کی اور اس کے منافع کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے اور اگر اس کا پورا حصہ نامی اثاثہ میں لگایا گیا ہے تو پورے حصہ رأس المال اور منافع

Marfat.com

دونوں کی زکوۃ نکالنا واجب ہے۔

اور اگر شیرز مارکیٹ میں شیرز کو خرید کر فروخت کیا کرتا ہے اور فروختگی کی غرض سے حصص خریدا کرتا ہے تو کل لاگت مال تجارت کے دائرہ میں آ کر کل پر زکوۃ واجب ہوا کرے گی۔

(مستفاد فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۴۲، جدید فقہی مسائل/ ۱۳۲، اسلامی فقہ ۱/ ۴۳۱، جواہر الفقہ ۱/ ۳۸۵، امداد الفتاوی ۲/ ۲۱، فتاوی دار العلوم ۶/ ۴)

بونڈز اور حکومت کو بطور قرض دی گئی رقم کی زکوۃ

حکومت اور کمپنی وغیرہ کو طے شدہ مدت اور معاہدہ کے تحت جو رقم بطور قرض دی جاتی ہے، وہ شرعی طور پر دین قوی کے حکم میں ہوتی ہے، اس لئے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوۃ ادا کرنا واجب ہوا کرتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ کی ''البحر الرائق'' کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

قرض اور دین کی تین قسمیں ہیں، دین قوی اور وہ بدل قرض اور مال تجارت ہے، تو دین قوی کے اندر حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، لیکن ادائیگی چالیس درہم کے قبضہ کرنے تک موقوف رہے گی اس کے بعد جتنا وصول ہوتا رہے گا اس کا حساب لگا کر زکوۃ ادا کیا کرے گا (البحر الرائق ۲/ ۲۶۰، نیز دیکھئے: ۱/ ۲۵۴)۔

مصارف زکوۃ

مد زکوۃ سے طلبہ کی فیس ادا کرنا

اگر طلبہ کے اخراجات کا حساب لگا کر فی کس جتنا بنتا ہے اتنے کا چیک بنا کر مہتمم مدرسہ کے قبضہ میں دے دیا کرے اور طلبہ اپنے قیام وطعام کی فیس کے نام سے مدرسہ کو دے دیا کریں تو بلاشبہ جائز و درست ہوگا اور یہ مدارس اسلامیہ میں مال زکوۃ کی تملیک کے لئے بہت بہترین اور

Marfat.com

مناسب شکل ہے، اور یہ حیلہ تملیک نہیں بلکہ تملیک کے دائرہ میں داخل ہو جائے گی، اور اگر مالدار اور مستطیع طلبہ سے فی کس کے تناسب سے فیس لیا کرے تو یہ بھی جائز اور درست ہے، البتہ وہ غنی طالب علم جس کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہے، راجح قول کے مطابق اس کو زکوۃ کی رقم دینا یا مدزکوۃ سے اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے (امداد الفتاوی ۲/۱۹، احسن الفتاوی ۲/۲۵۲)۔ اور صاحب ''درمختار'' نے جو غنی طالب علم کے لئے اخذ زکوۃ کو جائز لکھا ہے اس کو علامہ شامی نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ یہ اس قول کے خلاف ہے جس میں مطلقاً غنی کے لئے حرمت زکوۃ کو ثابت کیا گیا ہے اور جواز کے قول کا کسی نے اعتبار نہیں کیا۔ **''وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد''** (شامی ۲/۳۴۰)۔

اور اگر فقیر طلبہ کو مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ چیک یا رقم پر قبضہ نہ دیں اور خود مہتمم یا دیگر ذمہ دار طلبہ کے نام سے اپنے طور پر جمع کرلیں، پھر اس رقم کو تنخواہ وغیرہ میں صرف کیا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا، بلکہ اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ طلبہ صراحتاً ذمہ دار کو اس کام کے لئے وکیل بنادیں، اس کے بغیر یہ جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا۔

اداء زکوۃ میں ضم نصاب کا حکم

وجوب زکوۃ کے لئے شریعت اسلامی نے مال نامی ہونے اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ نصاب مال کے مالک ہونے کی شرط بھی لگائی ہے، تاکہ **''لا ضرر ولا ضرار''** کے قانون کے تحت کسی کو کوئی نقصان نہ ہو، اور اسلامی شریعت نے سونا اور چاندی کو الگ الگ معیار قرار دیا ہے، اسی وجہ سے دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل اصلیت کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے بلا وجہ کسی ایک کو ہی اصل ٹھہرانا بے اصل اور بے دلیل بات ہوگی، اس لئے جب دونوں الگ الگ اپنے نصاب کو پہنچ جائیں تو الگ الگ زکوۃ نکالنا بھی واجب ہوتا ہے اور جب تفاوت

Marfat.com

ہو جائے اور ایک کا نصاب مکمل ہو جائے اور دوسرے کا مکمل نہ ہو، یا کسی کا نصاب کامل نہ ہو تو شریعت نے انفع للفقراء کو پیش نظر رکھ کر، ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر دونوں کو ایک کے حکم میں قرار دے کر نصاب مکمل کر کے زکوۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس طرح ضم نصاب کی صورت میں انفع للفقراء کو ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور انفع للفقراء اسی میں ہے کہ سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر پورے کو چاندی کا نصاب بنا دیا جائے (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۱/۲۹، کفایت المفتی ۴/۲۵، امداد الفتاوی ۲/۳۹، فتاوی رحیمیہ ۱/۱۵۰)۔

"وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن يكون كان أقل فلو كان كل واحد منهما نصاباً تاماً بدون زيادة لا يجب الضم بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد زكوته فلو ضم حتى يؤدى كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء" (شامی ۲/۳۰۳، نیز دیکھئے: ہندیہ ۱/۱۷۹)

(سونا چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ دونوں کا نصاب مکمل نہ ہو اور نصاب سے کم ہو، اور اگر دونوں کا نصاب مکمل ہو تو انضمام واجب نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں بہتر اور اولی یہی ہے کہ دونوں کی زکوۃ الگ الگ ادا کی جائے، اور اگر ملا کر ادا کی جائے تو بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے لیکن واجب یہی ہے کہ اس کے ساتھ قیمت لگائی جائے جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ اور نفع ہو)۔

مہتمم معطیان وطلبہ دونوں کا وکیل

مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطیان کے وکیل ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر ان کو صرف زکوۃ دہندگان کی طرف سے وکیل تسلیم کیا جائے اور طلبہ

Marfat.com

کی طرف سے وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوۃ دہندگان کی زکوۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک کہ یہ لوگ مصرف میں خرچ نہ کردیں، لہذا اگر مصرف میں خرچ ہونے سے قبل ضائع ہوجائے تو معطیان کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، ان پر فریضہ زکوۃ بہ دستور باقی رہے گا، لیکن مہتمم اور سفراء کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے تو ان پر تاوان بھی لاگو نہ ہوگا، نیز ایسی صورت میں جن مدارس میں زکوۃ کی رقم کئی کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہتی ہے اگر بقدر نصاب ہو تو ان کے معطیان پر ان سالوں کی زکوۃ بھی دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں اس کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے (معارف القرآن ۴/۱۶۹)، لیکن ہمارے اکثر اکابر اہل فتاوی نے مہتمم کو طلبہ اور معطیان دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے مہتمم اور اس کے ماتحت لوگوں کے قبضہ کرنے پر زکوۃ دہندگان کی زکوۃ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے، لہذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو معطیان کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیان کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، نیز کئی سال سے جمع شدہ رقم پر کسی شخص حقیقی کی ملکیت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ معطیان کے حق میں اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں اور طلبہ اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہذا نہ ان پر زکوۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیان زکوۃ واپس لے سکتے ہیں (مستفاد فتاوی خلیلیہ ۱/۳۱۹)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس فتوی سے رجوع کرلیا ہے جس میں طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کا انکار کیا ہے، رجوع کا تفصیلی فتوی جواہر الفقہ (۴/۲۸۷) میں امین اشرف متعلم درجہ تخصص فی الفقہ والافتاء دار العلوم کراچی کے ۱۴/ذیقعدہ ۱۳۹۵ کے سوال کے جواب کے

Marfat.com

تحت موجود ہے (جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷)۔

اور یہی مضمون حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم نے فتاوی محمودیہ میں نقل فرمایا ہے کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام اور انتظام اور قوانین کو تسلیم کرکے داخلہ لیا ہے تو گویا کہہ دیا کہ آپ ہمارے وکیل ہیں (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۱۸)۔

قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے بھی صاف اور واضح الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے، اور قوی دلائل کی روشنی میں اگرچہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے معارف القرآن میں نقل فرمایا ہے، لیکن اساطین امت اور اہل فتاوی کی ایک بڑی جماعت نے مہتمم اور اہل مدرسہ کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے، اس لئے یہی مسلم ہوگا کہ مہتمم، اہل مدرسہ اور سفراء معطیان اور طلبہ دونوں کی طرف سے وکیل ہوں گے، نیز حضرت تھانویؒ نے بھی "امداد الفتاوی" ترتیب قدیم مطبوعہ رحیمیہ، میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے مذکورہ جواب کو تحریر فرمایا ہے جس سے شبہ اور تردد بالکل رفع ہوجاتا ہے (امداد الفتاوی ۴/ ۲۱۸، ترتیب قدیم)۔

مد زکوۃ سے سفراء کی تنخواہ

مدارس کے سفراء کو "العاملین علیها" کے حکم میں قرار دے کر ان کو زکوۃ کی رقم میں سے بلا تملیک تنخواہ دینا درست ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء کو العاملین علیہا کے دائرہ میں داخل کرکے مد زکوۃ سے ان کو تنخواہ دینا جائز قرار دیا ہے، اور صرف یہ قید لگائی ہے کہ ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زائد تنخواہ دینا جائز نہیں ہے (کفایت المفتی ۴/ ۲۶۹)، نیز مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتیین میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہی نقل فرمایا ہے کہ سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر ان کو مد زکوۃ سے تنخواہ دی

Marfat.com

جاسکتی ہے (امداد المفتیین / ۴۵۸)، لیکن مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں کافی تفصیل کے ساتھ مختلف دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مدارس کے سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا اور ان کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر مدزکوۃ میں سے ان کو زکوۃ دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا (معارف القرآن ۴/ ۱۶۹، سورہ توبہ آیت ۷)۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواز کے فتوی سے رجوع کر کے عدم جواز کو اختیار فرمالیا ہے، اس لئے کہ یہ مسلم بات ہے کہ ''امداد المفتیین'' بہت پہلے مرتب ہوگئی تھی اور اس کے طویل عرصہ کے بعد ''معارف القرآن'' تحریر فرمائی ہے، تو اب اکابر میں سے جواز کے قائل صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ تنہا رہ جاتے ہیں اور قریب قریب تمام اکابر اہل فتاوی اس پر متفق ہیں کہ سفراء کو امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں قرار دے کر ان کو مدزکوۃ سے بلاتملیک تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہے، ''امداد الفتاوی، عزیز الفتاوی، احسن الفتاوی'' وغیرہ سب میں عدم جواز کا حکم موجود ہے۔ (امداد الفتاوی دیو بند، عزیز الفتاوی کراچی/ ۳۶۰، احسن الفتاوی ۴/ ۲۸۴) اور یہی حکم دفتر محاسبی اور دیگر دفتر کے ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں بھی ہوگا، خصوصا جب وہ لوگ حساب زکوۃ کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہوں، لہٰذا مدزکوۃ سے سفراء و دیگر ملازمین کو تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا۔

اگرچہ باتنخواہ ملازمین کو حسن کارکردگی پر کچھ شرح فی صد متعین کر کے بطور انعام طے شدہ تنخواہ سے زائد دینا شرعا جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا شرط ہے اور نصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صواب متعین کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ نصف یا اس سے زائد امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کو دینا بھی جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔ لكن لا يزاد على نصف مايقبضه (لیکن وصول شدہ کے نصف سے زائد ان کو نہ دیا جائے) (شامی ۲/ ۳۴۰)۔

Marfat.com

اور اس کا لحاظ بھی لازم ہوگا کہ سفراءزکوۃ کی رقم وصول کر کے تملیک سے قبل اس میں سے خرچ نہ کریں، بلکہ خرچ کے لئے مدرسہ سے علی الحساب پیشگی رقم لے لیا کریں اور زکوۃ کی وصول شدہ رقم اولاً مکمل مدرسہ میں جمع کر دیں، پھر مدرسہ کے فنڈ سے اپنا حساب صاف کرلیا کریں ورنہ تملیک فقراء کی شرط فوت ہو جاتی ہے اور تملیک اداءزکوۃ کے لئے شرط ہے، "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً" (درمختار ۲؍۳۴۴)۔

اور اگر باتنخواہ ملازم نہیں ہے تو اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے شرح فیصد متعین کر کے صرف کمیشن کو اجرت قرار دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ صحت اجارہ کے لئے اجرت کا تعین شرط ہے، لہذا کمیشن کا یہ طریقہ جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا (فتاوی محمودیہ ۱؍۵۲۴، فتاوی احیاء العلوم ۱؍۳۳۴)۔

"وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین الخ" (درمختار ۶؍۵)۔

(صحت اجارہ کے لئے منفعت اور اجرت دونوں کا متعین ہونا شرط ہے)۔

"ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة" (ہدایہ ۳؍۲۷۷)۔

(اجارہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک منفعت اور اجرت متعین نہ ہو)۔

لہذا حاصل یہ نکلتا ہے کہ باتنخواہ کے لئے بطور انعام کمیشن متعین کرنا جائز ہے اور بے تنخواہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

مبیع قبل القبض کی زکوۃ

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- جس مال کی قیمت ادا کردی گئی، لیکن اب تک مال کی وصولی نہیں ہوسکی اگر بیع مکمل ہے تو قبضہ سے پہلے مبیع کو اپنے اموال زکوۃ میں شمار کیا جائے گا اور مشتری پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی، جیسا کہ "محیط سرخسی" کے حوالہ سے "عالمگیری" میں مذکور ہے:

"وأما المبيع قبل القبض لا يكون نصابا والصحيح أنه يكون نصابا" (محیط سرخسی)۔

اور جو رقم بطور ثمن کے بائع کے حوالہ کی جا چکی ہے اس کا ذمہ دار بائع ہے، اگر بائع صاحب نصاب ہے تو زکوۃ میں اس قیمت کو بھی شامل کرے گا، کیونکہ یہاں ملکیت اور قبضہ دونوں موجود ہیں۔

ڈپازٹ کی زکوۃ کا حکم

۲- کرایہ کے مد میں دی گئی پیشگی رقم جو عقد اجارہ فسخ ہو جانے پر کرایہ دار کو واپس کی جاتی ہے اس کی زکوۃ کسی پر واجب نہیں، نہ کرایہ دار پر نہ مالک مکان پر، بلکہ وہ مثل رہن کے ہے، رہن کی زکوۃ راہن پر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا قبضہ نہیں اور مرتہن پر بھی نہیں، اس لئے کہ اس کی

☆ دار العلوم مئو، یوپی۔

Marfat.com

ملک نہیں، تو ملک تام جو ملکیت اور قبضہ کے مجموعہ سے وجود میں آتی ہے وہ کسی کے حق میں موجود نہیں، لہذا زکوۃ کا وجوب کسی پر نہیں ہوگا:

"ولا في مرهون بعد قبضه أي لاعلى المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لا يزكي عن السنين الماضية" (رد المحتار)۔

مال حرام کی زکوۃ کا حکم

۳- سود اور رشوت کے مال کا صدقہ بلا نیت ثواب واجب ہے، یا اگر مالک اصلی کی طرف لوٹانا ممکن ہو تو لوٹانا واجب ہے، اس لئے ایسے مال میں زکوۃ کے وجوب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ زکوۃ ایک عبادت ہے جس کو ثواب ہی کے لئے کیا جاتا ہے۔

حرام مال حلال میں اس طرح گھل مل گیا کہ تمیز مشکل ہے تو اس صورت میں بھی صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ملکیت ثابت نہیں ہوگی، لہذا زکوۃ کا وجوب اور وراثت اصل مالک ہی سے متعلق ہوں گے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں حق غیر کا تعلق ذمہ سے ہوگا، عین مال سے نہیں، لہذا عین مال حرام کا امتیاز ختم ہوجانے کی بناء پر پورے مال پر ملکیت ثابت ہوگی، اور زکوۃ کا تعلق مجموعہ مال سے ہوگا، علامہ حصکفی فرماتے ہیں: امام صاحب کا قول قول ارفق اور قابل عمل ہے (شامی ۲/۳۷)۔

دین کی زکوۃ کا حکم

۴- دین کی زکوۃ دائن ہی پر واجب ہوگی، مدیون پر نہیں، مدیون غنی ہونے کے باوجود ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے تو وہ اپنے اس رویہ میں بلاشبہ ظالم ہے، لیکن وہ اس مال کا مالک نہیں، البتہ اس کے ذریعہ جو نفع کما رہا ہے اس کی زکوۃ کا وہ ذمہ دار ہے۔

Marfat.com

موجودہ تجارتی نظام میں بڑے چھوٹے ہر طرح کے تاجر کے مال کا بڑا حصہ ادھار رہتا ہے، بغیر ادھار کے اس زمانہ میں تجارت اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، تجارتی قرض جو فقہاء کے یہاں دین قوی کہا جاتا ہے، اس کی زکوۃ واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ قبضہ کے بعد وجوب کے قائل ہیں، لیکن اگر متوقع قرض کی زکوۃ مالک اپنے موجودہ مال کی زکوۃ کے ساتھ ادا کردے تو اس میں اس کے لئے بڑی آسانی ہے، اس لئے کہ تجارتی قرض وقفہ وقفہ سے وصول ہوتا ہے تو ہر قرض کے وصول ہونے پر زکوۃ کا اہتمام کرنا ایک مشکل امر ہے، ابوعبید نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ اور جابر بن عبداللہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، اور تابعین میں سے حضرت جابر بن زیدؒ، مجاہدؒ اور ابراہیمؒ بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن اگر قرض دو چار سال تک وصول نہیں ہوتا اور مالک اس کی زکوۃ بھی نہیں دیتا، تو ملنے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوۃ دے گا، البتہ ایسا قرض جس کے ملنے کی امید نہیں ہے جو شریعت کی اصطلاح میں مال ضمار کہلاتا ہے، اس کی زکوۃ وصولیابی کے بعد سال گزرنے پر ادا کی جائے گی، ایام ماضیہ کی زکوۃ احناف کے نزدیک واجب نہیں۔

پراویڈنٹ فنڈ

۵- پراویڈنٹ فنڈ کی زکوۃ وصول ہونے کے بعد سال گزرنے پر ادا کی جائے گی، مدت ملازمت میں جب کہ وہ رقم ہماری ملک تام میں نہیں آئی اور اس کا کوئی فائدہ بھی ہم کو نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کی مالی ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد نہیں ہوتیں، اور اس رقم کی مثال مال ضمار کی سی ہے، اس مال پر صاحب مال کی ملکیت ہے، لیکن اس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا، اس کی زکوۃ بھی وصولیابی اور حولان حول کے بعد واجب ہوتی ہے۔

"ولا زكوة فی مال الضمار وهو ما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء الملك" (درمختار)۔

Marfat.com

مانع زکوۃ دیون

کون سا دین مانع زکوۃ ہے؟ جس دین کا مطالبہ من جہۃ العباد ہو وہ دین مانع زکوۃ ہے، مہر مؤجل جس کا عورت کی طرف سے سالہا سال تک کوئی مطالبہ نہیں ہوتا وہ مانع زکوۃ نہیں، اس کے علاوہ دوسرے دیون مؤجلہ کے مانع زکوۃ ہونے میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ تینوں مسلک کے جمہور فقہاء کی آراء اثبات میں ہیں، ''معراج'' میں ''شرح طحاوی'' کے حوالہ سے منقول ہے کہ مانع نہیں، امام ابوحنیفہ سے یہی مروی ہے، لیکن صدر الشہید کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہیں، اور مانع ہونے اور نہ ہونے میں دونوں کی وجہ موجود ہے، اور قہستانی نے جواہر کے حوالہ سے یہ اضافہ کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دین مؤجل مانع نہیں ہے، حکومت کی طرف سے ملنے والے طویل المیعاد قرضے بھی مؤجل ہوتے ہیں، لہذا ایک سال میں جو واجب الاداء قسط ہے وہ زکوۃ سے مانع ہوگی، اور بقیہ اقساط مانع نہیں ہوں گی۔

کمپنیز پر زکوۃ

وجوب زکوۃ میں کمپنی کی مجموعی حالت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ شرکاء کی انفرادی حیثیت کا اعتبار ہوگا، ایک مسلمان کے حصہ میں کمپنی کا جو حصہ آتا ہے اس میں جو مقدار محل زکوۃ ہے اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوۃ دی جائے گی، اور اگر وہ تنہا نصاب کو نہیں پہنچتی، لیکن حصہ دار کے پاس الگ سے نصاب موجود ہے، یعنی دونوں مل کر نصاب کو پہنچ جاتے ہیں تو وہ زکوۃ دے گا، ورنہ نہیں، الغرض کمپنی کی زکوۃ اس کے ڈائرکٹر کو نہیں نکالنی چاہئے، بلکہ حصہ داروں کو اپنا حصہ معلوم کر کے خود اس ذمہ داری پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔

ہیرے اور جواہرات کی زکوۃ

۱- خواتین جو آرائش کے لئے ہیرے اور جواہرات استعمال کرتی ہیں، اس کی ان پر

Marfat.com

زکوۃ نہیں، اسی طرح مرد جو سرمایہ محفوظ کرنے کی نیت سے ہیرے جواہرات خرید کر اکٹھا کرتے ہیں، اصولی طور پر ان پر بھی زکوۃ کو واجب نہیں کہا جاسکتا، لیکن ظاہر ہے اگر ان کا مقصد زکوۃ سے فرار حاصل کرنا ہوگا تو چاہے وہ اس حیلے سے اپنی زکوۃ بچالیں، مگر اللہ تعالی کے یہاں مواخذہ سے نہیں بچ سکتے۔

اموال تجارت پر زکوۃ

۲-اموال تجارت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ مال جو تاجر خود تیار کرتا ہے اور دوسرے وہ مال جو بازار سے خریدتا ہے، دونوں قسموں پر حولان حول کے بعد تھوک قیمت فروخت کو بنیاد بنا کر زکوۃ نکالی جائے گی، یعنی زکوۃ نکالنے میں اصل سرمایہ اور اضافہ شدہ مال، یعنی منافع دونوں ہی جوڑے جائیں گے، جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے، اگر چہ ابن عباسؓ کی رائے میں فروخت ہونے تک انتظار کریں گے اور بقول ابن رشد قیمت خرید کا اعتبار ہوگا، لیکن جمہور فقہاء کی رائے وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

شیرز اور بونڈس کی زکوۃ

تجارتی کمپنیوں کے شیرز پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ شیرز کمپنی میں لگے ہوئے مال تجارت کا ہی حصہ ہوتے ہیں جس طرح دوسرے اموال تجارت زکوۃ کا محل ہیں اسی طرح سے یہ شیئرز بھی ہیں، ان پر بھی زکوۃ نصاب کی مقدار کو پہنچنے کے بعد یا اپنے دوسرے مالوں کے ساتھ مل کر واجب ہوگی، شیئرز کی مالیت کا تعین ادائیگی کے وقت بازار کے بھاؤ سے ہوگا، کیونکہ زکوۃ اصل مالیت اور منافع کے مجموعہ پر جاری ہوتی ہے۔

بونڈس ایک قرض ہے جو مالک اپنے اختیار سے کسی کمپنی یا حکومت کو دیتا ہے اور یہ قرض دین قوی کے قبیل سے ہے، اس لئے تمام سالوں کی زکوۃ واجب الاداء ہوگی، چاہے تو اپنے

Marfat.com

دیگر مالوں کے ساتھ سال بسال دیتے رہیں یا بونڈ کیش کرانے کے بعد سبھی گزرے ہوئے سالوں کی اکٹھا دیں۔

نصاب زکوۃ

چاندی اور سونے کے نصاب مین وہی نصاب بنیادی طور پر تسلیم کیا جائے گا جو انفع للفقراء ہو، بعض عرب علماء جیسے علامہ یوسف قرضاوی اور احمد عبد العزیز المزینی اور دوسرے لوگوں نے بھی اس زمانہ میں سونے کے نصاب کو اصل قرار دیا ہے، استاذ ابوزہرہ، خلاف ابوحسن کی بھی یہی رائے ہے، علامہ یوسف قرضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ ہماری رائے میں سونے کے نصاب کو اصل بنانا مبنی بر اعتدال وبلحاظ حجت قوی ہے، ہم دیگر اموال کے نصاب کے ساتھ اس کا تقابل کرتے ہیں تو موجودہ زمانہ میں ہمیں سونے کا نصاب ہی ان سے قریب تر دکھائی دیتا ہے، آج پانچ اونٹ یا چالیس بکریوں کی قیمت تقریبا چارسو دینار ہوتی ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ نقدی کی اتنی قلیل مقدار پر زکوۃ عائد کی جائے کہ جس سے ایک بکری بھی نہ خریدی جاسکے، علامہ یوسف قرضاوی کی اس دلیل سے ہمیں اتفاق نہیں ممکن ہے کہ ان کے ملک میں چاندی بہت سستی ہو، اور بکریاں بہت مہنگی ہوں، لیکن ہمارے ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی تقریبا پانچ ہزار روپے کے برابر ہوتی ہے اور اتنے روپے میں دس بکریاں بآسانی خریدی جاسکتی ہیں، لہذا چاندی کو نصاب زکوۃ کے مسئلہ میں اصل حیثیت آج بھی حاصل ہوگی۔

مصارف زکوۃ

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے جو شکل سوال میں تحریر کی گئی ہے وہ بہت موزوں اور واقعہ کے مطابق ہے، صحیح ہے کہ مدرسہ کا سارا خرچ طلبہ کی خدمت یا متعلقہ انتظامی امور پر ہوتا ہے، اس لئے سارے خرچ کو ماہانہ طلبہ پر تقسیم کر دیا جائے اور نقد رقم یا چیک دے کر ان سے وصول کرلیا

Marfat.com

جائے، بہتر یہ ہے کہ وصول کی جانے والی رقم سے دس بیس روپے زیادہ ہی ان کو دیا جائے تا کہ مکمل طور پر تملیک کا اظہار ہو اور حیلہ تملیک سے نجات مل جائے، اگر یہ طریقہ اہل مدارس قبول کرلیں تو زکوۃ دینے والوں اور مدارس کے ارباب اہتمام دونوں ہی صحیح طور پر اپنے اپنے فرائض منصبی سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

۲- مدارس کے سفراء "والعاملین علیها" کا مصداق نہیں ہیں، عامل وہ شخص ہے جس کو مسلمانوں کا امیر وصول صدقات کے کام پر مامور کرے، جصاص کی احکام القرآن میں اس بات کی صراحت ہے: "هو الذی يبعثه الإمام لأخذ الصدقات"۔

مدارس کے ذمہ داران امام نہیں اور ان کے متعین کئے گئے ہر شخص کو جبری وصولی کا اختیار بھی نہیں ہے، سفراء کے تقرر اور تنخواہ کے سلسلہ میں دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ کہ دیگر کام کرنے والے ملازمین کی طرح باقاعدہ ماہانہ تنخواہ پر سفیر رکھے جائیں، یا اگر مدرسین ہی سے چھٹیوں میں کام لیا جارہا ہے تو ان کی تنخواہ ڈبل کر دی جائے، پھر ادارہ اپنے حالات کے اعتبار سے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لئے مزید سہولیات، مثلاً سفر خرچ اور انعام واکرام وغیرہ دے سکتا ہے، اس سے آمدنی میں اضافہ کا امکان بھی بحال رہے گا، اور بے اعتدالی نہیں پیدا ہوگی، کمیشن پر چندہ کرنے سے ہمیں اتفاق نہیں، اگر چہ موجودہ حالات میں ہر کاروبار میں کمیشن کا رواج ہو جانے کی وجہ سے اسے جہالت اجرت مفضی إلی النزاع کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے، لیکن اس صورت میں دوسری بے اعتدالیاں پیدا ہونے کے شدید امکانات ہیں، کمیشن کی اجازت کے بعد سب سے بڑا مسئلہ اس کی تحدید کا پیدا ہوگا، بعض چھوٹے مدارس میں پچاس فیصد کمیشن طے کر کے سفراء کا کام نہیں چلے گا اور بڑے مدارس میں پانچ فیصد کمیشن پا کر ایک مہینہ میں پچاس ہزار کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

زکوۃ سے متعلق بحث و تحقیق

مولانا محمد صدر الحسن ندوی ☆

''فتاوی عالمگیری'' میں ملک تام کی تعریف یوں کی گئی ہے:

''الملک التام هو ما اجتمع فيه الملک واليد، وأما إذا دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملک كملک المكاتب والديون لا تجب فيه الزكوة'' (فتاوی عالمگیری ۱/۱۶۹)۔

''شامی'' میں ہے:

''المراد بالتام المملوک رقبة ويداً'' (ردالمحتار ۲/۲۹۵)۔

اس لئے وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہ ہوئی ہو، اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

''لا تجب (الزكوة) على المشتری فيما اشتراه للتجارة قبل القبض'' (البحر الرائق ۲/۲۰۳)۔

اور اسی طرح وہ قیمت جو ادا کی جا چکی اس کی زکوۃ بائع پر واجب نہ ہوگی، کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہونے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے اس نقد کی زکوۃ کرایہ دار پر واجب ہوگی۔

☆ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، مہاراشٹر۔

Marfat.com

جس مال کا کوئی مالک متعین نہ ہو جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم، ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، مال فئے اور مال غنیمت کے خمس پر قیاس کرتے ہوئے، کیونکہ یہ مصالح مسلمین پر صرف کرنے کے لئے ہے۔

وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بہ طور حرام آئے، مثلاً رشوت کا مال، بینک کا سود وغیرہ ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر یہ اموال حرام، حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو گئے ہوں کہ ان میں باہم تمییز مشکل ہو تو اگر اموال حلال بقدر نصاب نہیں ہیں تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

"من ملک أموالا غیر طیبة أو غصب أموالا و خلطها ملکها بالخلط یصیر ضامنا، وإن لم یکن له سواها نصاب فلا زکوة علیه، وإن بلغت نصابا، لأنه مدیون ومال المدیون لا ینعقد سببا لوجوب الزکوة عندنا" (ردالمحتار ۲/۲۹۱)۔

مال حرام میں زکوۃ واجب ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس دوسرا مال حلال بھی ہے اور اس میں حرام کو ملا دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک زکوۃ اس پر لازم ہے اور اگر دوسرا مال حلال بہ قدر نصاب نہ ہو تو زکوۃ اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ کل مال واجب التصدق ہے (فتاوی دارالعلوم ۶/۸۶)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں:

"وجملة القول فی الدیون أنها علی ثلاث مراتب فی قول أبی حنیفة، دین قوی ودین ضعیف ودین متوسط" (بدائع الصنائع ۲/۱۰)۔

دین قوی وہ مال ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے ذریعہ عائد ہو۔

دین متوسط وہ ہے جو مال ہی کے بدلہ میں عائد ہو، مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا، چاندی نہ ہو، بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو۔

دین ضعیف وہ دین ہے جو کسی مال کے بدلہ میں بہ ذمہ مدیون عائد نہ ہو، جیسے دین مہر

Marfat.com

وغیرہ۔

دین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی ہر سال زکوۃ واجب ہوتی ہے، مگر ادا کرنا اس وقت ضروری ہوگا جب چالیس درہم یا اس کی مقدار وصول ہوجائے، اس سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا، اگر ہر سال ادا نہیں کیا تو تمام گزرے ہوئے سالوں کا حساب کر کے زکوۃ ادا کی جائے گی۔

دین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

دین متوسط کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ دین قوی کے حکم میں ہے اور اس پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب ہوگی، مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی پر لازم نہ ہوگا، بلکہ پورا نصاب، یعنی دو سو درہم جب وصول ہو اس وقت ادا کرنا لازم ہوگا، مگر ایام ماضیہ کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ دین متوسط بھی دین ضعیف کی طرح ہے، صاحب ''بدائع'' نے اسی آخری روایت کو ترجیح دی ہے۔

اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے اور اس مال کو تجارت میں لگا کر استفادہ کر رہا ہو، پھر بھی اس مدیون پر زکوۃ واجب قرار دینا شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، ہاں دین کی ادائیگی کے لئے اسے شرعی دائرہ میں مجبور کیا جاسکتا ہے۔

وصولیابی کی امید اور ناامیدی کے اعتبار سے دین کی دو قسمیں ہیں:

الف- ایک وہ قرض جس کی ادائیگی کی توقع ہو، اس قرض کی زکوۃ ہر سال ادا کی جائے گی۔

ایک وہ قرض جس کی ادائیگی کی توقع نہ ہو یا امید ضعیف ہو، اس سلسلہ میں قول مختار یہ ہے کہ قبل وصول اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول

Marfat.com

آئندہ صرف اسی قدر زکوۃ واجب ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۳۳)۔

سرکاری محکموں اور مختلف پرائیویٹ کمپنیز میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں ان کی ماہانہ یافت میں سے ایک حصہ وضع کر کے ان کے محفوظ کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے اور کچھ فیصد سرکار یا کمپنی اپنے ملازم کے مستقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں اضافہ کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت وہ پوری رقم ملازم کو دے دی جاتی ہے، دوران ملازمت بھی بعض خاص قواعد کی پابندی کرتے ہوئے ملازم کو اپنے اس محفوظ فنڈ سے کچھ حصہ نکالنے کا اختیار ہوتا ہے، بعض اوقات ہر دو قسم کی مذکور رقم پر سرکار یا کمپنی انٹرسٹ کے نام سے بھی کچھ اضافہ جوڑ کر آخر میں وہ مجموعی رقم ملازمین کو ادا کرتی ہے، یہ رقم عام اصطلاح میں پراویڈنٹ فنڈ کہلاتی ہے، پراویڈنٹ فنڈ کی مذکورہ بالا رقوم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں۔

زکوۃ کے وجوب یا عدم وجوب کے مسئلہ کو ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کی تین قسموں کے دائرہ میں رکھ کر اگر دیکھا جائے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس پر دین قوی کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کسی مال تجارت کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے، جیسا کہ (البحر الرائق ۲/۲۰۸) کی عبارت ''إن لم تكونا للتجارة لا تجب'' سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غلام اور مکان تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت واجرت کو مال تجارت نہیں قرار دے سکتے، اب دو احتمال باقی ہیں کہ اگر خدمت کو مال قرار دیا جائے تو دین متوسط میں داخل ہے، اور اگر مال ہی قرار نہ دیں تو دین ضعیف میں داخل ہے، امام اعظمؒ سے دونوں احتمالوں پر دونوں روایتیں منقول ہیں۔ منحۃ الخالق علی البحر (۲/۲۰۸) کی تصریح کے مطابق ان دونوں میں ظاہر الروایت یہ ہے کہ مال قرار دے کر دین متوسط میں شامل کیا جائے، اور ایک تیسری روایت مبسوط میں ہے (۲/۱۹۵-۱۹۶) کہ اس کی تفصیل کی جائے کہ اجرت وخدمت نہ علی الاطلاق مال ہے نہ غیر مال، بلکہ اگر عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت کی اجرت ہے تو مال ہے ورنہ غیر مال، پہلی صورت دین قوی میں داخل ہے اور دوسری دین ضعیف میں اور

Marfat.com

اسی تیسری روایت کو مبسوط نے اصح قرار دیا ہے، ان ساری روایات کا اختلاف عبد کی خدمت کے بارے میں ہے جو من وجہ مال ہے، حر کی خدمت فقہاء کی تصریح کے مطابق مال نہیں ہے۔

تو بات یہاں تک منقح ہوئی کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت کا معاوضہ یا ارض تجارت کا معاوضہ ہو، اس کے علاوہ کوئی دین اجرت دین قوی میں بہ اتفاق داخل نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں ہے، اس لئے اس میں دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں کہ دین متوسط ہو یا دین ضعیف، اور دین متوسط میں بھی اس کا داخل ہونا اس لئے مشکل ہے کہ امام اعظمؒ سے جو دو روایتیں ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں، حر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ دین دین ضعیف میں داخل ہے اور اگر اس کو دین متوسط بھی فرض کر لیا جائے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظمؒ کے نزدیک دین متوسط بھی دین ضعیف ہی کے حکم میں ہے۔

اس لئے پراویڈنٹ فنڈ پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہ ہوگی، امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دیون میں قوی، متوسط اور ضعیف کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے دین پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

حاجت اصلیہ

''فتاوی عالمگیری'' میں حاجت اصلیہ کے ضمن میں حسب ذیل صراحت ملتی ہے:

"منها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال، وكذا طعام أهله وما يتجمل به من الأواني إذا لم يكن من الذهب والفضة، وكذا الجواهر واللؤلؤ والياقوت والبلخش والزمرد ونحوها إذا لم يكن

Marfat.com

للتجارة و كذا كتب العلم'' (فتاوی عالمگیری ۱/۱۷۲)۔

اس مسئلہ کو مہر مؤجل اور مہر معجّل پر قیاس کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں کتب فتاوی میں دو روایتیں ملتی ہیں۔

پہلی روایت ''فتاوی عالمگیری'' میں ملتی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ مہر چاہے مؤجل ہو یا معجّل دونوں مانع زکوۃ ہیں۔

''و كذلك المهر يمنع مؤجلا كان أو معجلا لأنه مطالب به كذا في محيط السرخسي وهو الصحيح على ظاهر المذهب'' (فتاوی عالمگیری)۔

اس پر قیاس کرتے ہوئے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، صرف سالانہ واجب الاداء قسطوں کو وضع کرنا کافی نہ ہوگا۔

لیکن علامہ شامیؒ نے معجّل اور مؤجل میں فرق کیا ہے اور مہر مؤجل کو صحیح مذہب کے مطابق غیر مانع زکوۃ بتایا ہے۔

''والصحيح أنه غير مانع'' (ردالمحتار ۲/۶-۷)۔

اسی طرح ''فتاوی عالمگیری'' میں ایسے شخص کے بارے میں جس پر بیوی کا مہر مؤجل ہو اور اس کی نیت ادا کرنے کی نہ ہو، ایسے مہر کو غیر مانع زکوۃ بتایا ہے۔

''قال مشائخنا رحمهم الله تعالى في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أدائه لا يجعل مانعا من الزكوة لعدم المطالبة في العادة'' (فتاوی عالمگیری ۱/۱۷۰)۔

درج بالا مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے سالانہ واجب الاداء قسط کو وضع کر کے بقیہ اموال کی زکوۃ ادا کی جائے گی۔

اس طرح ہمارے سامنے دو صورتیں آئیں، ایک صورت میں پوری رقم قرض کی منہا کی جائے گی اور دوسری صورت میں صرف سالانہ واجب الاداء، میرے نزدیک علامہ شامی کی مہر

Marfat.com

مؤجل میں صحیح مذہب کی تصریح کے مطابق صرف سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے زکوۃ ادا کی جائے گی۔

کمپنیز پر زکوۃ

چونکہ کمپنی کا مجموعی اثاثہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ متعدد شرکاء کا وہ مجموعی اثاثہ ہوتا ہے، اس لئے وجوب زکوۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ہر فرد کا انفرادی حصہ اگر مع منافع بہ قدر نصاب پہنچتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

ہیرے اور جواہرات کی زکوۃ

جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کے لئے ہیرے جواہرات لاکھوں روپئے کے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں وہ اگر چہ حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہیں، پھر بھی ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

جن چیزوں میں زکوۃ نہیں ہے ان کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے ''فتاوی عالمگیری'' میں یہ صراحت کی گئی ہے: **"لا تجب الزکوۃ فی الجواهر واللؤلؤ والیاقوت والبلخس والزمرد ونحوها إذا لم تکن للتجارۃ"** (فتاوی عالمگیری ۱/۱۸۰)۔

(تزئین وآرائش کے لئے جو جواہرات عورتیں استعمال کرتی ہیں ان پر زکوۃ نہیں ہے)۔

"وأما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوۃ فیها وإن کانت حلیا إلا أن تکون للتجارۃ" (فتاوی عالمگیری ۱/۱۷۷)۔

"لا زکوۃ فی اللآلی والجواهر وإن ساوت ألفا إلا أن تکون للتجارۃ" (الدر المختار ۲/۱۸)۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوۃ

سامان تجارت، جو تاجر کے قبضہ میں ہے، کی ادائیگی زکوۃ کے دن اس وقت بازار کا جو نرخ اشیاء کی فروخت کے لئے ہو، اس کے حساب سے قیمت لگائی جائے گی، یہ جمہور فقہاء کا قول ہے، اگرچہ بعض فقہاء نے قیمت خرید پر زکوۃ ادا کرنے کو راجح قرار دیا ہے۔

راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بازار کے نرخ کا اعتبار کیا جائے اور بازار کے نرخ میں تھوک مال کے نرخ کا اعتبار کیا جائے گا۔

جو لوگ اراضی کی خرید وفروخت ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں، سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں ہیں وہ اراضی بھی اموال زکوۃ میں شمار ہوں گی اور ان پر زکوۃ کا وجوب متوقع قیمت فروخت کے اعتبار سے ہوگا۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

شیئرز پر ایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوۃ واجب ہوگی، اور ادائیگی زکوۃ کے وقت مارکیٹ میں شیئرز کی جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

بونڈ اپنی قانونی حیثیت کے پیش نظر دین مرجو (ایسا دین جس کی وصولیابی کی توقع ہو) کی طرح ہے، لہذا جمہور فقہاء کے قول کے مطابق اس کی زکوۃ ہر سال ادا کی جائے گی۔

نصاب زکوۃ

چاندی اور سونے کے نصاب میں کون سا نصاب اصل تسلیم کیا جائے۔

فقہ الزکوۃ میں علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء معاصرین کی رائے یہ ہے کہ چاندی کو اصل نصاب تسلیم کرلیا جائے، ایک تو اس بنا پر کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور صحیح اور مشہور احادیث سے چاندی کا نصاب ثابت ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ چاندی کا

Marfat.com

نصاب غریبوں کے مفاد میں ہے، کیونکہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی بڑی تعداد پر زکوۃ واجب ہوگی۔

لیکن دیگر علماء سونے کے نصاب کو معیار بنانے کے قائل ہیں کیونکہ دور نبوی کے بعد چاندی کی قیمت میں کافی تبدیلی ہوئی، بہ خلاف اس کے کہ سونے کی قیمت ہر زمانہ میں برقرار رہی۔ استاذ ابوزہرہ خلاف اور حسن کی یہی رائے ہے (فقہ الزکوۃ ۱۵۳)۔

علامہ یوسف القرضاوی نے سونے کے نصاب کو معیار بنانے کی رائے کو مبنی بر اعتدال اور بہ لحاظ حجت قوی قرار دیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ہم دیگر اموال کے نصاب کے ساتھ اس کا تقابل کرتے ہیں تو موجودہ زمانہ میں ہمیں سونے کا نصاب ہی ان سے قریب تر دکھائی دیتا ہے۔

چاندی کے نصاب کو معیار قرار دینے میں جہاں غریبوں کا فائدہ ہے وہاں ارباب مال کے ساتھ ناانصافی بھی ہے اور زکوۃ کے معاملہ میں ارباب مال بڑے بڑے سرمایہ دار اور خوش حال لوگ نہیں بلکہ امت کے عوام ہی ہیں۔

میری اپنی رائے یہ ہے کہ چاندی کو اصل نصاب تسلیم کیا جائے دو بنیادوں پر، ایک تو اس لئے کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور صحیح اور مشہور احادیث سے چاندی کا نصاب ثابت ہے، دوسرے اس لئے بھی کہ چاندی کا نصاب غریبوں کے مفاد میں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ میری اپنی رائے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص سونے ہی کو اصل نصاب تسلیم کرتے ہوئے زکوۃ نکالے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کا یہ عمل قابل مواخذہ نہ ہوگا۔

مصارف زکوۃ

کیا یہ صورت درست ہوگی کہ ایک طالب علم جو مستحق زکوۃ ہے ادارہ اس کے طعام وقیام، تعلیم اور دوسری سہولتوں کا نظم کرتا ہے، اس طرح ایک طالب علم پر کل اخراجات ماہانہ ڈھائی

Marfat.com

سو روپے آتے ہیں، مستطیع طلبہ اپنے پاس سے یہ رقم ادا کریں اور غیر مستطیع طلبہ کی طرف سے یہ مقررہ فیس مدرسہ مدزکوۃ سے ادا کرے یا مدرسہ اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دیدے اور وہ چیک وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردے۔

یہ صورت جائز ہوگی، لیکن عملاً اس میں کسی بھی مرحلہ میں دشواری پیش آسکتی ہے، خصوصاً چیک کے معاملہ میں، اس لئے مدارس کا اس سلسلہ میں ابھی تک جو نظام ہے اسی کو باقی رکھا جائے تو مناسب ہے۔

مہتمم مدرسہ زکوۃ دہندگان کا بھی وکیل ہے اور مستحقین زکوۃ کا بھی۔ فتاوی محمودیہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"مہتمم مدرسہ کو ارباب اموال نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسب صوابدید مصارف میں صرف کریں، وہ غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے اس کے اہتمام کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے ارباب مال سے زکوۃ وغیرہ وصول کر کے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کریں (فتاوی محمودیہ ۳/۴۸)۔

کمیشن پر زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرنا جائز ہے، کیونکہ اس سے دینی مدارس کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے، کمیشن میں شرح فیصد کے تعین کی کوئی حد نہیں ہے، جیسا کہ مزارعت اور مضاربت میں کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے، لیکن بہر حال یہ بات یقیناً پیش نظر رہنی چاہئے کہ کمیشن کو آمدنی میں اضافہ کی غرض سے اختیار کیا جارہا ہے۔

رہا اس سوال کا جواب کہ مدارس کے سفیر عاملین کے حکم میں ہیں یا نہیں، تو میرے نزدیک اگر چہ سفراء حقیقتاً عاملین کے حکم میں نہیں ہیں، جیسا کہ مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۲) لیکن ہندوستان میں چونکہ نظام حکومت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اور زکوۃ جیسے اہم فریضہ کی وصولی کا کام مدارس وغیرہ کے سفراء ہی عموماً انجام دیتے ہیں، اس لئے ان کو

Marfat.com

"العاملین علیہا" کے تحت مانا جائے گا۔

حساب آمد وخرچ کے اندراج پر جو عملہ مقرر کیا جاتا ہے ان کی ماہانہ تنخواہ مد زکوۃ سے ادا کی جاسکتی ہے۔

زکوۃ کے ساتویں مصرف میں مختلف اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد میری ذاتی رائے میں راجح بات یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مفہوم اور اس کا مصداق صرف "غازی" ہے۔

اور جو لوگ بھی بہ حیثیت غازی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل ہوں گے ان کے لئے فقر کی شرط باقی رہے گی۔

مصارف زکوۃ قیاس شرعی کا محل نہیں ہیں، اس لئے جن حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ جہاد عسکری ہی ہے لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے جہاد فکری، جہاد ثقافتی وغیرہ پر بھی زکوۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہوگا۔ میری نظر میں یہ نقطہ نظر قابل قبول نہیں ہے اور نہ اصولاً میری نظر میں اس کی گنجائش ہے کہ مصارف زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو مصارف زکوۃ میں شامل کیا جائے۔

اس حقیقت سے مطلقاً انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ آج کل مسلمان دینی کاموں کے لئے جو سرمایہ دیتے ہیں اس کا کم وبیش اسی، نوے فیصد زکوۃ ہی کی رقم سے ہوتا ہے، لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود جو دینی کام کرنے والے اداروں کو پیش آتی ہیں، میرے نزدیک متاخرین یا معاصر علماء کے تعمیم کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں۔ ان کی یہ بات مرجوح معلوم ہوتی ہے۔

24/6

Marfat.com

زکوٰۃ سے متعلق چند مسائل کا جائزہ

مولانا عبداللہ قاسمی ☆

موجودہ زمانے میں ملکی و عالمی تجارتوں کی کچھ ایسی نئی شکلیں رونما ہوئی ہیں جن کا اثر معاملات کے علاوہ باب زکوٰۃ پر بھی پڑا ہے، خصوصاً ان شرائط اور اوصاف پر جن کا تعلق مال سے ہے، بسا اوقات یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ واجب بھی ہوئی یا نہیں، پیش نظر مقالہ میں سوال نامہ کے اسی جزء کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے، جبکہ محور ثالث ''مصارف زکوٰۃ'' کے بعض پہلوؤں پر بھی کچھ گفتگو کی کوشش کی گئی ہے۔

محور اول: پہلی شرط ملک تام

ملک تام کا مطلب

کسی بھی مال میں زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے اس کا مملوک ہونا ضروری ہے، چنانچہ جس مال کا کوئی شخص حقیقی (شخص حقیقی اور شخص اعتباری کی تفصیل آگے آرہی ہے) مالک نہ ہو، اس میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، پھر علاوہ امام زفرؒ سبھی ائمہ حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اس مال پر شخص حقیقی کو ملکیت کامل طور سے حاصل ہو، کامل کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسباب تملک میں

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس۔

Marfat.com

سے کسی سبب کے ذریعہ شئی کی ذات پر ملکیت قائم ہونے کے ساتھ ساتھ قبضہ وتصرف میں بھی وہ شئی آجائے، شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحداد (متوفی ۸۰۰ھ) ''الجوہرۃ النیرۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ملک تام کی قید سے مکاتب اور مدیون کا مال خارج ہوجائے گا، نیز وہ فروخت شدہ سامان جس پر قبضہ نہ ہوا ہو، کیونکہ ملک تام اسے کہتے ہیں جس میں ملکیت اور قبضہ دونوں اکٹھا ہوں، چنانچہ اگر ملکیت تو ہو، لیکن قبضہ نہ ہو، جیسے کہ مبیع قبل القبض اور عورت کا وہ دین مہر جس پر اسے قبضہ حاصل نہیں ہے یا قبضہ ہو اور ملکیت نہ ہو، مثلاً مکاتب کا مال اور مدیون کا دین جو کسی کا اس کے ذمہ ہے، ان سب میں زکوۃ فرض نہ ہوگی'' (الجوہرۃ النیرۃ ار۱۳۴)۔

قبضہ وتصرف میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مال مقدور الانتفاع ہو، بایں معنی کہ اس شئی پر بالفعل قبضہ وتصرف ہونا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی چیز بالفعل قبضہ میں نہ ہونے کے باوجود بھی مالک کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوتب بھی کہا جائے گا کہ اسے ملکیت تام حاصل ہے۔ ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

''منجملہ شرائط میں سے ایک ملک تام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات اور قبضہ ہر دو اعتبار سے اس کا مملوک ہو، یہی ہمارے تینوں ائمہ کا مذہب ہے۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک قبضہ شرط نہیں، چنانچہ مال ضمار میں ہمارے نزدیک زکوۃ واجب نہ ہوگی . برخلاف ان کے۔ آگے اس حکم کی علت بتاتے ہیں کہ مال جب مالک کے حق میں مقدور الانتفاع نہ ہوگا تو اس کی وجہ سے وہ غنی نہ ہوگا اور غیر غنی پر زکوۃ نہیں ہوتی، آگے فرماتے ہیں: مسافر کا مال جو اس کے گھر ہے اس کے حق میں مقدور الانتفاع ہے بایں طور کہ اس کا قائم مقام اس پر قابض ہے۔ آگے فرماتے ہیں: اسی طرح وہ دین جس کا اقرار کرلیا گیا ہو اور اقرار کرنے والا ٹال مٹول کرتا ہو، وہ بھی مقدور الانتفاع ہے کہ اس تک پہنچنا ممکن ہے'' (بدائع الصنائع ۹/۲ طبع مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ مبیع قبل القبض (وہ عین جو بیع مکمل ہوکر خریدار کی ملک بن

Marfat.com

چکی ہے، لیکن ابھی تک بائع کے قبضہ میں ہے) اور جملہ دیون جو کسی کے ذمہ واجب الاداء ہوں، خواہ قرض ہو یا عورت کا مہر یا تلف کی ہوئی شئی کا ضمان یا زخم کا تاوان سب کی زکوٰۃ مالک پر عائد ہونی چاہئے۔ اگرچہ ادائیگی فی الحال واجب نہ سہی، لیکن قبضہ کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔ صاحبین کا یہی مسلک ہے، (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲ر۱۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کے سلسلہ میں اتنا عموم نہیں ہے جو صاحبین کے نزدیک ہے۔ بلکہ آپ دیون کی تین قسمیں قرار دے کر صرف ایک قسم میں قبضہ سے پہلے وجوب زکوٰۃ کی تصریح فرماتے ہیں اور وہ دین قوی ہے جس کی ادائیگی کم از کم خمس نصاب (نصاب کا پانچواں حصہ) پر قبضہ کرنے کے بعد عمل میں آئے گی، بقیہ دو قسمیں دین ضعیف اور صحیح ترین روایت کے مطابق دین وسط میں قبضہ کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور قبضہ سے پہلے ان پر گزرے ہوئے ایام کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، دین قوی آدمی کا وہ بقایا ہے جو کسی نے قرض کے طور پر لیا ہو یا کسی سامان تجارت کے عوض کسی شخص پر لازم الاداء ہو، اور دین وسط وہ بقایا ہے جو سامان تجارت کے علاوہ اشیاء ضروریہ کے عوض پر لازم ہو، مثلاً اپنا خدمت کا غلام بیچا جس کی قیمت وصول نہ ہوئی یا استعمالی کپڑوں اور رہائش کے گھر کی قیمت جو وصول نہ ہوسکی اور دین ضعیف وہ بقایا ہے جو سرے سے کسی شئی کے عوض میں نہ ہو، مثلاً وہ دین جو وراثت یا اس کے حق میں وصیت کی وجہ سے اس کی ملک بن جائے یا ایسی شئی کا عوض جو از قبیل اموال نہیں ہے جیسے عورت کا دین مہر اور مرد کا دین خلع وغیرہ (بدائع الصنائع ۲ر۱۰، الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲ر۳۵، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ دیوبند)۔

دیون کے سلسلہ میں آج تک فتویٰ امام صاحبؒ ہی کے قول پر دیا جاتا ہے، کیوں کہ اسی میں لوگوں کی سہولت ہے۔

اب آیئے اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں:

Marfat.com

خرید کردہ مال تجارت پر قبضہ سے قبل زکوٰۃ

مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی، لیکن مال کی وصولیابی اب تک نہیں ہوسکی ہے تو کیا قیمت جس پر بائع قبضہ کرچکا ہے اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہوگی؟ اس طرح کا مال جس پر عقد تام ہوچکا ہے، لیکن قبضہ نہیں ہوا آیا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر ہوگی تو کس پر؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک تام کی جو حقیقت اوپر ذکر کی گئی ہے اس کی روشنی میں ثمن پر بائع کا ملک تام ہوگیا، لہٰذا سال پورا ہونے پر اس کی زکوٰۃ کا واجب الاداء ہونا یقینی ہے۔ البتہ مبیع قبل القبض کا مسئلہ قدرے پیچیدہ ہے، اگر صرف اس قدر دیکھا جائے کہ اس پر خریدار کو بالفعل ید اور تصرف حاصل نہیں ہے، تو گویا اس پر خریدار کی ملکیت تام نہیں ہے، لہٰذا اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ صاحب جوہرہ کی عبارت سے ظاہر ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر اگر یہ دیکھا جائے کہ حقیقت میں یہ مقدور الانتفاع ہے بایں طور کہ اس کے عوض پر اسے قبضہ حاصل تھا اور عوض دے کر معوض پر قبضہ کرنا اس کے لئے ممکن ہوچکا ہے تو پھر یہ اس کا مملوک تام ہے جس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ لازم الاداء ہونی چاہئے، فقہاء متاخرین کی عبارتیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں، محقق ابن نجیم کی رائے وہی ہے جو دوسرے نمبر پر ذکر کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مبیع جس پر خریدار کا قبضہ نہ ہوا ہو اس کی زکاۃ اس کے ذمہ لازم نہیں) (البحر الرائق ۲/ ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۰۹، طبع پاکستان)۔

''محیط'' میں اقسام دین کے ضمن میں لکھا ہے کہ مبیع قبل القبض کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت ناقص ہے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ ہے، اس لئے وہ ایسے مال کا عوض ہے جس پر اس کا قبضہ ثابت تھا اور (ثمن دینے کے بعد) عوض پر قبضہ کرنا اس کے لئے ممکن ہوچکا ہے، لہٰذا تمکن شرعی کے اعتبار سے اس **نصاب زکوٰۃ پر اس کا قبضہ باقی تسلیم کیا جائے گا، ''محیط''** کے اس بیان کی روشنی میں اب یہ تاویل

Marfat.com

ہوسکتی ہے کہ فقہاء جو کہتے ہیں کہ زکاۃ واجب نہ ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے ادائیگی واجب نہیں، رہا قبضہ کے بعد تو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الاداء رہے گی جیسا کہ دین قوی کا حکم ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''بہر حال قبضہ کے بعد تو سابقہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دے گا جیسا کہ بحر میں محیط کی عبارت سے سمجھا ہے، لیکن فتاویٰ خانیہ میں یہ جزئیہ ہے کہ ایک شخص کے کچھ مویشی تھے جنھیں کسی شخص نے سیامت (نما) کی غرض سے خریدلیا اور قبضہ نہ کیا، یہاں تک کہ بائع ے پاس ان پر سال گزرگیا تو خریدار پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ وہ بائع کے پاس مضمون بالثمن تھے، اس تعلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ پھر تجارت کے سامانوں اور سیامت کے مویشیوں میں کوئی فرق نہیں ہے، غور کرلو'' (الدرالمختار وتعلیقاتہ، ردالمختار للشامی ۲ر۷)۔

علامہ شامیؒ نے جس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے وہ واقعی قابل غور ہے اور یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ جب مبیع بائع کے پاس مضمون بالثمن ہے تو خریدار کی ملک تام نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر سامان ہلاک ہوجاتا ہے تو خریدار کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، اگر ملکیت تام ہوتی تو بلاتعدی اس کے ہلاک ہونے سے خریدار کا مال ضائع مانا جاتا، جب کہ ایسا نہیں ہے، اس کی نظیر مسئلہ مرہون بھی بن سکتا ہے جسے علامہ شامیؒ نے ''ولا فی مرھون بعد قبضہ'' کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲ر۷)۔

ہماری نظر میں صاحب بحر کی تعلیل پر علامہ شامیؒ کی تعلیل راجح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ محض تمکن شرعی کی وجہ سے اگر اس نصاب پر خریدار کا قبضہ باقی تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا مملوک تام ہونا لازم آئے گا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بلا تعدی ہلاک ہونے کی صورت میں ملک مشتری پر ہلاک ہو، جبکہ ایسا نہیں ہے، باقی اگر یہ کہا جائے کہ جب بائع کی ملکیت سے نکل گیا

Marfat.com

تو لازماً خریدار کی ملک تام ہو جانا چاہیے تو یہ کوئی ضروری نہیں، کیونکہ مطلق ملکیت بائع سے ہٹ کر معلق رہ سکتی ہے تو تمام ملکیت بدرجۂ اولیٰ معلق رہ سکتی ہے، جیسا کہ خیار شرط میں جب کہ خیار مشتری نے لیا ہو، مبیع بائع کی ملک سے نکل کر خریدار کی ملک میں داخل نہیں ہوئی۔

الحاصل یہ کہ اس مسئلہ میں ثمن کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہوگی جب کہ مبیع کی زکوٰۃ کسی کے ذمہ نہیں، بلکہ خریدار کے ذمہ اس وقت ہوگی جب اس پر قبضہ کرے اور اس پر سال گزر جائے، سابقہ سالوں کی زکوٰۃ نہ ہوگی۔

کرائے کی مد میں پیشگی رقم کی زکوٰۃ

کرائے کی مد میں جو پیشگی رقم دی جاتی ہے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: اگر یہ محض زرِ ضمانت ہے تا کہ کرایہ دار اگر کرایہ کی ادائیگی میں نادہندہ واقع ہو تو اس رقم میں سے کرائے کی رقم وضع کرلی جائے گی، ورنہ اجارے کے فسخ ہونے یا مدت پوری ہونے پر یہ رقم کرایہ دار کو واپس کردی جائے گی تو اس صورت میں یہ کرایہ دار کا مالک مکان پر دین ہوگا اور اس کی ادائیگی زکوٰۃ کرایہ دار پر اس وقت لازم ہوگی جب اس رقم میں سے کم از کم خمس نصاب کے بقدر اسے واپس مل جائے، اس وقت سابقہ سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

لیکن اگر یہ پیشگی رقم بہ طور اجرت معجلہ کے ہے تو مالکِ مکان کی ملک ہوگئی اور سال پورا ہونے پر اس کی زکوٰۃ مالک کو دینی ہوگی (بدائع الصنائع ۶/۲)۔

صاحب ''بدائع'' کی عبارت کی روشنی میں مذکور الصدر دونوں صورتوں کا حل ہوسکتا ہے، کیوں کہ اول الذکر کرائے دار کا مالک کے پاس رکھا ہوا مال ہے اور ثانی مالک کی ملکیت تامہ۔

مدارس وغیرہ کے سرمایہ میں زکوٰۃ

جس مال کا کوئی مالک معنی نہ ہو جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقمیں ان

Marfat.com

پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ یہ رقم اگر وقف ہے تو ملکیت کا نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ وقف نہیں تو کسی شخص حقیقی کی ملک بھی قرار نہیں دی جاسکتی، بلکہ منتظم ادارہ کے اس پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ معطی کی ملکیت سے نکل جاتی ہے مگر جب تک کسی مصرف پر خرچ نہیں ہو جاتی اس کی ملکیت موقوف رہتی ہے اور وجوب زکوٰۃ کی بابت وقف کا حکم رکھتی ہے۔

"ولا زكاة فی المال الموقوف لعدم الملک" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۵۹۲)۔

البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ جیسا کہ بعض صورتوں میں فقہاء بر بنائے ضرورت شخص اعتباری یا شخص قانونی کا اعتبار کر کے اس پر وہ احکام جاری کرتے ہیں جو اصلاً شخص حقیقی پر ہونے چاہئیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ مدارس اور اداروں کو شخص اعتباری مان کر یہ رقمیں ان کی ملک قرار دی جائیں اور پھر ان پر وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جائے؟

اس سلسلہ میں ہمارے ناقص خیال میں جو بات آتی ہے، وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مدارس اور اداروں کو بعض حالات میں شخص اعتباری قرار دینا ناگزیر ہو جاتا ہے، مثلاً یہی کہ اگر مہتمم سے بلا تعدی مذکورہ رقوم ضائع ہو جائیں یا ادارے کی مصالح میں کسی عقد و معاملہ کے دوران کوئی نقصان ہو جائے تو اس کا ضمان مہتمم پر نہیں ہوتا، بلکہ "اس شخص اعتباری" ادارے پر ہوتا ہے، جس کی مصلحت کی رعایت میں نقصان ہوا ہے، اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

لیکن شخص اعتباری مان لینے کے باوجود مسئلہ وجوب زکوٰۃ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ ایک خالص عبادت ہے اور محض حق اللہ جو ہر عاقل بالغ مسلم پر بہ چند شرائط فرض عین ہے، حقوق العباد اس سے وابستہ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کی حد تک تو شخص قانونی کو معتبر ماننے کی ضرورت داعی ہے، تا کہ اس سے متعلق کسی بندے کا حق ضائع نہ ہو اور کما حقہ اس کا حق مل سکے اور قاعدہ ہے: "الضرورات تقدر بقدرها"۔

Marfat.com

شیخ عبدالرحمٰن الجزیری ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ بچوں اور پاگلوں کے مال میں صرف اس وجہ سے واجب نہیں کہ یہ ایک خالص عبادت ہے برخلاف عشر اور صدقۂ فطر کے کہ یہ ملحق بحقوق العباد ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۱۹۱)۔

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقف کی زرعی پیداوار میں عشر ''مؤنۃ ارض'' ہونے کے باعث واجب ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی ناظر ومتولی اس شخص اعتباری (وقف) کا قائم مقام ہوکر ادا کرتا ہے، گویا وجوب عشر اور اس کی ادائیگی چونکہ حق العبد ہے، اس لئے اس میں شخص اعتباری کا نظریہ مجبوری ہے، برخلاف زکوٰۃ کے جو خالص عبادت ہے۔

مال حرام کی زکوٰۃ

حرام طریقہ سے جو مال کسی شخص کے قبضہ میں آتا ہے اس پر قیام ملک کا تحقق نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہو تو اس تک واپسی لازم ہے، ورنہ بلانیت ثواب واجب التصدق ہے۔ محض قبضہ قیام ملک کے لئے کافی نہیں، اس لئے ایسے مال میں خواہ قابض کے پاس سال بھر رہ جائے اور بقدر نصاب بھی ہو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

''لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه ....إلى قوله ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء'' (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۲/۲۰۵)۔

لیکن اگر حرام مال حلال میں اس طرح مخلوط ہوجائے کہ باہم تمیز مشکل ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استہلاک کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہوجائے گا، البتہ جس قدر مال حرام تھا اتنے کا اس کے مالکین کے لئے مدیون ہوجائے گا، اس میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے: یا تو اس کے پاس اس مخلوط مال سے علیحدہ کوئی نصاب

Marfat.com

مالی (جس میں زکوۃ فرض ہو) موجود ہو، تاکہ اس سے دین کی ادائیگی ہو سکے یا ان اموال حرام کے مالکین معاف کردیں، ثانی الذکر صورت میں جس قدر اس کے پاس مال موجود ہے، سب کی زکوٰۃ اس کے ذمہ لازم ہوگی اور اول الذکر میں حرام مال کی مقدار جو اس کے ذمہ دین ہے وضع کرنے کے بعد باقی ماندہ اگر بہ قدر نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں (دیکھئے: الدر المختار و رد المحتار ۲/۲۵)۔

دین کی زکوٰۃ

دین (ایسا بقایا جو ذمہ پر ہوتا ہے) کی زکوٰۃ مدیون پر واجب نہ ہونا تو ظاہر ہے، کیوں کہ محض قبضہ مفید ملک نہیں ہوتا۔

"أو وجد الید دون الملک کملک المکاتب والمدیون لا تجب فیه الزکاة" (الجوہرة ۱/ ۱۳۴)۔

رہا دائن (جس کا بقایا ہے) کے ذمہ واجب ہونا تو ملک تام کی تشریح کے ذیل میں آچکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس قسم کا دین ہے اسی کے مطابق حکم ہوگا، گویا دین ضعیف اور صحیح ترین روایت کے بموجب دین وسط میں وجوب زکوٰۃ قبضہ کے بعد حولان حول پر متعلق ہوگا، الا یہ کہ اس کے پاس پہلے سے اسی جنس کا نصاب موجود ہو جس کے ساتھ مل کر اس کی بھی زکوٰۃ حولان حول کے قبیل سے دینی پڑے گی۔

دین قوی (مال تجارت کا بدل جو مدیون کے ذمہ اس کے اقرار یا بیّنہ سے ثابت ہو) میں زکوٰۃ کا وجوب فی الحال (قبضہ سے قبل) متعلق ہوتا ہے، البتہ ادائیگی کم از کم خمس نصاب پر قبضہ ہو جانے تک موقوف رہتی ہے اور قبضہ کے بعد سابقہ سالوں کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء رہتی ہے۔

Marfat.com

اس تفصیل کی روشنی میں فقہاء اس صورت کا حکم بھی یہی لکھتے ہیں کہ اگر مدیون باوجود دین کی ادائیگی پر قدرت کے ٹال مٹول کرتا ہو تب بھی دائن پر ملنے کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی کہ اصولی اعتبار سے یہ دین قوی ہے۔

''وكذا الدين المقر به إذا كان المقر مليا فهو ممكن الوصول إليه''

(بدائع الصنائع ۲/۹)۔

لیکن علامہ شامی مصارف زکوٰۃ کے باب میں ''درمختار'' کی عبارت ''ومنه ما لو كان ماله مؤجلا أو على غائب أو معسر أو جاحد ولو له بينة في الأصح'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''هذا وقال: بل في زماننا يقر المديون بالدين وبملأته لا يقدر الدائن على تخلصه منه فهو بمنزلة العدم۔'' (الدرالمختار ورد المحتار ۲/۶۲)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے علامہ شامیؒ کی اسی ترجیح پر اعتماد ظاہر فرمایا ہے، چنانچہ آپ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ نادہندہ مقروض کا قرضہ دین قوی نہیں، اس لئے وصولیابی کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''ومتمسكي فيه ما في ردالمحتار الخ'' (امداد الفتاویٰ ۲/۳۵)۔

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ

پراویڈنٹ فنڈ جو ملازم کی ماہانہ یافت میں سے سرکار یا پرائیویٹ کمپنیز لازماً وضع کرکے رکھتی ہیں اور ختم ملازمت پر اضافہ کے ساتھ واپس کرتی ہیں، تقریباً حال اور ماضی کے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ رقم دین ضعیف یا دین وسط کے تحت آتی ہے اور صحیح ترین روایت کے بموجب ان دونوں میں قبضہ کے بعد سے سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

Marfat.com

حضرت تھانویؒ کے اس سلسلہ میں دو متضاد فتوے صادر ہوئے تھے، ایک میں دین قوی قرار دے کر گزشتہ کی زکوٰۃ واجب قرار دی گئی تھی، دوسرے میں دین وسط یا ضعیف قرار دے کر قبضہ کے بعد تمامیت سال پر وجوب زکوٰۃ ثابت کیا گیا تھا۔ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس تعارض کو دفع کرنے کی غرض سے ایک تحقیقی استفسار حضرت سے کیا جس میں بدائع، بحر اور منحۃ الخالق کی عبارات کی روشنی میں حضرت کے دوسرے فتوے کی تصویب چاہی گئی تھی۔ مفتی صاحبؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

''الغرض پرائیویڈنٹ کا روپیہ دین قوی میں تو داخل ہو نہیں سکتا، کیونکہ وہ معاوضہ کسی مال تجارت کا نہیں، بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے جب تک کہ حر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے اور بالفرض اس میں داخل بھی مان لیں تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔''

حضرت تھانویؒ نے اس تحقیق سے اتفاق ظاہر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہٰذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں'' (امداد الفتاویٰ ۲؍۴۴ تا ۵۰ میں حضرت تھانویؒ کے دونوں فتوے، مفتی صاحب کا تحقیقی استفسار اور حضرت کی تصویب ملاحظہ کی جائے)۔

چنانچہ اسی کے مطابق مفتی کفایت اللہ صاحب، مفتی عبدالرحیم صاحب، مفتی محمود الحسن صاحب اور مفتی نظام الدین صاحب وغیرہم کے فتاویٰ موجود ہیں۔

کمپنیوں پر زکوٰۃ

فقہ حنفی کی رو سے زکوٰۃ کا مکلّف شخص حقیقی ہے جو تکلفات شرعیہ کا اصل ہو، لہٰذا چند شرکاء کے مشترکہ کاروبار سے جو ایک شخص اعتباری کا تصور پیدا ہوتا ہے (کمپنی) اس کے ساتھ فریضۂ زکوٰۃ وابستہ نہیں، بلکہ کمپنی کے جن شرکاء کے حصے بقدر نصاب ہیں صرف ان پر ان کے

Marfat.com

حصوں کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر شرکاء کی تعداد اتنی بڑی ہے یا مشترکہ مال کی مقدار اتنی کم ہے کہ شرکاء پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرنے پر ان میں سے کوئی بھی صاحب نصاب نہیں بچتا تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، خواہ کمپنی کی مجموعی مالیت کروڑوں میں ہو، الّا یہ کہ کسی شریک کے پاس اپنا کوئی نصاب شرعی موجود ہو جس کی زکوٰۃ لازم الاداء ہو تو اس کے ساتھ وہ کمپنی میں سے اپنے حصۂ مالیت کی بھی زکوٰۃ نکالے گا کمپنی بہ حیثیت کمپنی پر زکوٰۃ دو وجہ سے نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے نہیں کہ وہ شخص حقیقی مکلّف نہیں، ثانیاً اس وجہ سے نہیں کہ وجوب زکوٰۃ کے سلسلہ میں ایک مخصوص نصاب کی شرط ضروری ہے، جس کا مدار مالکین کے لئے سہولت اور آسانی مہیا کرنے پر ہے، لہٰذا سہولت اسی میں ہے کہ وہ نصاب شخص واحد ہی کا ہو، متعدد اشخاص کا مشترک نہ ہو، متعدد اشخاص کی ملک سے کوئی نصاب بن گیا جس کی وجہ سے سب پر بقدر حصص زکوٰۃ واجب ہوگئی تو یہ اس علت فقہی کے منافی ہوگا، لہٰذا اس کا بھی تقاضا ہے کہ مشترکہ نصاب پر زکوٰۃ نہ ہو، جیسا کہ علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں مسئلہ مذکور میں اختلاف ائمہ کے ذیل میں اس علت فقہی پر زور دیتے ہوئے مالکیہ اور احناف کی وکالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، دیکھئے: (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۸)۔

شیئرز اور بونڈس کی زکوٰۃ

کسی بھی تجارتی کمپنی کے شیئرز (حصہ) خرید لینا درحقیقت اس کمپنی میں اس شیئر کے بقدر شرکت حاصل کرنا ہے اور خریدار اپنے حصہ (مثلاً ہزارویں) کے بقدر کمپنی کے پورے اثاثے، عمارت، تیار شدہ خام مال تجارت اور نقد روپیوں میں شریک ہوجاتا ہے اور جوں جوں کمپنی ترقی کرتی رہے گی اس حصے کے تناسب سے سرمایہ کی مقدار بھی بڑھتی رہے گی، لہٰذا اصل ضابطے کی رو سے ہونا یہ چاہیے کہ حصہ دار (شیئر ہولڈر) کی رقم کا جتنا حصہ کمپنی کی عمارت، آلات حرفت وغیرہ غیر نامی اثاثوں میں لگا ہوا ہے اس کی تو زکوٰۃ لازم نہ ہو اور جتنا سامان تجارت یا نقد کی

Marfat.com

صورت میں موجود ہے اگر بقدر نصاب ہے تو اس کی زکوٰۃ لازم ہو، اور ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلہ میں نہ تو شیئر کی بنیادی قیمت سے تعلق ہوگا، جس کے عوض اس نے شیئر خریدا ہے اور نہ ہی ادائیگی یا وجوب کے وقت شیئر کے بازاری نرخ سے، کیونکہ شیئر بذات خود کوئی مال متقوم نہیں ہے کہ اسے تجارتی سرمایہ قرار دیا جائے، بلکہ ایک اضافی شئی ہے جو اپنے مضاف الیہ کے اعتبار سے معنی خیز بنتی ہے، جیسے دکان کا حصہ، مکان کا حصہ وغیرہ، اسی طرح یہاں مشترکہ تجارت کا حصہ، چنانچہ اس مشترکہ تجارت میں ہر شریک کا جتنا حصہ ہے وہی اس کا اپنا مال ہے جس پر زکوٰۃ کا حکم حسب شرائط عائد ہوگا، اسی طرح ہر شریک کا یہ اختیار بھی ہوگا کہ وہ اپنے حصہ کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، (یہاں ان علمی اشکالات سے بحث نہیں جو شیئرز کی خرید وفروخت کی بابت پیدا ہوتے ہیں، ان کا کافی وشافی حل حضرت تھانویؒ کے رسالہ ''القصص السنی'' میں ملاحظہ کیا جائے)۔

گویا ہر شریک کو کمپنی سے یہ تفصیل دریافت کرنی ہوگی کہ اس کے سرمایہ کی کل مقدار کیا ہے؟ کتنا حصہ نامی اثاثوں کی شکل میں ہے؟ اور کتنا حصہ غیر نامی کی شکل میں؟ تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ کا حساب صحیح طور پر لگا سکے، اگر تفصیل اسے کمپنی کی طرف سے موصول ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ ضرورۃً اس وقت بازار میں شیئر کا جو نرخ ہو اسی کے ذریعہ مالیت کا تعین کیا جائے گا، اس لئے کہ اغلب یہی ہے کہ بازاری قیمت کے مقابلہ میں شیئر کی وہ مقدار جو نامی ہے کم ہے اور شیئر کی قیمتوں کا اتار چڑھاؤ اصل مالیت کے گھٹاؤ بڑھاؤ کے تابع ہوتا ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ مارکیٹ کی قیمت معیار مالیت قرار دی جائے (مستفاد از رسالہ ''القصص السنی'' امداد الفتاویٰ ۳/۴۸۶ تا ۵۱۲)۔

''بونڈس'' حقیقت میں اس کے خریدار کی طرف سے حکومت یا کمپنی کو قرض دینا ہے جس کا سرٹیفکیٹ اس کے پاس موجود ہے، ظاہر ہے کہ مدت کے اختتام پر اصل رقم کے ساتھ جو منافع ملتا ہے یقیناً ربا ہے اور اصل رقم بمنزلہ دین قوی ہے، جس کی زکوٰۃ لازم ہے اور ادائیگی کم از کم خمس نصاب پر قبضہ کرنے کے بعد سابقہ سالوں کی بھی ہوگی۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوٰۃ

تجارتی سامان چونکہ نامی ہیں، اس لئے ان کی زکوٰۃ فرض ہے اور مالیت کا حساب بازاری نرخ سے لگایا جائے گا، اصل لاگت سے کوئی مطلب نہیں، صاحبین کے نزدیک ادائیگی کے دن جو بازار میں قیمت ہوگی، اس کے حساب سے مالیت کا تعین ہوگا اور امام صاحب کے نزدیک جس دن سال پورا ہوا تھا اس روز کی بازاری قیمت معیار قرار دی جائے گی۔

"**وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء، وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً وهو الأصح ويقوم في البلد الذي المال فيه**" (الدر المختار ۲/ ۲۲، البحر الرائق ۲/ ۲۲۱)۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے صاحبین کی رائے کو ترجیح دیا ہے۔

"اگر نقصان قیمت میں ہے یا نفع اس قیمت کی زکوٰۃ دیوے جو دینے کے روز اسباب تجارت کی قیمت ہے" (تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۸۶)۔

رہی بات تھوک اور پھٹکر کی تو جیسا اس کا کاروبار ہوتا ہو، بایں طور کہ تھوک خریداری اور تھوک ہی فروختگی ہوتی ہو تو معیار تھوک قیمت ہوگی، ورنہ پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا۔

اراضی تجارت کی زکوٰۃ

اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کا جو کلی ضابطہ فقہاء بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے:

"**أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدي إلى الثنى**" (الدر المختار ۲/ ۱۴)۔

یعنی نقدین اور سوائم کے علاوہ میں زکوٰۃ تجارت کی نیت سے واجب ہوتی ہے بشرطیکہ نیت کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ کی صورت میں ایک ہی مال میں دو مرتبہ زکوٰۃ نہ واجب ہو جاتی ہو، چنانچہ کبھی ایسا ہو جائے تو نیت تجارت کے باوجود زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مثلاً:

"خراجی یا عشری زمین تجارت کی نیت سے خرید کر اس میں کاشت کاری کیا یا تجارت

Marfat.com

کی نیت سے بیج خرید کر بو دیا تو اس صورت میں صرف عشر یا خراج واجب ہوگا، زمین یا بیج کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں"۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایسی صورت میں ہوگا، جبکہ اس زمین کی بوائی کردی جائے، نیز اس کا عشری یا خراجی ہونا معلوم ہو، دونوں باتوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے کے وقت یہ حکم نہ ہوگا، مثلاً تجارت کی نیت سے عشری یا خراجی زمین خریدا اور بوائی نہیں کی یا اس زمین کا سرے سے عشری یا خراجی ہونا معلوم نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر ہندوستان کی زمینوں کا یہی حال ہے تو بلاشبہ یہ اراضی اموال تجارت ہوں گی، اور ان کی متوقع قیمت فروخت کے اعتبار سے ان کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

ہیرے اور جواہرات کی زکوٰۃ

ہیرے اور جواہرات جو تجارت کی غرض سے رکھے ہوں ان پر نامی ہونے کے باعث زکوٰۃ لازماً ہوگی، باقی اس مقصد سے ان کا ذخیرہ کیا گیا ہو کہ انکم ٹیکس یا دیگر سرکاری قوانین کی زد سے محفوظ رہیں گے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، خواہ ان کی مالیت لاکھوں کی ہو، زیادہ سے زیادہ ان کے حوائج اصلیہ سے زائد ہونے کی وجہ سے حرمت زکوٰۃ، وجوب صدقۂ فطر اور وجوب قربانی وغیرہ احکام آئیں گے، البتہ ہیرے جواہرات کا ذخیرہ کرنے والوں کی نیت اگر حکم شرعی (زکوٰۃ) سے فرار اختیار کرنی ہو تو گناہ گار ہوں گے، لیکن اس صورت میں بھی زکوٰۃ ان پر واجب نہ ہوگی۔

"لا زکوٰة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقا إلا أن تكون للتجارة" (الدر المختار ۲/۱۴)۔

یہی حکم ان جواہرات کا بھی ہے جو تزئین اور آرائش کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، بلکہ ان کے متعلق حاجتِ اصلیہ کے تحت شامل ہونے نہ ہونے ہی میں فقہاء کا اختلاف ہے، اگرچہ صحیح یہی ہے کہ ایسے قیمتی اثاثے جن کا مقصد محض تزئین ہو، تحقق غنا کے لئے کافی ہیں، لیکن حرمت زکوٰۃ وغیرہ کی حد تک نہ کہ وجوب زکوٰۃ کے سلسلہ میں۔

Marfat.com

تیسری شرط- حاجات اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجات اصلیہ - تعریف اور دائرہ

تیسری شرط مال کا حاجت اصلیہ (بنیادی ضرورت) سے زائد ہونا ہے، حاجت اصلیہ کی تعریف فقہاء یوں کرتے ہیں:

"ما یدفع الهلاک عن الإنسان تحقیقاً أو تقدیراً" (البحر الرائق ۲/۲۰۶، الدر المختار ۲/۶)۔

(حاجت اصلیہ ہر اس ضرورت کو کہتے ہیں جس کا استعمال انسان کو ہلاکت سے بچائے خواہ یہ ہلاکت سے بچانا حقیقۃً ہو یا حکماً)۔

پھر ہر دو کی تشریح کرتے ہیں:

تقدیراً ہلاکت سے بچانے والی ضرورت مثلاً دین ہے، کہ اگر کسی شخص کا بقایا اس کے ذمہ ہو، اور ادائیگی نہ کرے تو ذلت اٹھانی پڑے گی جو ہلاکت کے مرادف ہے، بلکہ اس کی وجہ سے قید بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا دین کی ادائیگی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اپنی ذلت سے ضرر کا دفعیہ، بلکہ یہ ضرورت دوسری ضروریات کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے۔

حقیقۃً ہلاکت سے بچانے والی ضروریات میں رہائش کا گھر، ہتھیار، استعمالی کپڑے جو سردی اور گرمی سے دفاع کے لئے رکھے جائیں، گھر کے استعمالی ساز وسامان، سواری کا جانور اور اہل علم کے لئے کتابیں وغیرہ (البحر الرائق ۲/۲۰۶)۔

ضرورت کے تحت رکھے ہوئے نقد کی زکوٰۃ

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے نقد رقم اپنی واقعی اور بنیادی ضرورت کی خاطر جمع کر رکھی ہے، مثلاً رہائش کا گھر نہیں ہے، وہ اس سے گھر خریدنا چاہتا ہے، کپڑے بنوانے

Marfat.com

ہیں، ابھی ان ضرورتوں کی تکمیل ہونے نہ پائی تھی کہ اس سے پہلے اس پر سال پورا ہو جاتا ہے تو کیا اس کی زکوٰۃ ذمہ پر واجب ہوگی؟ یا یہ رقم حاجتِ اصلیہ میں شمار کی جائے گی؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں: ابن نجیم ''شرح المجمع لابن الملک'' سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب کسی کے پاس کسی ضرورت کے پیش نظر کچھ دراہم موجود ہوں جو اس ضرورت میں خرچ ہونے ہیں تو وہ نہ ہونے کے برابر ہیں، ابن الملک نے اس کی صراحت کردی کہ بنیادی ضرورتوں میں خرچ کرنے کی نیت سے رکھے ہوئے دراہم میں خواہ ان پر سال گزر جائے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جبکہ ''معراج الدرایہ'' کی فصل ''زکوٰۃ العروض'' میں اس کے خلاف ہے، کہ نقد میں بہر حال زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، نماء (تجارت) کے لئے رکھا ہو یا خرچ کے لئے، اسی طرح بدائع میں نماء تقدیری کے تحت بھی مذکور ہے'' (البحر الرائق ۲/۲۰۶)۔

علامہ شامیؒ نے دونوں میں بڑی اچھی تطبیق پیدا کی ہے، فرماتے ہیں کہ ''بدائع'' اور ''معراج الدرایہ'' وغیرہ کے بیان کا محمل یہ ہوگا کہ نقدی میں زکوٰۃ فرض اس وقت رہے گی جب کسی نے اس ارادے سے رکھ رکھا ہو کہ اگر کوئی ضرورت پیش آئے گی تو خرچ کردوں گا، لیکن کوئی ضرورت پیش ہی نہ آئی کہ سال پورا ہو گیا، اب اس کی زکوٰۃ دینی پڑے گی اگر چہ اس کا خرچ کرنے کا ارادہ اب بھی بدستور قائم ہے، لیکن اگر کسی متعین ضرورت کے پیش نظر رکھا تھا، مثلاً رہائش کا گھر بنوانا ہے سال پورا ہو گیا اور وہ ضرورت ہنوز باقی ہے تو اس صورت میں ان دراہم کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جیسا کہ شرح المجمع میں صراحت ہے (رد المحتار ۲/۲۰۷)۔

حاجت اصلیہ کا تعین احوال وظروف کے اعتبار سے

اس میں شک نہیں کہ حاجت اصلیہ کا دائرہ ہر زمانے اور ہر ماحول کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتا ہے، جیسا کہ فقہاء کی تعبیر ''كتب العلم لأهلها'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم کے لئے کتابیں حاجت اصلیہ میں ہیں جبکہ غیر عالم کے حق میں حاجتِ اصلیہ نہیں، چنانچہ کسی ماحول میں

Marfat.com

عام طور سے پانچ چھ جوڑے کپڑے استعمال کے لئے رکھے جاتے ہوں، ایسے ماحول میں کوئی شخص پچیس پچاس یا اس سے زائد جوڑے رکھتا ہو تو ظاہر ہے کہ ماحول کے اعتبار سے یہ اس کی پہننے کی ضرورت سے بہت زائد ہیں، لہٰذا اس کی حاجت اصلیہ سے باہر ہوں گے۔

لیکن اس کا اثر زیادہ سے زیادہ تحقق غناء پر پڑے گا، جس سے زکوٰۃ لینے کی حرمت، صدقۃ الفطر ادر قربانی کا وجوب وابستہ ہوتا ہے نہ کہ وجوب زکوٰۃ پر، کیوں کہ اس میں حاجت اصلیہ سے زائد ہونے کے ساتھ نامی ہونے کی بھی شرط ہوتی ہے۔

چوتھی شرط-دین سے محفوظ ہونا

مال کا دین سے محفوظ ہونا حاجت اصلیہ سے زائد ہونے کی شرط کے تحت آجاتا ہے، بایں معنی کہ یہ ایک معنوی ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ حسی حوائج اصلیہ کی بہ نسبت اس کی تفصیلات واحکام قدرے مختلف ہیں، اس لئے فقہاء اس کو الگ سے مستقل شرط کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں، کسی شخص کے مال میں جملہ شرائط وجوب، نصاب نامی وغیرہ موجود ہوں لیکن اس پر کسی قرض یا بقایا کا بار ہو تو پہلے بقایا کی مالیت اس کے نصاب سے منہا کرلی جائے گی، اس کے بعد اگر مال بقدر نصاب بچتا ہو تو اس میں وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جائے گا، کس قسم کا دین وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں یوں ملتی ہے:

''ہر وہ دین جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے، چاہے وہ دین بندوں کا ہو جیسے قرض، مبیع کا ثمن، تلف کی ہوئی شئی کا ضمان، زخم کا تاوان اور مہر یا اللہ کا مثلاً دین زکوٰۃ، کیوں کہ اس کا بھی مطالبہ کرنے والا موجود ہوتا ہے، برخلاف دین کفارہ اور دین نذر کے کہ امام المسلمین کو ان کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ پھر اس دین کا کوئی نقدی کے قبیل سے ہونا ضرور نہیں کہ جس قسم کا بھی ہو، خواہ کیلی ہو، وزنی ہو، مزروعات میں سے ہو یا عددی کے قبیل سے ہو، اس کا ذمہ پر وجوب چاہے معاملے کے ضمن میں ہوا ہو یا عقد نکاح

Marfat.com

کے یا خلع کے یا دم عمد (قصاص) پر عقد صلح کے نتیجہ میں، سردست واجب الاداء ہو یا ادھار۔

دین طویل الاجل کا حکم

حنفیہ کے نزدیک دین کے وجوب زکوٰۃ سے مانع ہونے کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دین خواہ مؤجل ہو یا معجّل بہر صورت اس کا ذمہ پر ہونا زکوٰۃ کی فرضیت سے مانع ہے، اس کی مدت لمبی ہو یا کم، لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل چیز مطالبہ ہے اور مؤجل کا مطالبہ عادۃً معینہ مدت سے قبل نہیں ہوا کرتا، اس لئے مانع نہیں ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ عورت کا دین مہر جو مؤجل ہو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان تین اقوال پائے جاتے ہیں اور مسئلہ خاصا مختلف فیہ ہے:

۱- بہر صورت مانع زکوٰۃ ہے۔
۲- معجّل مانع ہے، مؤجل نہیں۔
۳- شوہر اگر ادائیگی کا پختہ ارادہ رکھتا ہو تو مانع ہے، ورنہ نہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے (بدائع ۲/۶)۔

علامہ شامیؒ نے قہستانی سے دوسرے قول کا راجح ہونا نقل کیا ہے، دیکھئے: رد المحتار ۲/۵۔

اس مسئلہ میں ہمارے بزرگوں کے فتاویٰ بھی بہت مختلف نظر آتے ہیں، حضرت تھانویؒ کا تینوں قول کے مطابق فتویٰ موجود ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۹، ۱۰)، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تیسرے قول پر فتویٰ دیا ہے (کفایت المفتی ۴/۲۴۶)، اور ''فتاویٰ دار العلوم'' میں شامی پر اعتماد کر کے دوسرے قول کو اختیار کیا گیا ہے (فتاویٰ دار العلوم ۶/۵۰، ۴۹)۔

آج کل حکومتیں جو اپنے شہریوں کو لمبی لمبی مدت پر بڑی بڑی رقمیں قرض کے طور پر دیتی ہیں جس کی ادائیگی سالانہ قسط وار کرنی ہوتی ہے ان کا حکم مذکورہ بالا نقول کی روشنی میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ واجب الاداء قسط ہی نصاب زکوٰۃ سے منہا کی جانی چاہیے، نہ

Marfat.com

کہ پوری مقدارِ قرض، اوّلاً اس وجہ سے کہ ان کے قرضوں میں لازماً اسی قسط کا مطالبہ ہوتا ہے جو اس سال واجب الاداء ہے، نہ کہ پورے قرض کا، دوسرے اس میں فقراء کا نفع بھی ہے، ورنہ اگر پوری مقدارِ قرض منہا کرلی جائے تو بسا اوقات زکوٰۃ ہی فرض نہ ہو سکے گی یا ہوگی تو بہت معمولی، جب کہ مالکین اس رقم قرض کو تجارت یا کسی دوسری نامی مد میں لگا کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محورِ ثانی - نصاب

چاندی اور سونے میں سے ہر ایک کا نصاب مستقل ہے، البتہ اموالِ تجارت کی مالیت کا تعین نقدین میں سے کسی ایک سے کرنا پڑے گا اور اس بارے میں مسئلہ بے غبار ہے کہ جس کے ذریعہ قیمت لگانے سے مالِ تجارت کی مالیت نصاب کے بقدر ہو جاتی ہو وہی معیار ہوگا۔ چنانچہ فی زمانہ جب کہ سونے چاندی کی قیمتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ظاہر ہے کہ معیار چاندی ہی قرار پائے گی، کہ اسی کے ذریعہ قیمت لگانے پر مال کی مقدار نصاب تک جلدی پہنچتی ہے، باقی اگر دونوں کے ذریعہ نصاب کے بقدر یا اس سے زائد مالیت قرار پاتی ہو تو جس میں فقیر کا زیادہ نفع نظر آئے اسی کو اصل تسلیم کیا جائے۔

"**ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به وبلغ بأحدهما نصاباً وخمساً وبالآخر أقل قوّمه بالأنفع للفقير**" (الدر المختار ۲/۳۱)۔

یہ تفصیل تو اس نصاب شرعی کے متعلق ہے جس کا تعلق وجوب زکوٰۃ سے ہے، باقی وہ نصاب شرعی جس کا مالک شرعاً غنی کہلاتا ہے اور زکوٰۃ کا مال اس کے لئے حرام رہتا ہے، خواہ اس پر فرض ہو یا نہ ہو اس کا تعین حدیث پاک کے بموجب چاندی کے نصاب سے کیا جائے گا (دیکھئے: رد المحتار ۲/۶۵)۔

Marfat.com

محور ثالث-مصارف زکوٰۃ

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے

اللہ تعالیٰ نے جہاں بندوں پر ان کے مخصوص اموال میں سے ایک **معین حصہ بطور زکوٰۃ** نکالنا فرض قرار دیا ہے، وہیں بہ نص قرآنی اس حصۂ زکوٰۃ کے مصارف بھی **واضح انداز میں بیان** فرمادیئے ہیں کہ ان ہی مصارف میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جائے گا، ان کے **علاوہ میں نہیں، ساتھ** ہی ادائیگی کے صحیح طریقہ اور کیفیت کی بھی نشاندہی کردی ہے، چنانچہ آیات قرآنی واحادیث نبوی کی روشنی میں امت کے جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جب **ان مستحقین میں سے کسی کو زکوٰۃ کے مال پر** بلا کسی عوض مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیے اگر کوئی مال زکوٰۃ کی نیت سے ان ہی لوگوں کے فائدے میں خرچ کردیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم مدارس، مساجد، شفاخانے اور یتیم خانے وغیرہ کی تعمیر میں صرف نہیں کی جاسکتی، اگرچہ اس سے مستفید مستحقین بھی ہوں گے، کیونکہ ان صورتوں میں تملیک کا مفہوم مفقود ہے، حتی کہ زکوۃ کی رقم سے کوئی شی خرید کر مستحقین کو بطور اباحت مستفید ہونے کا موقع دے دیا جائے، مثلاً بٹھا کر صبح وشام کھانا کھلادیں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (بدائع ۲/۳۹)۔

ملک العلماء کاسانی نے تملیک کے ضروری شرط ہونے پر استدلال اس طرح کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں زکوٰۃ یا صدقات واجبہ کا حکم ہے وہاں فعل ''ایتا'' کا استعمال کیا گیا ہے، جس کی حقیقت مالک بنادینا ہے، نیز قرآن میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنادیا جائے۔

Marfat.com

طلبہ کو زکوٰۃ کیسے دی جائے؟

ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک مستحق کے شرط ہونے کی وجہ سے آج کل دینی مدارس، اداروں اور یتیم خانوں کے ارباب انتظام کو سخت آزمائش کا سامنا ہے، جہاں محتاج طلبہ علم دین اور یتامیٰ جیسے مستحقین زکوٰۃ موجود ہوتے ہیں، جن کی خاطر وہ قوم سے زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ وصول کر کے لاتے ہیں اور ان پر حسب حکم شرعی صرف کرنے کے پابند ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان اداروں میں مستحقین کے علاوہ خرچ کی کچھ اور مدات بھی ہوتی ہیں جن میں صدقات واجبہ کی رقمیں صرف نہیں کی جاسکتیں اور کافی سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ملازمین کی تنخواہیں، ادارے کی تعمیر اور ان پر آنے والے ضروری اخراجات بجلی، پانی، ٹاٹ، فرنیچر وغیرہ اور تجربہ شاہد ہے کہ ان میں اکثر مدارس کو صدقاتِ واجبہ کے علاوہ اتنی رقم فراہم نہیں ہو پاتی جس سے وہ ادارے کے دوسرے اخراجات پوری کر سکیں، اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے فقہ کی بعض جزئیات کو نظیر بنا کر نہ جانے کب سے حیلۂ متعارفہ کی ایک رسم بد چلی آرہی ہے جس پر مالکین خوش ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ کی رقم مصرف پر خرچ کرنے کے لئے دی اور منتظمین خوش ہیں کہ ہم نے مصرف پر خرچ کر لی، جبکہ حقیقت میں رقم اپنے مصرف پر خرچ نہ ہوئی، صرف ہتھ پھیرا ہوا، حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”قطع نظر ورع سے میرے نزدیک قاعدۂ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تو تملیک نہیں ہوتی اور صورت متعارفہ میں دونوں شہادت قرائن تو یہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں“ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۴)۔

ایک طرف اس دور جہل وضلالت میں علم دین کی روشنی پھیلانے کے لئے اس طرح کے اداروں کا قیام عمل ضروری ہے، تو دوسری طرف ان کی بقاودوام کی راہ میں مختلف مالی مشکلات کا سامنا ہے، ان مشکلات کے حل کی ایک راہ تلاش بھی کی گئی تو تجربہ نے بتایا کہ یہ خطرات سے

Marfat.com

محفوظ نہیں، اس لئے ہمارے خیال میں حیلۂ متعارفہ سے ہٹ کر کوئی ایسی راہ عمل تلاش کرنا ضروری ہے جس سے شریعت کی حکم عدولی سے محفوظ رہتے ہوئے احیائے دین کے ان مراکز کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جا سکے، سوال نامہ میں جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے اول الذکر پر ہمیں اشکال ہے، جبکہ دوسری پر بحمد اللہ اطمینان ہے اور وہ حیلۂ متعارفہ کا نعم البدل کہ طالب علم پر آنے والے مجموعی اخراجات طالب علم کے ذمہ واجب الاداء ہوں، اور چونکہ وہ غیر مستطیع ہے اس لئے زکوٰۃ کی مد سے اتنی نقد رقم یا اس کا چیک طالب علم کو دے دیا جائے اور وہ اپنے اوپر عائد قرض کی ادائیگی میں اس کو داخل مدرسہ کر دیا کرے۔

اول الذکر صورت کہ مدرسہ کا مہتمم خود ہی اتنی مقدار مد زکوٰۃ سے ادا کر دیا کرے، یہ محل اشکال اس وجہ سے ہے کہ اس کی بنیاد مہتمم ادارہ کو مستحقین کا ہر اعتبار سے وکیل تسلیم کرنے کے نظریہ پر قائم ہے، جو بجائے خود محل نظر ہے۔

مہتمم طلبہ کا وکیل ہے یا زکوٰۃ دہندگان کا؟

اس سلسلہ میں کل تین احتمالات ہیں: صرف زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے، صرف طلبہ کا وکیل ہے، دونوں کا وکیل ہے، عام علماء کرام کا رجحان یہی ہے کہ ہمارے ملک کے مدارس جو عوامی چندوں سے چلتے ہیں ان کے ارباب انتظام صرف مالکین اموال کی طرف سے زکوٰۃ کا مال مصرف پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں وکیل ہیں اور مستحقین کے نائب یا وکیل نہیں، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا یہی خیال ہے (دیکھئے: معارف القرآن ۴/۲۹۹)۔

لیکن اس صورت میں کئی اشکالات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

۱- مہتمم اس کو دوسرے اموال میں خلط کر دے تو استہلاک کی وجہ سے اس کی ملک ہو جانا چاہئے اور جو کچھ خرچ کرے گا وہ اس کی جانب سے تبرع ہوگا اور معطی کے لئے اتنے کا ضامن۔

Marfat.com

۲- معطی جب مرجائے گا اور مال مہتمم کے قبضہ میں بدستور باقی ہو تو اس مال کا اس کے ورثہ کی طرف لوٹانا واجب ہوگا جن کی تلاش وجستجو اس کی ذمہ داری ہے۔

۳- جب رقم ارباب اموال کی ملک ہے تو جس معطی نے زکوٰۃ کی رقم مثلاً نصاب یا اس سے زائد مقدار میں دی ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ بھی مالکین پر لازم ہونی چاہیے، کیوں کہ وکیل کا قبضہ خود موکل کا قبضہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف طلبہ اور مستحقین کا وکیل قرار دیا جائے تو اس صورت میں مال کا مہتمم کے قبضہ میں آجانا گویا طلبہ کے قبضہ میں آجانا ہے اور وہ ان کی طرف سے ہر ایسے کام میں خرچ کرنے کا مجاز ہوگا، جس میں کسی بھی اعتبار سے طلبہ کا فائدہ ہو۔

لہٰذا تملیک کی بھی ضرورت نہ ہوگی، اسی طرح طلبہ کی خوراک، پوشاک یا نقد کی صورت میں مالک بنانے کے علاوہ تنخواہ ملازمین، مدرسہ کی تعمیر وغیرہ دوسری مدات میں صرف کرنے کا بھی جواز ہوگا اور حیلۂ متعارفہ جیسے بے کار عمل سے نجات مل جائے گی۔

لیکن اس میں ایک زبردست اشکال یہ رہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ یا آپ کے بعد اسلامی بیت المال میں جو زکوٰۃ وصول ہوکر آتی تھیں، روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں مصارف ثمانیہ میں خرچ کیا جاتا تھا، حالانکہ امیر المومنین کی ولایت عام ہونے کی وجہ سے فقراء اور مستحقین کی طرف سے امام کو یقیناً وکالت ونیابت دلالۃً حاصل تھی، امام کا قبضہ خود مستحقین کا قبضہ تھا، گویا کہ مستحقین نے قبضہ کرکے امام کو اس کے خرچ کرنے کا اختیار دے دیا تھا پھر بھی عہد نبوی ﷺ، عہد خلفاء راشدین یا قرون اولیٰ میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ صدقہ واجبہ کی رقم رفاہِ عام کے کاموں یا عاملین کے علاوہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں صرف کی گئی ہو، بلکہ اس کے برعکس ابوداؤد شریف میں ایک مرفوع حدیث ہے جس سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ ہر چند کہ زکوٰۃ پر امام کا قبضہ مستحقین کا قبضہ ہے، لیکن ان کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے اور ان کے علاوہ کسی اور

Marfat.com

جگہ پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فأتاه رجل فقال: أعطني من الصدقة فقال رسول الله ﷺ: إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره من الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك" (سنن ابی داؤد ۱/ ۲۳۰)

(ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ صدقات میں سے مجھے بھی دیا جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ صدقات کی بابت کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلہ پر راضی نہیں بلکہ خود اس نے مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں کردی ہیں، اگر تو ان میں ہے تو میں دے سکتا ہوں (ورنہ نہیں))۔

لہٰذا جب اسلامی بیت المال کے ذمہ دار کو یہ حق نہیں تو آج کے مدارس کے نظماء کو کیوں کر یہ حق پہنچے گا کہ غیر مصرف میں زکوٰۃ صرف کرڈالیں۔

اس لئے تیسری صورت متعین ہو جاتی ہے کہ نہ ہر اعتبار سے مہتمم معطی کا وکیل ہے اور نہ ہر اعتبار سے طلبہ اور مستحقین کا، بلکہ بعض بعض پہلوؤں سے ہر دو کے نائب اور وکیل کا درجہ رکھتا ہے، مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے پہلی صورت کے تحت مذکورہ اشکالات کے جواب میں یہی بات ارشاد فرمائی ہے (دیکھئے: تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۶۴، ۱۶۵)۔

یہی بات مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے مولانا اشرف علی صاحبؒ کے ایک اشکال کے جواب میں کہی ہے:

"عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں، مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطیین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطیین واپس لے سکتے ہیں" (فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۸۱، امداد الفتاویٰ ۶/ ۲۶۶، فتاویٰ امدادیہ موسوم بفتاویٰ اشرفیہ ۴/ ۳۸۱ میں

Marfat.com

حضرت تھانوی اور مولانا خلیل احمد صاحب کے مفید علمی مکاتبت ہیں جن سے بہت سے اشکالات رفع ہو جاتے ہیں)۔

یہ حقیقت ہے کہ ارباب مدارس لوگوں کی زکوۃ وصول کر کے مصرف میں خرچ کرنے پر اللہ کی طرف سے مامور نہیں ہیں، جیسا کہ امیر المومنین مامور ہے، بلکہ وہ ادارہ چلانے کے لئے مالکین اموال سے صدقات وصول کرتے ہیں اور دینے والے حضرات صراحۃً انھیں مصرف پر خرچ کرنے کا وکیل بنا دیتے ہیں، دوسری طرف ظاہر ہے کہ مستحقین نے صراحۃً اپنا وکیل بنایا نہیں، لیکن چونکہ احیاء دین کی خاطر مدارس کی داغ بیل ڈالی گئی ہے اور ان کا انحصار ان ہی صدقات وعطیات پر ہے، اس لئے بربنائے ضرورت ارباب انتظام کو (جن کا انتخاب ارباب حل وعقد کے مشورے سے ہوتا ہے اور عوام وطلبہ عرفاً ان کے اہتمام کو تسلیم بھی کرتے ہیں) امیر المومنین کے قائم مقام تسلیم کر لیا گیا ہے، تاکہ وہ پیچیدگیاں لازم نہ آئیں جو پہلی صورت کے ذیل میں بہ طور اشکال ذکر کی گئیں اور قاعدہ ہے: ''الضرورات تقدر بقدرها''۔

لہٰذا جس قدر ضرورت داعی ہوگی اسی قدر ان کو فقراء کا نائب تسلیم کیا جائے گا، اور یہاں ضرورت صرف اس قدر ہے کہ مال معطی کی ملک سے نکل جائے، تاکہ ان کے مرنے پر ورثہ کی طرف واپسی لازم نہ ہو، خلط (جس سے بچنا عادۃً ناممکن سا ہو گیا) کی وجہ سے استہلاک نہ لازم آئے، اسی طرح اس پر زکوۃ فرض نہ ہو، نیز زکوۃ وصول کر کے لانے والوں کو عاملین کی طرح زکوۃ میں اجرت دینا جائز ہو جائے، باقی قصداً مال ضائع کر دینے کی صورت میں ضامن ہونے کی بابت اور مصارف پر صحیح طریقہ سے خرچ کرنے کی بابت وہ لازماً معطیین یعنی مالکین ہی کے وکیل ہوں گے نہ کہ طلبہ کے۔

مدارس کے سفراء ''العاملین'' کے مصداق ہیں؟

مدارس کے سفراء جو وصولی صدقات کے لئے بھیجے جاتے ہیں ''العاملین علیہا'' کے مصداق ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں، مگر اپنی ناقص معلومات کی حد تک

Marfat.com

ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ کہ ضرورۃً انھیں بھی عاملین کا مصداق قرار دینا چاہئے جیسا کہ ضرورۃً مہتمم کو بعض پہلوؤں سے امیر المومنین یا عمال کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس راہ کی بہت سی دشواریاں دور ہوسکتی ہیں، مثلاً یہی کہ باضابطہ تنخواہ پر سفراء کا تقرر کرنے میں بسااوقات ان پر جو خرچ ہوتا ہے اس سے مدرسہ کو نقصان پہنچتا ہے، آمد کا تناسب کم اور خرچ کا تناسب زائد آتا ہے، اب اگر ان کو عاملین کے تحت داخل مانا جائے گا تو ان پر عامل کے احکام آئیں گے اور عامل کو اتنی ہی مقدار دی جاتی ہے جو اس کے وصولی پر جانے اور لوٹنے کی درمیانی مدت میں اس کی جملہ ضروریات کی اوسط طریقہ پر کفایت کر سکے اور ساتھ ہی اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس کی اجرت اس کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے بڑھنے نہ پائے ورنہ کمی کی جائے گی (روح المعانی ۱/۱۲۱، تفسیر الخازن ۳/۹۱)۔

چنانچہ جب سفیر کو اس کی فکر ہوگی کہ اگر مجھ سے صدقات کی وصولی کم ہوئی تو لازماً میرے اوسط درجہ کے اخراجات وصول شدہ رقم کے نصف سے بڑھ جائیں گے اور اس میں میرا نقصان ہوگا، تو وہ زیادہ جمع کرنے کی کوشش کرے گا، اس صوت میں بہرحال آمد کا تناسب اخراجات سے زائد ہوگا، ہمارے اس خیال کی تائید مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ سے بھی ہوتی ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۴/۲۶۹)۔

واضح رہے کہ عاملین کے مصداق صرف محصلین اور سفراء ہی ہوسکتے ہیں وہ عملہ نہیں جو حساب آمد و خرچ کے اندراج پر مامور ہیں، کیونکہ قرون اولیٰ میں کہیں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وصول کرکے لانے والے کے علاوہ محرر بیت المال، محافظ وغیرہ کو صدقات میں سے تنخواہ دی گئی ہو۔

کمیشن پر زکوۃ کی فراہمی

فقہ حنفی کے اصول بیوع و اجارات کی رو سے ہر ایسا معاملہ جس میں معقود علیہ یا اس کا

Marfat.com

بدل مجہول ہونا جائز ہوتا ہے، چنانچہ مذکورہ مسئلہ میں بھی اسی علت کے باعث اہل علم باکمال ارباب افتاء عدم جواز کا فتویٰ دیتے آئے ہیں، کمیشن پر چندہ کرانے میں جو امور عدم جواز کے متقاضی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اجرت مجہول ہے، کیونکہ کمیشن وصولی کے تناسب سے ہوگا، معلوم نہیں وصولی زیادہ ہوگی یا کم، اگر اتنی کم ہوئی کہ جس کے کمیشن سے اس کا سفر خرچ وغیرہ بھی نہ نکل پائے تو یہ مستقل باعث نزاع ہے کہ سفیر فراہمی چندہ کے لئے در در کی ٹھوکریں کھائے اور نتیجہ صفر ہو، لہٰذا منتظم سے الجھنا عین ممکن ہے، اسی طرح وصولی اتنی زیادہ کر کے لایا کریں کہ اس کا کمیشن ہی پچیس تیس ہزار تک پہنچ جاتا ہے تو منتظمین کی نیتیں ڈگمگانے لگتی ہیں، یہ محض احتمال نہیں، بلکہ ایسے واقعات رونما ہوتے دیکھے گئے ہیں۔

۲- جب سفیر عامل صدقہ کے حکم میں ہے تو اس کے اوپر اخراجات میں میانہ روی برتنا اور اسراف وتقصیر (فضول خرچی وتنگی) سے اجتناب لازم ہوگا، فضول خرچی سے اس لئے کہ یہ مال فقراء کا ہے اور جو کچھ بطور حق الخدمت اسے دیا جاتا ہے وہ ضرورۃً اور ضرورت کو بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جاتا ہے، اور تنگی سے اجتناب اس لئے لازم ہے کہ خود خسارہ میں نہ پڑے اور بعد کو بددل ہو کر یہ کام ہی چھوڑ دے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

"علی الإمام أن یبعث من یرضی الوسط من غیر إسراف ولا تقصیر" (روح المعانی ۱/۱۲۱)۔

زیر بحث مسئلہ اگر سفیر کے ہاتھوں چندہ کم ہوگا تو تبذیر کا مرتکب ہوگا، جو فقراء کی حق تلفی ہے، اگرچہ برابر سرابر بھی صورت ہوسکتی ہیں، لیکن پہلے دونوں امکانات اس کی بہ نسبت زیادہ ہیں اور فقہی قاعدہ ہے: "درء المفاسد أولیٰ من جلب المنافع" (المدخل الفقہی العام للزرقاء ۲/۹۸۵)۔

Marfat.com

عدم جواز کی پہلی علت کے سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں جہالت ایسی نہیں جس سے لازماً نزاع اور جھگڑا پیدا ہو اور جہالت وہی مضر ہے جو مفضی الی النزاع ہوتی ہے، چنانچہ بہت سے معاملات جس میں معقود علیہ یا اس کا بدل مجہول ہوتا ہے، مگر اس کی جہالت باعث نزاع نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتراض نہیں اور وہ معاملے جائز ہیں، مثلاً مزارعت (بٹائی)، درختوں پر پھلوں کی بیع جو لازماً مجہول ہوتے ہیں اور مضاربت وغیرہ۔

لیکن ان معاملات کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ لوگوں کی عام ضروریات ان سے وابستہ ہوگئی ہیں اور ان کا عرف وتعامل بن چکا ہے، اس لئے ان کی جہالت کسی کے لئے قابل اعتراض نہیں ہوتی اور کوئی نزاع نہیں ہوتا، مگر جب تک ان میں عرف نہیں ہوتا تب تک دو چند اشخاص اگر اس قسم کے معاملات کرتے ہیں چاہے ان میں بالفعل منازعت نہ بھی ہو تب بھی وہ معاملے ناجائز کہے جاتے ہیں۔

گویا زیر بحث مسئلہ میں بھی اجرت کی جہالت باعث نزاع اسی وقت نہیں ہوگی جب اس کا عرف وتعامل ہو جائے، ورنہ اکا دکا اشخاص اور دو چند اداروں کے ذمہ دار جو اس طرح کا معاملہ کریں خواہ بالفعل ان میں جھگڑا رونما نہ بھی ہو تب بھی معاملہ ناجائز ہی کہا جائے گا، الا یہ کہ اس مسئلہ میں بھی عام ضرورت اور عرف وتعامل معتبر حد تک تسلیم کرلیا جائے جو محل نظر ہے۔ جیسا کہ عرف کی تعریف "هو عادة جمهور قوم في قولٍ أو فعلٍ" (المدخل الفقہی العام ۲/ ۸۴۰) سے کی گئی ہے۔

رہی عدم جواز کی دوسری دلیل تو اپنی جگہ پختہ ہے، اس لئے مسئلہ کا حل اسی میں ہے کہ اگر سفیر کو عامل صدقہ کا مصداق قرار دیا جاتا ہے تو اجرت بھی اسی طرح دی جائے جس طرح عامل کو دی جاتی تھی۔

Marfat.com

کمیشن پر چندہ

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی ☆

''کمیشن پر چندہ'' کے سوال وموضوع کے تحت اس مقالہ میں جن بنیادی نکات ومباحث کو ذکر کرنا مقصود ہے وہ یہ ہیں:

۱- حدیث قفیز طحان۔

۲- ایسے معاملات میں حرمت کی بنیاد۔

۳- استثنائی صورتوں کی بنیاد۔

۴- زیر بحث مسئلہ میں استثنائی بنیاد کی تلاش۔

حدیث قفیز طحان

''قفیز طحان'' والی حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس میں آٹا پیس کر اس کی اجرت میں اسی آٹے کے ایک حصہ کو لینے سے منع کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں یہ حدیث اس لئے زیر بحث آتی ہے کہ اگر چہ اس میں ایک خاص شکل کا حکم ذکر کیا گیا ہے، لیکن وہ اجارہ کے باب سے تعلق رکھتی ہے اور فقہاء نے اسے ایک اصل فقہی کی حیثیت دی ہے، اسی لئے ملتے جلتے مسائل میں فقہاء کے یہاں اس کا تذکرہ آہی جاتا ہے۔

☆ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ وسکریٹری برائے سمینار و برنامج اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

Marfat.com

صاحب ہدایہ نے ایسے مسائل پر کلام کرتے ہوئے اس کی بابت فرمایا ہے:

”هذا أصل كبير يعرف به فساد كثير من الإجارات لاسيما في ديارنا“

(ہدایہ مع فتح القدیر ۸/۴۸، شامی مع الدر المختار ج ۵، اجارات، نیز ملاحظہ ہو: مبسوط سرخسی ۹، بدائع الصنائع ۴/ ۱۹۳، الأشباه ۱۰۳)۔

(یہ ایک اہم و بڑی اصل ہے جس کی روشنی میں خاص طور سے ہمارے علاقہ کے بہت سے اجارہ کے معاملات کے فساد کو معلوم کیا جا سکتا ہے)۔

فقہاء احناف نے اس سے جو قاعدہ اخذ کیا ہے جسے اس قسم کے جزئیات پر جاری کیا ہے، صاحب الفقہ الاسلامی نے اس کو بایں الفاظ تعبیر کیا ہے:

”تعيين الأجر مما يعمل فيه الأجير مفسد للعقد“ (الفقہ الاسلامی ۴/ ۷۴۸،

اس ضمن میں ایک دوسرا قاعدہ بدائع میں آیا ہے أن لا ينتفع الأجير بعمله جسے اجارہ کی شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، بدائع ۴/ ۴۵۱، الفقہ الاسلامی ۴/ ۷۴۷)۔

(مزدور جو کام کرے اسی سے اس کے لئے مزدوری کا طے کرنا عقد کے لئے مفسد ہوتا ہے)۔

قائلین جواز

قفیز طحان کے باب میں جواز کا نقطہ نظر رکھنے والے لوگ یہ کہتے ہیں:

۱- حدیث ”قفیز طحان“ ضعیف اور غیر لائق احتجاج ہے ”المغنی“ میں ذکر کیا ہے:

”هذا الحديث لا نعرفه ولا يثبت عندنا صحته“ (المغنی ۵/ ۱۲، حدیث کی تضعیف کی بابت تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”صفا“ شمارہ ۶ وزجر الطامعین ۵-۷)۔

۲- سنداً حسن اور لائق احتجاج بھی ہو تو معلول ہے، اس لئے کہ اکثر راویوں نے اس کو ابوسعید خدریؓ کے قول کی حیثیت سے یا مجہول کے صیغہ سے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

مانعین جواز

۱- یہ حدیث اگر ضعیف بھی ہو تو، جب اس مسئلہ سے متعلق کوئی دوسری نص یا حدیث موجود نہیں ہے جو کہ اس کے خلاف ہو، زیادہ سے زیادہ قیاس ہے۔

حنفیہ و حنابلہ کے اس اصول کے مطابق کہ ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہوتی ہے، اس پر عمل کریں گے، بیشک صاحب "المغنی" نے اس کو نہیں جانا، لیکن بقول صاحب "اعلاء السنن":

قد عرفه ابن عقيل والدار قطني والبيهقي وعبد الحق في أحكامه وكفى بهم قدوة والعارف حجة على من لم يعرف" (ایضاح:۱۶/۱۷۷)۔

نیز امام طحاوی و امام محمد و مسدد بن مسرہد و ابو یعلی وغیرہ، جیسے ائمہ حدیث اس سے واقف ہیں ان سب نے اس کو روایت کیا ہے۔

صاحب المغنی نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے جو اس کو مستلزم نہیں کہ یہ ضعف کے ساتھ بھی ثابت نہیں، اور حدیث ضعیف خود حنابلہ کے یہاں حجت ہے، پھر یہ کہ ائمہ فن کو صاحب "المغنی" کی اس بات سے اختلاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث لائق احتجاج ہے اور حسن لذاتہ سے کسی طرح کم نہیں ہے، (زجر الطالبین ۳۱، ۴۲، ۴۹) اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے:

الف- امام محمدؒ نے "کتاب الاصل" میں، مسدد بن مسرہد، نیز ابو یعلی موصلی نے اپنی مسانید میں، امام طحاوی نے "مشکل الآثار" میں، دار قطنی و بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں اس کو روایت کیا ہے۔

ب- یہ حدیث موصولاً و مرسلاً اور مرفوعاً و موقوفاً ہر طرح مروی و ثابت ہے، موقوف یوں ہے کہ دار قطنی و بیہقی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تصریح نہیں کی ہے، اگرچہ ان کے الفاظ ایسے ہیں کہ اصولاً حدیث کو مرفوع ماننے کی گنجائش موجود ہے، اس کے مقابلہ میں امام محمد، مسدد بن مسرہد اور امام طحاوی نے حضور اکرم ﷺ کے

Marfat.com

نام کی تصریح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مرسل یوں ہے کہ مسدد بن مسرہد نے حضرت ابوسعید خدری کا نام چھوڑ دیا ہے، باقی سب نے صحابی راوی کا ذکر کیا ہے، اگرچہ امام طحاوی کے یہاں نام کے بجائے "عن بعض أصحاب النبی" کا لفظ آیا ہے۔

ج-اس کے رواۃ میں صحابہ میں ابوسعید خدریؓ اور تابعین میں عبدالرحمٰن ابن ابی نعم ہیں، اور ان سے روایت کرنے والوں میں ہشام ابوکلیب نیز عطاء ابن السائب ہیں، اکثر طرق میں ہشام ہی آئے ہیں اور انہیں پر کلام ہے، انہیں کی وجہ سے دار قطنی وغیرہ کی روایت پر کلام ہے۔

ان کا معاملہ یہ ہے کہ امام احمد، ابن حبان وابن شاہین نے ان کو ثقہ کہا ہے، (کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۵/ ۶۴، ۶۵، ۶۸) امام بخاری ودولابی نے ان کے تذکرہ میں جرح سے سکوت کیا ہے، (تاریخ البخاری الکبیر ۸/ ۱۹۵، الکنی للدولابی ۲/ ۸۹) اور اگر یہ ہشام بن عائذ اسدی ہیں جیسا کہ مزنی وابن حاتم (تہذیب الکمال ۳/ ۱۴۴، کتاب الجرح لابن ابی حاتم ۵/ ۶۴) کی تصریحات سے سمجھ میں آتا ہے تو وہ بالاتفاق ثقہ ہیں، اور صحاح ستہ میں نسائی کے معروف راوی ہیں۔

پھر یہ کہ جب کسی راوی کی بابت ائمہ فن کا اختلاف ہو جائے تو اس کی روایت درجہ حسن میں شمار کی جاتی ہے، جیسا کہ ابن قطان ومنذری وسیوطی وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے (اعلاء السنن مقدمہ)۔

د-رفع ووقف وغیرہ کا اختلاف اس وقت عیب ہے اور حدیث کو معلول بنا دیتا ہے جب کہ ترجیح وتطبیق ممکن نہ ہو، اور مقابلہ میں معتمد مرفوع روایت موجود ہو، ورنہ مذاہب اربعہ میں موقوف حدیث حجت ہے، اور امام شافعی جو کہ مرسل کے بارے میں سخت موقف رکھتے ہیں، وہ بھی بعض شرطوں کے ساتھ مرسل پر عمل کو درست کہتے ہیں، (نخبۃ الفکر/ ۵۲، اعلاء السنن ۱/ ۸۵) اور

Marfat.com

اکثر نیز ثقات کی روایت مرسل نہیں، بلکہ موصول ہے، جیسے کہ اکثر کی روایت مرفوع بھی واقع ہوئی ہے۔

ہ- جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کو بغیر کسی تنقید کے روایت ونقل کیا ہے، انہوں نے دلالۃً اس کی تحسین وتصحیح کی ہے، بالخصوص عبد الحق اشبیلی، اس لئے کہ ان کا سکوت حجت شمار ہوتا ہے، (الرسالۃ المستطرفہ/۱۷۹) بقیہ لوگوں میں اصل روایت کرنے والوں کے علاوہ امام بغوی، زیلعی وعلامہ عینی وغیرہ ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے ائمہ فن ومحققین نے صراحۃً بھی تصحیح وتحسین کی ہے، مثلاً حافظ ابن حجر، قاسم بن قطلو بغا، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا نقی دیوبندی، مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری ومفتی سعید احمد سہارنپوری مع بعض علماء دار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپوری اور اخیر میں شیخ ناصر الدین الالبانی (المطالب العالیہ ۱/۴۰۰، حدیث/۱۳۴۴، مع حاشیۃ التعریف والاخبار ۲/۱۴۸، اعلاء السنن ۱۶/۱۷۶، ارواء الغلیل ۵/۳۹۵-۳۹۷، صحیح جامع صغیر ۶/۶۸)۔

نیز اصولی طور پر تعدد طرق کی وجہ سے ان روایات کو ایک دوسرے سے تقویت ہے، اور اس کی وجہ سے یہ روایات ''حسن لغیرہ'' کے درجہ کی تو قرار پائیں گی ہی، حافظ ابن حجر نے مسند مسدد کی روایت کو ''حسن لذاتہ'' قرار دیا ہے، اگرچہ وہ مرسل ہے (المطالب العالیہ مع حاشیہ ۱/۴۰۰)۔

حدیث کی صحیح تفسیر

قائلین جواز کی طرف سے حدیث کا مفہوم تو یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اجرت کی مقدار طے نہ کی جائے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۸۴۸، نیل الاوطار ۷/۳۲، بدایۃ المجتہد ۲/۱۶۹) جیسے کہ ایک تفسیر یہ ہے کہ جو گیہوں پیسا ہو اس کی مقدار معلوم نہ ہو (تلخیص الحبیر ۳/۶۹)، لیکن ایک تفسیر اس کی عبد اللہ

Marfat.com

ابن مبارک سے یہ نقل کی گئی ہے کہ آدمی آٹا پیسنے کی کچھ اجرت نقد متعین کر کے طے کرے اور آٹے کی ایک مقدار بھی طے کرے۔

"صورته أن يقال للطحان أطحن بكذا وكذا وزيادة قفيز من نفس الطحن" (تلخیص الحبیر ۳/۶۹، اعلاء السنن ۱۶/۱۷۹)۔

یہ تفسیر اس لئے راجح بلکہ امام طحاوی کے بیان کے مطابق متعین ہے کہ دیگر تفاسیر کا اصل قائل کون ہے معلوم نہیں، (المصنوع فی معرفة الموضوع ر ۸۴ تعلیقات الشیخ عبدالفتاح) ابن مبارک جیسے امام کی تفسیر ہے، (مشکل الآثار ۱/۳۰۷) ابن مبارک اس حدیث کے راوی بھی ہیں، اکثر حضرات نے ان کے طریق سے روایت لی ہے یا حوالہ دیا ہے، اور قاعدہ ہے کہ راوی کی تفسیر کو دوسروں کی تفسیر پر ترجیح ہوتی ہے، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے کہ ہم نے علماء کو اس حدیث کے اس مفہوم پر متفق پایا ہے (مشکل الآثار ۱/۳۰۷)۔

حرمت وممانعت کے عقلی وجوہ

کتب فقہ میں اس صورت اور اس جیسی صورتوں کی ممانعت کی مختلف عقلی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، امام طحاوی نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب گیہوں پیسنے کو دے کر آٹے کی ایک مقدار کا اجرت میں دینا طے کرے گا تو معاملہ کرتے وقت آٹا اور اجرت موجود نہ ہوگی، اور اس کی وجہ سے آدمی معاملہ کرتے وقت طے شدہ اجرت کے ادا کرنے سے عاجز ہوگا، آٹا پیسنے کے بعد ہی اس پر قادر ہوگا (حوالہ سابق، اعلاء السنن ۱۶/۱۷۶-۱۷۷)۔

دوسری وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی اپنے ہی عمل اور اپنی محنت کے نتیجہ کو اپنے عمل ومحنت کی اجرت کے طور پر طے کرتا ہے، اور قاعدہ ہے "تعيين الأجر مما يعمل فيه الأجير مفسدة للعقد" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۷۴۸) نیز اجارہ کی صحت کی ایک شرط ہے:

Marfat.com

"أن لا ینتفع الأجیر بعمله" (بدائع ۴/ ۱۹۲)۔

ایک وجہ یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ اجارہ کا تعلق اگر کسی ایسی چیز سے ہو جو کہ کام لینے والے اور مزدور دونوں کے درمیان مشترک ہو یا ہو جائے تو اجارہ صحیح نہیں ہوتا، یہاں آٹے کو اجرت میں طے کرنے پر آٹا پیسنے کے بعد یہی صورت پیدا ہو جاتی ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ۸/ ۵۰-۵۱)۔

اور اگر آٹے کی مقدار طے نہ کی جائے تو اجرت میں جہالت ہوگی، یہ ایک اہم علت ہے، اسی انداز کی مختلف علتیں ایسے معاملات میں ذکر کی جاتی ہیں جن میں سے اول و آخر کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور بعض کا حل نکالنے پر بعض باقی ہی رہتی ہیں۔

ج- استثنائی صورتیں اور ان کی بنیاد

دوسرے قواعد وکلیات کی طرح ''قفیز طحان'' کے باب میں بھی استثنائی جزئیات ملتے ہیں، کہ جن میں جواز کا حکم ہے، جیسے جانور کی بٹائی، کھیتی کی کٹائی وغیرہ کی اجرت میں اسی کا ایک حصہ دینا، سوت سے دھاگہ تیار کرانے پر اس کا حصہ اجرت میں دینا، نیز مضاربت ومزارعت، یہ سارے مسئلے حنفیہ کے یہاں تو نہیں ہیں، مگر فقہاء کے یہاں ہیں۔

ان استثنائی جزئیات کی جو بنیاد احقر کی سمجھ میں آسکی ہے اور جس کی تصریح بھی مل جاتی ہے، وہ ہے تعامل اور ضرورت، بالخصوص معاملات کے باب میں تعامل کی اہمیت اور شریعت کی طرف سے اس کا اعتبار ورعایت معروف ہے، بیع سلم وغیرہ کی بنیاد اسی پر ہے، اور تعامل کی وجہ سے معاملہ کسی قدر جہالت بھی ہو جو کہ عام حالت میں عقد کے لئے مفسد ہوتی ہے، تو وہ بھی گوارا کرلی جاتی ہے اور تعامل وضرورت میں اصل تعامل ہی ہے، ضرورت تو تعامل کی وجہ سے اس بنا پر پیدا ہوتی ہے کہ تعامل کا مطلب ہے عام عمل، دوسری شکل مروج نہیں ہوتی تو ضرورت مند آدمی اس کے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور یہ مجبوری کا حال گنجائش پیدا کردیتا ہے۔

Marfat.com

د- کمیشن پر چندہ اور تعامل

اگر چہ اس وقت چندہ کی اجرت کے طور پر "کمیشن" کو ہی طے کرنے کا رواج بہت ہو گیا ہے، لیکن کم از کم مدارس و دینی حلقوں میں اس کی حیثیت تعامل وعرف کی نہیں ہے، نہ عرف عام کی اور نہ عرف خاص کی، اور ظاہر ہے کہ قفیز طحان کے استثنائی مسائل میں اصل بنیاد تعامل ہے، اس لئے چندہ میں کمیشن کے جواز کی بنیاد اس کو بنانا درست نہیں ہے، اور جائز کہنے والوں کے نزدیک بھی اصل بنیاد یہی ہے باقی امور ضمنی ہیں۔

معاملہ یہ ہے کہ عرف وتعامل کی ایک خاص حقیقت ہے، اس کے بغیر ان کے ثبوت کا دعوی درست نہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ عرف وتعامل ایک قسم کا اجماع ہے (ملاحظہ ہو: المدخل الفقہی العام للزرقاء: المصادر الشرعیہ فیما لانص فیہ، عبد الوہاب خلاف وغیرہ میں مباحث عرف، اس سلسلہ میں علامہ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو: إلا أن یكون كذلك من الناس كافة في البلدان كلها فیكون إجماعاً، والإجماع حجة" (شامی ۴؍۱۴۲)، جس کی دلیل ہمارے بعض فقہاء کا "استحسان بالتعامل" کے لئے "استحسان بالاجماع" کی تعبیر کو اختیار کرنا ہے، اگر چہ اس کے لئے اجماع اصطلاحی کی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک فرد بھی مخالف نہ ہو، لیکن یہ ضرور ہے کہ خلاف کرنے والے کی حیثیت شذوذ وشاذ کی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان ۷۵ اور ۲۵ کا تناسب تو دور کی بات ہے ۹۰ اور ۱۰ کا تناسب بھی کافی نہ ہوگا، بلکہ ۹۹ اور یا ۹۸ اور ۲ کا تناسب درکار ہوگا، اور بعض اوقات یہ شرح اس سے بھی کم ہو سکتی ہے۔

اور تحقیق کرنے پر چندہ میں کمیشن کو اجرت بنانے والوں کا تناسب زیادہ سے زیادہ ۹۰ اور ۱۰ کا نکلے گا، اس سے زیادہ نہیں، اور یہ تعامل کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ سو میں دس کی تعداد اتنی کم نہیں ہے کہ اسے "شذوذ وشاذ" کہا جاسکے، اور پھر یہاں اجماع بہ مفہوم تعامل کا اعتبار کرلیا جائے اور ضرورت وابتلاء عام کی وجہ سے جواز کے قول کو اختیار کرلیا جائے،

Marfat.com

نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ عرف وتعامل کی تعریف میں ایک قید یہ بھی ذکر کی گئی ہے۔

''تلقته الطبائع السليمة بالقبول'' (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۱۲، الاشباہ/ ۹۳)۔

اوراس کے مفہوم کی وضاحت بعض دوسرے حضرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''ولم ينكره أصحاب الذوق السليم في الجماعة'' (اصول مذہب الامام احمد للدکتور الترکی/ ۵۲۲، بحث ونظر شمارہ ۳ صفحہ ۴۳)۔

یعنی جماعت کے ذوق سلیم رکھنے والے حضرات اس پر ناگواری کا اظہار نہ کرتے ہوں۔

حضرت تھانویؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

''تعامل ایک قسم ہے اجماع کی، اوراس میں شرائط اجماع کا پایا جانا ضروری ہے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ علماء عصر بلانکیر اس کو قبول کرلیں'' (امداد الفتاوی ۳/ ۳۲، ۴۴-۱۴۳)۔

یہ قید بھی اس مسئلہ میں مفقود ہے، اس لئے کہ اہل ذوق سلیم یہاں علماء ہی ہوسکتے ہیں، یا توسع کریں تو دینی سوجھ بوجھ رکھنے والے اس کا مصداق ہوسکتے ہیں، صورتحال یہ ہے کہ چندہ میں کمیشن لینے کے جواز پر اکابر اہل علم کی طرف سے برابر انکار جاری ہے، میرے علم میں ملک کے اکابر اہل افتاء میں سے کسی طرف سے اس سلسلہ میں جواز یا تائید جواز کی کوئی چیز موجود نہیں ہے، حضرت تھانویؒ، مفتی مہدی حسنؒ صاحب، مفتی سعید احمدؒ صاحب، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ صاحب، مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ (ملاحظہ ہو: زجر الطالبین، نیز امداد الفتاوی ۳/ ۶، ۷۳، فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۷۳) وغیرہ سب کا قول عدم جواز کا ہے، اور ملک کے مستند دینی درسگاہوں کے ارباب افتاء کا رجحان یہی چل رہا ہے۔

مولانا تقی صاحب دیوبندی کے رسالہ میں جن صاحب کی تحریر جواز کی نقل کی گئی ہے وہ یوں بھی معروف نہیں ہیں، اور فقہ وافتاء کے باب میں تو ان کا کوئی شمار نہیں ہے، ادھر جن دو ایک

Marfat.com

حضرات کی تحریر جواز کی آئی ہیں اور جو اس وقت ایسے فقہی و تحقیقی کاموں میں معروف ہیں، ان کی بابت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ اپنے اساتذہ اور حقیقت پسند رفقاء کی تائید نہیں رکھتے۔

بہرحال اس مسئلہ میں جواز کی جو اصل بنیاد ہے چونکہ وہ متحقق نہیں ہے، اس لئے اس کو قفیز طحان کے مستثنیٰ جزئیات میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

احتیاط و کام کی نزاکت کا تقاضا عدم جواز

اب اس مسئلہ کو ایک دوسرے رخ سے دیکھئے، یہ تنہا میرا خیال نہیں بلکہ بعض اہل علم وارباب افتاء سے مذاکرہ پر ان کو بھی موافق پایا، کہ اگرچہ دلائل کی رو سے یہ کمیشن جائز ہو، مگر سد ذرائع کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے برے عواقب کی وجہ سے اس کو ممنوع ہونا چاہئے، ایسے عواقب جو کہ محض متوقع نہیں ہیں، بلکہ موجود و معروف ہیں، کمیشن پر چندہ کی وجہ سے کم از کم دو چیزیں عمومی طور پر سامنے آرہی ہیں، ایک چندہ کرنے والوں سے متعلق اور دوسری چندہ دینے والوں کی طرف سے۔

الف- یوں تو چندہ کے کام میں وسعت پیدا ہونے کے ساتھ اس کام میں بے اعتدالیاں اور غلط کاریاں عام ہوتی جارہی ہیں، لیکن کمیشن پر چندہ کے کام نے اس کام کے حدود و وقار کو بہت مجروح کیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ کمیشن والوں کو فکر صرف اس کی ہوتی ہے کہ کچھ ملے، کسی طرح بھی اور کہیں سے، تاکہ ہمارا حق و حصہ بنے، اور نتیجۃً جس طرح وہ چندہ دینے والوں کے ساتھ چمٹتے ہیں اور پیچھے پڑتے ہیں اور پھر بکثرت جس بے آبروئی کی نوبت آتی ہے اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ جن اداروں کی طرف سے ایسے لوگ جاتے ہیں اکثر نہ ان کی کوئی خاص حیثیت ہوتی ہے اور نہ ضرورت، تو اس طرح کام کرنے والے اپنا ہی کام بنائے جاتے ہیں، لہذا اس کے لئے ان کو کچھ بھی کہنے یا کرنے میں دریغ نہیں ہوتا اور نہ ملتے بھی ان کو کافی مل جاتا ہے۔

Marfat.com

ب- دوسری طرف یہ کہ اس کام پر کام کے پیچھے مشقت وقربانی کی وجہ سے اجرت کے جواز سے کون انکار کرسکتا ہے اور نہ کوئی کرتا ہے، مگر چندہ میں کمیشن کا عنوان ونام آنے سے عام اہل خیر حضرات جو پورے اخلاص وہمدردی کے ساتھ مدارس وضرورت مند اداروں کی مدد کرتے ہیں، ان کو سخت تنفر وتکدر ہوتا ہے، اور چونکہ کمیشن پر چندہ کا رواج بڑھتا جارہا ہے اور اہل خیر حضرات کو بھی اس کا علم ہوتا رہتا ہے، تو اب نوبت یہ آگئی ہے کہ بکثرت چندہ دینے والے کام کرنے والوں سے دریافت کیا کرتے ہیں کہ کیا کمیشن ملتا ہے، اور بہت سے اہل خیر حضرات تو یہ کرنے لگے ہیں کہ اس تحقیق کے بعد ہی چندہ دیتے ہیں کہ اس ادارے میں کمیشن تو نہیں دیا جاتا؟ جن کے متعلق اطمینان ہوان کو یا پھر معروف ومسلم اداروں کو چندہ دیتے ہیں، بعض نے جن علاقوں میں اس کا عام علم ہوا، ان علاقوں کے اداروں کا تعاون بند کردیا ہے، حتی کہ اس کی وجہ سے ایسے علاقوں کے محتاط اہل مدارس اپنی رسیدوں واشتہارات میں اس کی صراحت پر مجبور ہوگئے ہیں کہ ہمارے یہاں کمیشن نہیں دیا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ چندہ دینے والے اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ رہے ہیں، اور وہ اس لئے کہ ان کو یہ احساس وخیال ہے کہ ہم نے ادارے کو زکوۃ یا اپنی گاڑھی کمائی ادارہ کے طلباء ودیگر مصارف کے لئے دی اور اس کا ایک بڑا حصہ کمیشن کی صورت میں دوسری طرف چلا گیا، اور ان کا مقصد فوت ہوگیا۔

یہ دونوں ہی چیزیں اہم اور قابل لحاظ ہیں، اس لئے کہ عموماً مدارس کا کام چندوں سے چل رہا ہے، اور یہ دونوں باتیں اور ان کا بڑھتا ہوا رجحان اس تعاون کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہے اور اس سے بالخصوص ان چھوٹے اور نئے اداروں کا نقصان ہوگا جن کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ان کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں ہوتا تو کمیشن کی وجہ سے ان کو چندہ زیادہ مل جاتا ہے۔

Marfat.com

خلاصہ مقالہ بابت کمیشن پر چندہ

۱- کمیشن پر چندہ کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ایک بنیادی مستدل حدیث قفیز طحان ہے، یہ حدیث ائمہ فن کی ایک جماعت کی نگاہ میں صحیح یا حسن ہے، لہذا لائق احتجاج ہے۔

۲- رفع ووقف اور وصل وارسال کے اختلاف کی وجہ سے اس کو معلول قرار دینا درست نہیں ہے، روایت ہر طرح ثابت ہوسکتی ہے اور ہے۔

۳- استثنائی صورتوں میں جواز کی بنیاد تعامل ہے۔

۴- کمیشن پر چندہ کے سلسلہ میں تعامل اپنی حقیقت مطلوبہ کے ساتھ مفقود ہے۔

۵- بعض ایسے عواقب جن کی وجہ سے اس تعاون کی صورت کے ختم ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے یا کم ازکم ہونے کا، اور دونوں میں امت کا نقصان ہے، ان عواقب کی وجہ سے سدا للذرائع بھی ایسی چیزیں منع کی جاتی ہیں۔

لہذا ان سب کی بناء پر اس کمیشن کو ناجائز ہونا چاہئے اور ہے۔

Marfat.com

نصاب زکوۃ

مولانا ثناء الہدی قاسمی ☆

نصاب زکوۃ میں قدر مشترک غنا اور مالداری ہے اور مصارف میں وجہ استحقاق کی قدر مشترک ناداری اور افلاس، اس لئے اصل نصاب کے تعین میں دونوں کے مفاد کی رعایت ضروری ہے، تاکہ شریعت کا منشا بھی پورا ہو اور مالداروں پر غیر ضروری بوجھ بھی نہ پڑے، یہی وجہ ہے کہ احادیث مقدسہ میں مختلف اصناف، مختلف انواع کے اشیاء میں کم سے کم مقدار اور مالیت کی تعیین کردی گئی ہے، جس کی موجودگی میں انسان صاحب نصاب اور مالدار سمجھا جاتا ہے، اور جنہیں فقہ کی متداول کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے، یہاں اس تفصیل میں جانے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ موقع، بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر مختلف اشیاء کا نصاب الگ الگ اقل حد کو پہنچ رہا ہو تو زکوۃ کی ادائیگی مقررہ اور متعینہ مقدار و تعداد میں کی جائے گی اور اسے ہی اصل مانا جائے گا۔

بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ مختلف اشیاء موجود ہوں، مگر ان میں سے کوئی الگ الگ نصاب کی اقل حد تک نہ پہنچے یا اموال تجارت ہوں تو ایسے میں کیا کیا جائے، ضم نصاب میں کس کی رعایت کی جائے اور تقویم میں کسے معیار مانا جائے۔

اس سلسلہ میں دو اہم اصول فقہاء نے بیان کئے ہیں:

۱- پہلا یہ کہ تعیین نصاب اور ضم نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے گی اور دیکھا

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

Marfat.com

جائے گا کہ انفع للفقراء کی صورت کون سی ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"یقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء" (ہدایہ ۱/۲۷۹)۔

فخر الدین عثمان بن علی زیلعی لکھتے ہیں:

"ويعتبر فيهما الأنفع أيهما كان أنفع للمساكين" (تبیین الحقائق ۱/۲۷۹)۔

"فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا ورواجا" (ہندیہ ۱/۱۷۹)۔

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ تقویم میں تخییر کے باوجود اعتبار اس کا ہوگا، جس سے نصاب کی تکمیل ہو سکے، بنایہ میں ہے:

"لا بد أن يقوم بما يبلغ نصابا حتى إذا قومت بالدراهم تبلغ نصابا، وإذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا، يقوم بالدراهم وبالعكس كذلك" (بنایہ علی ہامش ہدایہ ۱/۱۷۵)۔

"درمختار" میں ہے:

"ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به" (درمختار ۲/۲۱)۔

صاحب "ہدایہ" اور کچھ دوسرے فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ یہ دونوں اصول الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہیں اور انفع للفقراء کا مطلب "يقومها بما يبلغ به نصابا" ہے۔ (ہدایہ ۱/۱۹۵)

"تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

"واعتبار الأنفع مذهب أبي حنيفة ومعناه يقوم بها يبلغ نصابا" (تبیین الحقائق ۱/۲۷۹)۔

Marfat.com

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

"وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالی فی الأمالی أنه یقومها بأنفع النقدین للفقراء" (مبسوط ۱۹۱/۲)۔

بہر کیف ان دونوں اصولوں کے ساتھ اصل نصاب کی تعیین میں ایک اور بات خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، اور اس سلسلہ میں واضح احادیث موجود ہیں۔

بدایۃ المجتہد میں ہے:

"فإنهم اتفقوا علی أنه خمس أواق لقوله علیه السلام: الثابت لیس فیهادون خمس أواق من الورق صدقة" (بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶)۔

اس کے برعکس سونے کے نصاب میں کافی اختلاف ہے جس کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے صاحب بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں:

"وسبب اختلافهم فی نصاب الذهب أنه لم یثبت فی ذلک شئ عن النبی صلی الله علیه وسلم کما ثبت ذلک فی نصاب الفضة" (سابق حوالہ)۔

سوالات کے جوابات

۱- ان اقتباسات اور مباحث کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ اصل نصاب چاندی کو قرار دیا جائے اس لئے کہ:

الف- یہ فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔

ب- سونے کی بہ نسبت سستی ہونے کی وجہ سے نصاب کی تکمیل آسانی سے ہوسکتی ہے۔

ج- اس کا نصاب صحیح حدیث سے ثابت ہے اور فقہاء سب کے سب متفق ہیں۔

Marfat.com

ایک شبہ کا ازالہ

زیادہ سے زیادہ چاندی کے نصاب کو اصل تسلیم کرنے میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں مالداروں کی رعایت نہیں کی گئی ہے، حالانکہ معاملہ قطعاً ایسا نہیں ہے، صاحب ''فتح القدیر'' نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إن المال کان فی ید المالک ینتفع به زمانا طویلا فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقویم" (فتح القدیر ۱/۱٦٦)

معاصر علماء کی آراء

دوسرے فقہی سمینار میں کرنسی نوٹ کی زکوۃ پر معاصر علماء نے جو کچھ لکھا تھا اور جو فیصلے ہوئے تھے، اس کا حاصل بھی یہی تھا کہ اصل نصاب چاندی کو جانا جائے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''احکام زکوۃ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس پہلو میں فقراء کو فائدہ ہو اس کو اختیار کیا جائے، اس لئے زکوۃ کی حد تک ان سکوں اور نوٹوں کیلئے اصل چاندی ہی ہوگی اور اتنی رقم کا مالک ہونے پر جس سے چاندی کا نصاب خرید کیا جائے زکوۃ واجب ہوگی'' (جدید فقہی مسائل ۲/۲۳۱)۔

مولانا عبدالرحیم لاجپوری کا بھی خیال یہی ہے:

''جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے، اتنے روپے کے مالک کو صاحب نصاب قرار دیا جائے گا'' (فتاوی رحیمیہ ۳/ ۲۴۳)۔

۲-حرمت زکوۃ کیلئے کسی بھی نصاب کی مقررہ ومتعینہ حد ومقدار کا مالک ہونا کافی ہے، خواہ الگ الگ مختلف چیزوں کا مالک ہو جو نصاب کے حد تک پہنچ جاتے ہوں، یا مجموعی طور پر وہ اتنی مالیت ان شرائط کے ساتھ رکھتا ہو جو وجوب زکوۃ کیلئے کافی ہوں، بہر صورت وہ غنی اور

Marfat.com

صاحب نصاب قرار دیا جائے گا، زکوۃ لینا اس کے لئے حرام ہوگا، اور زکوۃ دینا واجب۔

درمختار میں ہے:

" ولا يصرف الزكوة إلى غني يملك قدر نصاب من أى مال كان"

(شامی ۲/۶۵)

"وفي الغاية ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض" (شامی ۲/۶۵)۔

Marfat.com

احکام زکوٰۃ

مولانا محمد شعیب مفتاحی ☆

محور اول

اموال زکوٰۃ اوران پر وجوب زکوٰۃ کی شرائط

احکام زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ بحث کہ "کس قسم کے اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟" بڑی اہمیت کی حامل ہے، اسی طرح ان اموال پر وجوب زکوٰۃ کی شرائط کی بحث بھی نہایت اہم ہے۔

اموال زکوٰۃ

جہاں تک اموال زکوٰۃ کا مسئلہ ہے تو اس میں قرآن وحدیث میں کوئی تحدید نہیں آئی ہے، البتہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جن اموال پر زکوٰۃ فرض ہے وہ چند قسموں پر مشتمل ہیں:

۱- چوپائے جانور (اور اس سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہے) اور امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس میں گھوڑا بھی داخل ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵۹۶/۱، الجوہرۃ النیرۃ ۱۷۶/۱)۔

☆ مدرسہ مسیح العلوم بنگلور۔

Marfat.com

۲-سونا اور چاندی (اور اس میں مروجہ نقدی داخل ہوگی)۔

۳-سامان تجارت۔

۴-معدن ورکاز۔

۵-کھیتی اور پھل۔

ان پانچ قسم کے مالوں کے سوا اور مال پر زکوۃ نہیں ہے (الفقۃ علی المذاہب الاربعہ ۵۹۶/۱)۔

شرائط وجوب زکوۃ

۱- ملک تام

پہلی شرط یہ ہے کہ مال پر ملکیت تامہ حاصل ہو، اگر نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اور ملکیت تام کا مطلب یہ ہے کہ مال مملوک بھی ہو اور قبضہ میں بھی ہو، اگر مملوک تو ہے، مگر قبضہ میں نہیں یا قبضہ میں ہے، مگر مملوک نہیں تو وہ مال ایسا ہے جس پر ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔

"وسببه (أى سبب افتراضها) ملك نصاب حولى تام" (الدر المختار علی ہامش رد المختار ۳۵۹/۲)۔

اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے:

"لأن المراد بالتام المملوك رقبةً ويداً" (رد المختار ۲۵۹/۲)۔

اور علامہ ابن نجیمؒ نے صاحب کنز الدقائق کے قول "ملک" پر لکھا ہے:

"وأطلق (أى صاحب الكنز) الملك فانصرف إلى الكامل وهو المملوك رقبةً ويداً" (البحر الرائق ۲۰۳/۲)۔

ان تصریحات سے واضح ہوا کہ ملک تام سے مراد مال کا رقبۃً ویداً دونوں طرح مملوک

Marfat.com

ہونا ہے، اور وجوب زکوٰۃ کی اسی شرط کے پیش نظر فقہاء نے مال مکاتب پر زکوٰۃ نہ ہونے کی تصریح کی ہے، اسی طرح گمشدہ مال اور مال مغصوب جس پر کوئی بیّنہ نہ ہو، اور وہ مال جو کسی جنگل میں مدفون ہو، ان سب پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ سب اگرچہ رقبۃً مملوک ہیں مگر قبضہ میں نہیں ہیں (البحر الرائق ۲؍۲۰۳)۔

خرید کردہ غیر مقبوض مال پر زکوٰۃ

اسی سے اس سوال کا جواب نکل آیا کہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کر دی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوئی، اس خرید کردہ غیر مقبوض مال پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب ظاہر ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، وجہ وہی ہے کہ یہ مال اگرچہ خریدار کی ملکیت میں آ گیا مگر اس کے ہاتھ اور قبضہ میں نہیں آیا ہے، لہٰذا یہ خریدار کی ملک تام نہیں ہے جو وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ نے اس جزئیہ کی تصریح کی ہے:

"..... فلایجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض لعدم الید" (البحر الرائق ۲؍۲۰۳)۔

پیشگی ادا کردہ قیمت پر زکوٰۃ

اسی طرح مال تجارت کی پیشگی ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ خریدار پر نہیں ہوگی، کیونکہ خریدار نے جب بائع کو پیشگی قیمت دے دی تو وہ اس کی ملک سے نکل کر بائع کی ملک میں داخل ہو گیا، لہٰذا خریدار پر اس کی زکوٰۃ نہ ہوگی، البحر الرائق میں ہے:

"ولا زکوۃ علی المشتری لأن الثمن زال عن ملکه إلی البائع" (البحر الرائق ۲؍۲۰۴)۔

Marfat.com

البتہ بائع پر اس کی زکوٰۃ لازم ہوگی جبکہ ایک سال اس پر گزر جائے۔

اڈوانس یا ڈپوزٹ پر زکوٰۃ

اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آنا چاہیے کہ دکانوں اور مکانوں کے کرایہ پر جو اڈوانس دیا جاتا ہے اور عقد اجارہ کے ختم یا فسخ ہوجانے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، اور ہے تو کس پر ہے: کرایہ دار پر ہے یا مالک مکان پر؟

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ اڈوانس کی رقم مالک مکان کی ملکیت میں نہیں ہے، اگرچہ فی الحال اس کا اس پر قبضہ ہے، لہٰذا مالک مکان پر اس رقم کی زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی، اب رہا یہ کہ کرایہ دار جو کہ اس رقم اڈوانس کا مالک ہے اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں پہلے اس رقم کی نوعیت متعین کرنا چاہیے۔

اس رقم کے متعلق ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ قرض ہو، مگر تعامل اور عرف اس کا رد کرتے ہیں، کیونکہ قرض میں میعاد مقرر نہیں ہوسکتی (ہدایہ ۳/ ۶۰) اور جب چاہے واپس لیا جاسکتا ہے، اور اڈوانس کی رقم میں یہ بات مفقود ہے، لہٰذا یہ قرض نہیں ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ امانت یا ودیعت ہو، مگر یہ احتمال بھی اس لئے صحیح نہیں کہ امانت اگر تلف ہوجائے تو اس کا ضمان نہیں آتا (ہدایہ ۳/ ۲۵۷) مگر اڈوانس کے سلسلہ میں عرف اور عادت سے ثابت ہے کہ یہ رقم واجب الاداء ہوتی ہے، خواہ وہ تلف ہی کیوں نہ ہوجائے، لہٰذا اس کو امانت ودیعت بھی نہیں کہہ سکتے۔

تیسرا احتمال اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ رقم عاریت ہو، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ عاریت میں بھی مالک کو ہر وقت رجوع کا حق ہوتا ہے (ہدایہ ۳/ ۲۶۳) اور اڈوانس کی رقم میں یہ بات نہیں ہے، دوسرے عاریت بھی مثل ودیعت امانت ہے جس کے ہلاک وتلف ہوجانے سے

Marfat.com

ضمان لازم نہیں آتا (ہدایہ ۳/ ۲۶۳) اور اڈوانس کی رقم ہلاک وتلف ہونے کی صورت میں بھی واجب الاداء شمار ہوتی ہے، تیسرے علماء نے لکھا ہے کہ عاریت اگر دراہم ودنانیر یا مکیلی یا موزونی یا معدودی شئی ہوتو وہ قرض کے حکم میں ہوتی ہے، ہدایہ میں ہے۔

”وعارية الدراهم والدنانير والمكيل والموزون والمعدود قرض“ (ہدایہ ۳/ ۲۶۵)۔

پس روپیہ یا تو دراہم ودینار کے حکم میں ہوگا، ورنہ معدود تو ہے ہی، لہٰذا اڈوانس کی رقم کو عاریت کہنے کی صورت میں بھی وہ قرض ہی کہلائے گی، اور اوپر عرض کر چکا ہوں کہ یہ احتمال عرف وعادت کی رو سے صحیح نہیں، لہٰذا اڈوانس کی رقم عاریت میں بھی داخل نہیں ہوسکتی۔

اس سلسلہ میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ رقم رہن ہو، اور یہ احتمال کافی حد تک اس رقم اڈوانس پر منطبق ہوسکتا ہے، ایک تو اس لئے کہ ”شئی مرہون“ کی واپسی جس طرح اس وقت نہیں جب تک مرہون بہ (دین) کو واپس نہ کیا جائے، اسی طرح اڈوانس کی رقم بھی اس وقت تک واپس نہیں ہوتی جب تک کہ کرایہ دار گھر یا دکان مالک کے حوالہ نہ کردے، تیسرے اس لئے کہ رہن میں جس طرح شئی مرہون کو مرتہن کے پاس رکھنے کا مقصد مرتہن کے دل میں وثوق پیدا کرنا ہے، اسی طرح اڈوانس دینے کا بھی یہی مقصد ہے۔

جب یہ واضح ہوا کہ اڈوانس کی رقم ”شئی مرہون“ سے مشابہ ہے تو اب اس کے بارے میں زکوٰۃ کا حکم معلوم کرنا آسان ہوگیا، علماء نے لکھا ہے کہ ”شئی مرہون“ پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو، کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کی ایک شرط جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ”ملک تام“ ہے، اور ملک تام نام ہے مال کے مملوک ومقبوض ہونے کا، اور شئی مرہون چونکہ مالک کے قبضہ میں نہیں ہے، اس لئے اس پر ملک تام حاصل نہیں، لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

Marfat.com

علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے:

”ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد“ (البحر الرائق ۲/۲۰۳)۔

بالکل اسی طرح اڈوانس کی رقم بھی چونکہ مالک کے قبضہ میں نہیں ہے، لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

مدارس میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

وجوب زکوٰۃ کی جو شرط یہاں زیر بحث آئی ہے، یعنی ”ملک تام“ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مال کا کوئی متعین مالک نہ ہو، جیسے مدارس اور اداروں میں جمع شدہ رقوم اس کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی نے ”فقه الزكوة“ میں لکھا ہے:

”ایسا مال جس کا کوئی متعین مالک نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، مثلاً حکومت، زکوٰۃ اور ٹیکسوں وغیرہ سے جو مال حاصل کرتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس مال کا کوئی متعین مالک نہیں ہے، بلکہ یہ مال تمام امت کی ملکیت ہے“ (فقہ الزکوۃ ۱/۱۷۶)۔

بعض علماء نے رقوم مدرسہ وادارہ پر زکوٰۃ کے عدم وجوب کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ رقم صدقات واجبہ کی ہے تو اس لئے اس پر زکوٰۃ نہیں کہ اگر یہ رقم اصل مالک کے پاس بھی ہوتی اور وہ چندہ میں نہ دیا ہوتا تب بھی اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ اگر نہ دیا ہو تو آئندہ سال زکوٰۃ کی مقدار وضع کر کے باقی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی (شامی ۲/۲۶۰)۔ اور اگر وہ رقم مد عطیہ کی ہو تو مہتمم کی تحویل میں دے دینے کے بعد چونکہ وہ معطی کے ملک سے خارج ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں اور یہ بمنزلۂ غلة الوقف ہے (احسن الفتاویٰ ۱/۴۳۱، ۴۳۲)۔

Marfat.com

مال حرام پر زکوٰۃ ہے؟

اسی شرط وجوب زکوٰۃ کے نتیجہ میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خالص حرام مال جیسے رشوت، غصب، سود یا چوری وغیرہ کا مال چونکہ ملکیت میں نہیں آتا، لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ حرام مال کو اولاً ان لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی جن کا یہ مال ہے، اگر پتہ نہ چلے پھر فقراء پر کل کا کل صدقہ کرنا واجب ہے۔

شامیؒ نے لکھا ہے:

"فی القنیة لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمه الزکوة، لأن الکل واجب التصدق علیه، فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه، ومثله فی البزازیة" (رد المحتار مع الدر المختار ۲/۲۹۱)۔

غرض مال حرام خالص واجب التصدق ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور دی جائے تو مقبول بھی نہیں ہے، حدیث میں ہے: "لا یقبل اللّٰه إلا الطیب" (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ) اور اس کی توجیہ یہی کی گئی ہے کہ یہ مال حرام اس کی ملکیت میں نہیں ہے جس نے غلط طریقہ سے اس کو حاصل کیا ہے، ابن حجرؒ نے امام قرطبی سے نقل کیا ہے:

"وإنما لا یقبل اللّٰه الصدقة بالحرام؛ لأنه غیر مملوک للتصدق وهو ممنوع من التصرف فیه، والمتصدق به متصرف فیه" (فتح الباری ۲/۲۷۹)۔

غرض یہ کہ مال حرام ملکیت میں نہیں آتا، لہٰذا اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

مال مخلوط بالحرام پر زکوٰۃ

البتہ ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی جو مال حرام سے مخلوط ہو اور دونوں مالوں میں امتیاز مشکل ہو جائے، کیونکہ اپنے حلال مال کے ساتھ حرام مال ملانے سے یہ مال حرام بھی اس کی

Marfat.com

ملکیت میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا اس مخلوط مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے:

"وفي فتح القدير وغيره لا يخرج عن ملك النصاب المذكور ما ملك بسبب خبيث، ولذا قالوا: لو أن سلطانا غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتي وجبت عليه الزكٰوة" (البحر الرائق ۲/۲۰۵)۔

یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے، اور صاحبینؒ (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے مسلک پر اس مال مخلوط پر بھی زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک ملک ثابت نہیں ہے (البحر الرائق ۲/۲۰۵)۔

لیکن امام صاحبؒ کے قول پر بھی مخلوط مال پر وجوب زکوٰۃ اس صورت پر ہے، جبکہ مال مخلوط کے سوا بھی نصاب زکوٰۃ ہو، اگر مخلوط مال کے سوا کوئی اور نصاب اس شخص کے پاس نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے (رد المحتار ۲/۲۹۱)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ غیروں کے جو اموال اس نے اپنے مال میں ملایا ہے وہ غیروں کو واپس کرنا لازم ہے، لہٰذا یہ مدیون ہوا اور مدیون کا مال اگر دین سے زائد نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے (رد المحتار ۲/۲۹۱)۔

اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مال مخلوط بالحرام پر دو صورتوں میں زکوٰۃ آتی ہے:

۱- ایک تو اس صورت میں، جبکہ اس حرام مال کے حقدار بَری کر دیں۔

۲- دوسرے اس وقت جب کہ اس کے اصحاب وحقدار معلوم نہ ہوں۔

باقی اور صورتوں میں اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، البتہ اس حرام مال کو ان لوگوں کو پہنچانا ضروری ہوگا جن کے یہ اموال ہیں۔

Marfat.com

دین کے اقسام اوران پر زکوٰۃ کی تفصیل

ملکیت کی شرط پر ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث آتا ہے کہ دین کی زکوٰۃ کس پر ہوگی، دائن پر جو کہ اس کا مالک ہے، یا مدیون پر جس کے قبضہ میں ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ مدیون پر اس کی زکوٰۃ ہو نہیں سکتی، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، پھر جبکہ مدیون پر دین کی وجہ سے بقدر دین اس کے اپنے مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے تو جو اس کا مال نہیں اس پر اس کے ذمہ زکوٰۃ کا عائد کرنا غیر معقول ہے، البتہ دائن پر بوجہ ملکیت کے اس کی زکوٰۃ عائد ہو سکتی ہے، مگر اس سلسلہ میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ وہ دین کی باعتبار وصولیابی کے امیدی ناامیدی کی کئی قسمیں ہیں:

۱- مال دین کا مدیون انکار کرے اور اس پر بیّنہ بھی نہ ہو، ایسے مال دین پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲- دین پر بیّنہ نہ تھا اور مدیون انکار کر رہا تھا، پھر کسی طرح بیّنہ قائم ہو گیا تو اس دین پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، ہدایہ میں ہے۔

"ومن له على آخر دين فجحده سنين ثم قامت به بيّنة لم يزكه لما مضى" (ہدایہ ۱/۱۶۶)۔

۳- مدیون انکار کرے اور دین پر بیّنہ قائم ہو، اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے اور امام محمدؒ سے عدم وجوب منقول ہے، اور بعض علماء نے اس کی تصحیح کی ہے۔

۴- مدیون انکار کرے اور بیّنہ نہ ہو مگر قاضی کو اس کا علم ہو، (مگر مفتی بہ قول اس صورت میں عدم وجوب کا ہے)۔ اس میں بھی زکوٰۃ ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۱/۲۹۷)۔

۵- دین مقر پر ہو اور وہ غنی ہو۔

۶- دین مقر پر ہو اور وہ تنگدست ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی زکوٰۃ ہے (ہدایہ ۱/۱۶۷)۔

Marfat.com

۷- دین مقر پر ہو اور اس کو قاضی نے مفلس قرار دیا ہو، اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس دین کی زکوٰۃ لازم ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں زکوٰۃ ہے (ہدایہ ۱/۱۶۷)۔

مگر جن صورتوں میں دائن پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ آتی ہے ان میں دین قوی ہے، جیسے قرض پر اس صورت میں زکوٰۃ دینا واجب ہوگا، جبکہ مثلاً اس قرض میں سے چالیس درہم وصول ہو جائیں اور دین متوسط میں سے دوسو درہم وصول ہونے پر زکوٰۃ دینا لازم ہوگا (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۶۰۳)۔

جن میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے، ان میں وصولی کے بعد ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ لازم ہوگی (ایضا)۔

خلاصہ یہ کہ دائن پر دین کی زکوٰۃ یا تو اس وقت لازم ہوگی جب کہ مدیون دین کا اقرار کرے یا اس وقت جب کہ دین پر بیّنہ قائم ہو، کیونکہ ان سب صورتوں میں دائن کو مال دین پر ملکیت تامہ حاصل ہے، مملوک ہونا تو ظاہر ہے اور قبضہ اگرچہ حقیقۃً نہیں ہے، لیکن چونکہ اس کو مال دین تک وصول ورسائی ممکن ہے، لہٰذا یہ حکماً قبضہ ہے، پس ملکیت تامہ حاصل ہوگئی، اس لئے ان پر زکوٰۃ ہوگی، اور دوسری صورتوں میں قبضہ نہ حقیقۃً ہے نہ حکماً، اس لئے زکوٰۃ نہ ہوگی، اسی کو صاحب "ہدایہ" نے "لإمكان الوصول إليه ابتداءً وبواسطة التحصيل" (ہدایہ ۱/۱۶۷) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

کیا مماطل دَین کی زکوٰۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے

اوپر کی توضیح سے معلوم ہوا کہ دین کے سلسلہ میں زکوٰۃ دائن پر ہوتی ہے نہ کہ مدیون پر، مگر بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مدیون باوجود اقرار کے ٹال مٹول کرتا ہے، اور باوجود قدرت کے اداء قرض میں غیر معمولی تاخیر کرتا ہے اور خود اس دین سے تجارت کر کے منافع حاصل کرتا ہے، تو اب

Marfat.com

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت مین مماطل دین کی زکوۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ــــــ اس صورت میں دائن پر زکوۃ عائد کرنا بظاہر خلاف عدل معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک اس صورت میں دائن پر زکوۃ کا مسئلہ ہے تو احقر کا خیال ہے کہ اس پر زکوۃ نہ ہونا چاہئے بشرطیکہ وہ دین کے وصول کرنے میں عاجز وغیر قادر ہو، اور اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے کہ والی وحاکم اگر کسی کے دین کا اقرار تو کرتا ہو، مگر دیتا نہ ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس میں زکوۃ نہیں، اسی طرح اگر قرضدار بھاگ گیا اور دائن طلب کرنے سے عاجز ہو تو زکوۃ نہ ہونا امام محمدؒ سے منقول ہے:

"وفی المحیط عن المنتقی عن محمد: لو کان له دین علی وال وهو مقر به إلا أنه لا یعطیه وقد طالبه بباب الخلیفة فلم یعطه، فلا زکوة فیه، ولو هرب غریمه وهو یقدر علی طلبه أو التوکیل بذلک فعلیه الزکوة، وإن لم یقدر علی ذلک فلا زکوة علیه" (رد المحتار ۲/۲۶۶)۔

رہا مدیون پر زکوۃ کے عائد کرنے کا مسئلہ تو یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا جس کی وجہ ظاہر ہے، وہ یہ کہ اس کا وہ مالک نہیں، نیز اس کے ذمہ تو کل رقم دین کو واپس لوٹانا واجب ہے، اس کے لئے بعض حصہ کا صدقہ (زکوۃ میں) دینا کیا مفید ہوسکتا ہے؟ جیسے کوئی غصب کرلے تو اس مال مغصوب میں زکوۃ کو واجب قرار دینا کیا مفید ہوسکتا ہے، جبکہ اس کے اوپر تو کل مال مغصوب کا مغصوب منہ کو اور وہ نہ ہو تو فقراء کو دینا واجب ہے، چنانچہ اسی دلیل سے اموال غیر طیبہ پر زکوۃ نہ ہونے کو فقہاء نے لکھا ہے۔ شامیؒ نے لکھا ہے:

"فی القنیة: لو کان الخبیث نصاباً لایلزمه الزکاة لأن الکل واجب التصدق علیه فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه" (شامی ۲/۲۹۱)۔

غرض یہ کہ مدیون کو دین واپس کرنے کا ذمہ دار قرار دینا چاہئے نہ کہ دین کی زکوۃ کا

Marfat.com

(البتہ مماطل پر زکوٰۃ کا وجوب بعض ائمہ سے چونکہ منقول ہے، اس لئے اگر کوئی مصلحت اس کی داعی ہو تو اس قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، جیسے امام نخعیؒ وعطاؒ فی روایۃ عنہما) (کمافی فقہ الزکاۃ للقرضاوی ۱؍۱۸۲)۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

سرکاری یا غیر سرکاری محکموں اور کمپنیوں میں جو لوگ ملازمت کرتے ہیں، ان کی ماہانہ تنخواہ سے ایک حصہ کاٹ کر ان کے محفوظ کھاتہ میں جمع کردیا جاتا ہے، اور کچھ فیصد سرکار یا کمپنی اپنے ملازم کے مستقبل کے پیش نظر اپنی طرف سے اضافہ کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت وہ پوری رقم ملازم کو دے دی جاتی ہے، بعض اوقات اس پر سرکار یا کمپنی ایک اضافی رقم بنام انٹرسٹ بھی دیتی ہے، اس کو پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اور یہ کہ کب واجب ہوگی؟ اس مسئلہ کے حل کے لئے سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ سرکار یا کمپنی جس حصہ کو تنخواہ سے کاٹ کر کھاتہ میں جمع کرتی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

اس فنڈ میں دو قسم کی رقم ہوتی ہے، ایک وہ جو تنخواہِ ملازم کا حصہ ہے، دوسرے اس پر زائد وہ رقم جو کمپنی یا سرکار اپنی طرف سے دیتی ہے جو محض ایک انعام ہے، جہاں تک اس زائد رقم کا سوال ہے تو یہ جب تک کمپنی یا ادارہ ملازم کو نہیں دے دیتا وہ نہ اس کی ملکیت میں داخل ہوگا اور نہ اس پر اس کا استحقاق ہوگا، یہ ایک تبرع اور احسان ہے کمپنی یا سرکار کی طرف سے، چاہے وہ دے یا نہ دے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ کے عائد کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب رہی وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ کا جز وحصہ ہے، یہ اگرچہ ابھی ملکیت میں داخل نہیں ہے لیکن ملازم کا اس پر استحقاق ہے اور حصہ تنخواہ کمپنی یا سرکار پر واجب الاداء ہے اور دین ہے۔

دین کے متعلق امام محمدؒ وامام ابویوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ دین کسی قسم کا ہو اس کی زکوٰۃ

Marfat.com

واجب ہے، اور گزشتہ ایام کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ضروری ہے، اور دین کی رقم تھوڑی یا زیادہ جتنی بھی وصول ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرے، البتہ دین سعایہ و دین کتابت اور دین دیت اس سے مستثنیٰ ہیں (البحر الرائق ۲/ ۲۰۸)۔

ان حضرات کے مطابق پراویڈنٹ فنڈ کی اس رقم پر جو جزء تنخواہ ہے اور کمپنی کے ذمہ ہے زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اور جب بھی اس کا کوئی حصہ یا کل رقم مل جائے گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں:

۱- دین قوی: دین قوی کہتے ہیں قرض کے بدل کو جو قرضدار کے ذمہ ہے، اور مال تجارت کی اس قیمت کو جو خریدار کے ذمہ ہے، اس دین پر ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اور اگر مثلاً دس سال کے بعد یہ رقم وصول ہو تو ان تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ ادا کرنے میں اتنی گنجائش ہے کو فوراً ادا نہ کرے، بلکہ جب اس میں سے چالیس درہم یا اس کے برابر روپیہ وصول ہو تو ادا کر دے (البحر الرائق ۲/ ۲۰۷، بدائع الصنائع ۲/ ۱۰، مبسوط السرخسی ۲/ ۱۹۵)۔

۲- دین متوسط: دین متوسط کسی ایسے سامان کی قیمت ہے جو تجارت کے لئے نہیں تھا، اور یہ قیمت خریدار کے ذمہ ہو، جیسے رہنے کا گھر یا اپنے کپڑے وغیرہ فروخت کیا اور ابھی اس کی قیمت وصول نہیں ہوئی، اس دین کے وصول ہونے اور ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ کا واجب ہونا معلوم و مقرر ہے، البتہ مدیون کے قبضہ میں جتنے سال رہا، ان کی زکوٰۃ کے واجب ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

صاحب ''البحر الرائق'' نے ایام گزشتہ کی زکوٰۃ واجب ہونا نقل کر کے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، مگر یہ بھی بتایا ہے کہ ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا، جبکہ نصاب (دوسو درہم) پر قبضہ ہو جائے ''وفی المتوسط لاتجب مالم یقبض نصاباً ویعتبر لما مضی من الحول فی صحیح الروایة'' (البحر الرائق ۲/ ۲۰۷)۔

مگر جیسا کہ شامیؒ نے منحۃ الخالق میں تنبیہ کی ہے، یہ روایت اصح کے خلاف ہے:

Marfat.com

"وهي إحدى الروايتين عن الإمام وهي خلاف الأصح" (منحۃ الخالق مع البحر الرائق ۲/۲۰۷)۔

اس سلسلہ میں اصح یہ ہے کہ گزشتہ ایام کی زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ جب دوسو درہم وصول ہوں اوران پر ایک سال گزرے تو ان دوسو درہموں کی زکوٰۃ واجب ہوگی (بدائع الصنائع ۲/۱۰)۔

۳- دین ضعیف: وہ ہے جو مال کے بدلہ میں کسی کے ذمہ نہ ہو، بلکہ غیر مال کے بدلہ کسی کے ذمہ آیا ہو، جیسے مہر وغیرہ، اس میں گزشتہ ایام کی زکوٰۃ واجب نہیں (بحر وغیرہ)۔

اب غور کرنا چاہیے کہ امام صاحبؒ کے مسلک پر پراویڈنٹ فنڈ کی وہ رقم جو تنخواہ کا حصہ وجزو ہے وہ ان تین قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے؟ دین قوی میں تو داخل نہیں، کیونکہ یہ رقم نہ بدل قرض ہے اور نہ سامان تجارت کا بدل ہے، بلکہ یہ ملازم کی خدمت کا بدل ومعاوضہ ہے۔

اب یہ حل کرنے کے لئے کہ یہ دین وسط میں داخل ہے یا دین ضعیف میں، یہ معلوم کرنا ہوگا کہ یہ دین (پراویڈنٹ فنڈ) جس چیز کا بدلہ اور معاوضہ ہے وہ مال ہے یا نہیں، اگر وہ مال ہے تو یہ دین وسط میں اور اگر مال نہیں تو دین ضعیف میں داخل ہوگا، اور راو پر عرض کر آیا ہوں کہ پرواویڈنٹ فنڈ کی یہ رقم خدمت کا معاوضہ ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ ملازم کی خدمت کیا مال ہے یا مال نہیں ہے؟

فقہاء کے کلام میں غلام کی خدمت پر بحث کی گئی ہے اوراس میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ غلام (جب کہ تجارت کے لئے ہو، اگر تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت مال نہیں ہے "بحر وغیرہ" خدمت چونکہ ایک منفعت ہے، وہ مال نہیں ہے، لہٰذا ایسا دین، دین ضعیف ہے، اور ایام گزشتہ کی زکوٰۃ اس میں واجب نہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ خدمت غلام، مال ہے، لہذا یہ دین، دین متوسط ہوگا، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

چنانچہ شامی نے "منحۃ الخالق" میں "محیط" کے حوالہ سے مفصل عبارت نقل کی ہے،

Marfat.com

(دیکھئے: منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲/ ۲۰۸)۔

اس خدمت کے سلسلہ میں ایک تیسری روایت بھی ہے جو ''البحر الرائق'' میں ہے، اور شامی نے اس پر ولوالجیہ کا حوالہ بھی دیا ہے، وہ یہ کہ تجارت کے غلام کی خدمت دین قوی میں داخل ہے، اس لئے کہ مال تجارت کی اجرت بھی مال تجارت کی قیمت کی طرح ہے، صاحب ''بحر'' نے اس کو صحیح روایت قرار دیا ہے، اور علامہ سرخسیؒ نے ''مبسوط'' میں اس کو اصح قرار دیا ہے (مبسوط السرخسی ۲/ ۱۹۵)۔

مگر فقہاء کا یہ کلام جیسا کہ ظاہر ہے، ایک تو غلام کی خدمت کے بارے میں ہے، دوسرے اس غلام کی خدمت کے بارے میں جو تجارت کے لئے ہو، اگر غلام تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت کا معاوضہ دین ضعیف میں داخل ہے۔

ہم جس سلسلہ میں بحث کر رہے ہیں وہ آزاد انسان کی خدمت کا مسئلہ ہے، تو یہ کسی طور پر بھی دین قوی میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس میں تو صرف وہ صورت داخل ہے کہ غلام تجارت کا ہو، اور اس کی خدمت کا معاوضہ ذمہ میں ہو، جب تجارت کے لئے ہونا غلام میں بھی، دین قوی بننے کے لئے شرط ہے تو آزاد انسان کا مسئلہ تو بہر صورت اس سے مختلف ہے۔

اسی طرح دین وسط میں بھی اس کو داخل کرنا مشکل ہے، کیونکہ آزاد انسان کی خدمت کو مال قرار دینا مشکل ہے، غلام کی خدمت کو بھی جب ایک روایت پر مال قرار نہیں دیا گیا ہے، تو آزاد انسان کی خدمت کو مال قرار دینا بعید ہے، اس لئے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دین ضعیف میں داخل ہے، لہٰذا ایام ماضیہ کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی، بلکہ وصولی کے بعد جب ایک سال گزر جائے تو اس سال کی زکوٰۃ دینا ہوگا۔

اور اگر بالفرض اس کو دین وسط میں داخل مان لیں تب بھی، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، دین وسط بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے، اور ایام ماضیہ کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہے، یہی اصح روایت ہے۔

Marfat.com

لہٰذا امام صاحب کے مسلک پر اس پر ایام گزشتہ کی زکوٰۃ نہ ہوگی، بلکہ وصولی کے بعد ایک سال گزرنے پر دینا ہوگا، حکیم الامت تھانویؒ کی آخری تحقیق یہی ہے، اور مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کی بھی یہی تحقیق ہے، (دیکھئے: امداد المفتیین ر ۲۷۴)۔

(۲) نما یعنی نامی ہونا

اموال میں وجوب زکوٰۃ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مال نامی ہو، اگر مال نامی نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

نامی: نما سے ہے اور نما لغت میں افزائش اور زیادتی کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "نما المال ينمى نماء وينمو نموا أنماء الله" (مغرب)۔

شریعت میں نما کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی نما، دوسرے تقدیری نماء، حقیقی افزائش اور زیادتی توالد وتناسل سے (جیسے جانوروں میں) یا تجارت سے ہوتا ہے اور تقدیری افزائش کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں زیادتی اور افزائش پر صاحب مال کو قدرت حاصل ہو، اس طرح کہ مال اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو (البحر الرائق ۲/۲۰۶)۔

غرض یہ کہ زکوٰۃ انہی اموال پر لازم ہے جو اپنے اندر افزائش کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور یہ افزائش دو طرح پر ہے:

۱- نما حقیقی، جیسے جانور اور مال کی تجارت کہ حقیقت میں ان میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲- نما تقدیری، کہ حقیقت میں تو اضافہ نہیں ہے، لیکن مالک چاہے تو اس کو بڑھا سکتا ہے۔

نما تقدیری کی قسمیں

پھر نما تقدیری کی دو قسمیں ہیں: ایک خِلقی، دوسرے فعلی، خلقی جیسے سونا اور چاندی جو کہ

Marfat.com

بالذات حوائج اصلیہ کے دفع کرنے میں انتفاع کی قابلیت رکھتے ہیں، اس میں تجارت کی نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ سونا اور چاندی اصل خلقت سے ہی تجارت کے لئے متعین ہیں، تو اب نیت جو کہ تعیین کے واسطے ہوتی ہے اس کی کیا ضرورت، لہٰذا ان پر ہر حال میں زکوٰۃ ہوگی۔

فعلی ان دونوں کے علاوہ سب چیزیں ہیں جو اگر تجارت کی نیت سے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں (اگر وہ عروض ہو) اگر مویشی ہیں تو ان میں سائمہ ہونا شرط ہے (البحر الرائق ۲/۲۰۹)۔

(۳) حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط حاجات اصلیہ سے فارغ ہونا ہے، اگر کسی کے پاس مال تو ہے، مگر اپنی حقیقی واصلی حاجات وضروریات کے لئے ہے تو اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جو انسانی حوائج وضروریات سے فارغ وباقی ہو۔

حاجت اصلیہ کی تعریف

حاجت اصلیہ وضرورت حقیقی کی تعریف فقہاء نے یوں کی ہے:

"ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقاً أو تقديراً" (درمختار مع رد المحتار ۲/۲۰۶)۔

یعنی حاجت اصلیہ وہ ہے جس سے انسان ہلاکت کو تحقیقی یا تقدیری طور پر دور کر سکے، اور حقیقۃً ہلاکت کو دور کرنے والی چیزوں میں کھانا، پانی، سکونت کے لئے گھر اور جنگی آلات، اور کپڑے جو سردی یا گرمی کے دفع کرنے کے لئے ضروری ہوں، وغیرہ کو فقہاء نے ذکر کیا ہے، اور تقدیری طور ہلاکت کے دفع کرنے والی اشیاء میں قرض کو بطور مثال پیش کیا ہے، کیونکہ انسان قرض کو ادا کرنے کا محتاج ہے تاکہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں جو حبس وقید ہلاکت کے مانند

Marfat.com

ہے، اس سے اپنے کو بچاسکے، اسی طرح اس کی مثال میں فقہاء نے آلات صنعت وحرفت، گھریلو ضروریات کا سامان، سواری کا جانور اور علمی کتب کو ذکر فرمایا ہے (درمختار مع ردالمحتار ۲/ ۲۶۲، البحر الرائق ۲/ ۲۰۶)۔

خلاصہ یہ کہ جو چیزیں انسان کے لئے ایسی ضروری ہوں کہ ان کے بغیر حقیقۃً یا تقدیراً ہلاکت واقع ہو جاتی ہے، ان کو حاجات اصلیہ کہا جائے گا، اور جو چیزیں ایسی نہ ہوں وہ حاجات اصلیہ میں داخل نہ ہوں گی۔

حاجات اصلیہ پر زمانہ کا اثر

رہا یہ سوال کہ حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں کیا اس کے اعتبار سے ہوگا؟ تو اس کا جواب میرے خیال کے مطابق یہ ہے کہ ہاں، حاجات اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول کے لحاظ سے الگ الگ ہوگا، کیونکہ ہر زمانہ کی ضرورت الگ اور اس کا معیار بھی مختلف ہوتا ہے، ایک زمانہ میں روشنی کے لئے معمولی چراغ ضروری تھا، اور ضرورت کو پورا کر دیا تھا، مگر آج بجلی کے بلب کے بغیر ضرورت پوری نہیں ہوتی، لہٰذا اس زمانہ میں بھی ضرورت کو چراغ تک محدود قرار دے کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بجلی حاجت اصلیہ میں داخل نہیں، اسی طرح کسی زمانہ میں ہاتھ کے پنکھے، گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے، مگر اب بجلی کے پنکھوں کو ضروری سمجھا جارہا ہے، لہٰذا یہ داخل ضرورت قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ علماء کا اختلاف خود بتا رہا ہے کہ زمانہ یا ماحول کی وجہ سے یا اشخاص کے لحاظ سے حوائج اصلیہ میں تغیر وتبدل ہو سکتا ہے، یہ کوئی ایسی قطعی چیز نہیں کہ ہر حال میں وہ متعین ہو، یہی رائے علامہ یوسف القرضاوی کی بھی ہے (فقہ الزکاۃ ۱/ ۲۰۶)۔

مگر اس کا خیال رہے کہ زمانہ، ماحول اور حالات کی تبدیلی سے حوائج اصلیہ میں

28/6

Marfat.com

ردوبدل، اوران حوائج کا تعین اجتہادی کام ہے، لہٰذا یہ کام صرف اہل اجتہاد و بصیرت لوگوں کو کرنا چاہیے، ورنہ ہر کس و ناکس کو اس کا اختیار دے دیا جائے تو ہر نفس پرست اس میں دخل اندازی کرے گا اور ہر چیز کو ضرورت میں شمار کرنے کی کوشش کرے گا۔

(۴) دین سے محفوظ ہونا

شرائط وجوب الزکاۃ میں سے ایک یہ ہے کہ مال زکوٰۃ دین سے محفوظ ہو، اسی کو فقہاء نے دین سے فارغ ہونا کہا ہے، مگر اس جگہ دین سے مراد وہ دین ہے جس کا بندوں کی جانب سے تقاضا ہوتا ہے خواہ وہ بندوں کا دین ہو یا خدا کا (درمختار مع ردالمحتار ۲ر۲۶۰، البحرالرائق ۲ر۲۰۴)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال ہے مگر اس کے ذمہ ایسا دین ہے جس کا بندوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے، یا ہوسکتا ہے تو ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور یہ دین بندوں کا ہو تب بھی زکوٰۃ نہیں اور اگر خدا کا ہو جیسے زکوٰۃ و خراج جس کا مطالبہ سلطان کی طرف سے ہوتا ہے، تب بھی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

اور جس دین کا مطالبہ بندوں میں سے کسی کی طرف سے نہیں ہوسکتا، جیسے نذر، تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، بلکہ ایسے دین کے ذمہ میں ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، دین معجّل ہو یا مؤجل ہر دو صورت میں جمہور کے نزدیک مانع زکوٰۃ ہے، جبکہ اس کا بندوں کی طرف سے کوئی تقاضہ کرنے والا ہو۔

کیا طویل الاجل قرض مانع زکوٰۃ ہے؟

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل سرکار مختلف اسکیموں کے تحت، طویل الاجل قرض فراہم کرتی ہے، اور ان کی مدت ۳۰، ۴۰ سال تک بھی ہوتی ہے اور قرض کی مقدار بھی بڑی ہوتی ہے، مثلاً پانچ لاکھ، دس لاکھ، بیس لاکھ وغیرہ، تو کیا اس قرض کے ہونے سے بھی زکوٰۃ

Marfat.com

ساقط ہو جاتی ہے؟ نیز قسط وار ادائیگی کی صورت میں، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، پورا قرض منہا کیا جائے گا یا سالانہ واجب الاداء قسط کو وضع کر کے باقی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ دین مؤجل ومؤخر مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مگر اکثر علماء دونوں میں فرق نہیں کرتے، تاہم ایک جماعت علماء کی اس طرف گئی ہے کہ دین مؤخر مانع زکوٰۃ نہیں، اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ ہر مؤجل مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر مؤجل مانع نہیں، کیونکہ فی الفور اس کا مطالبہ نہیں ہے (البحرالرائق ۲/۲۰۴)۔

لہٰذا جمہور کی رائے کے مطابق طویل الاجل قرض بھی مانع ہوگا، مگر چونکہ اس سے زکوٰۃ کا نظام ٹھپ ہو جانے کا اندیشہ ہے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ دوسرے علماء کے قول کے مطابق مؤخر مطالبات مانع نہ قرار دیا جائے، اور سالانہ واجب الاداء قسط کو وضع کر کے باقی پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا جائے۔

کمپنی کے اثاثہ پر زکوٰۃ

کمپنی جس کے متعدد حصہ دار اور شرکاء ہوتے ہیں، اور مجموعی اثاثہ اور مالیت کروڑوں روپے کو پہنچتا ہے، مگر اس کے حصہ داروں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ اگر ان میں اس اثاثہ اور مالیت کو تقسیم کیا جائے تو کوئی بھی صاحب نصاب نہیں رہتا، یا کچھ لوگ صاحب نصاب نہیں ہوتے، ایسی کمپنی کے بارے میں یہ سوال ہے کہ وجوب زکوٰۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار ہوگا یا ہر فرد کے حصہ کا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حصہ داروں میں سے کوئی بھی تقسیم کے بعد صاحب نصاب نہیں رہتا تو اس مشترک کمپنی کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے، ''درمختار'' میں ہے:

''ولا تجب الزکوۃ عندنا فی نصاب مشترک، قال الشامی: المراد

أن يكون بلوغه النصاب بسبب الاشتراک وضم أحد المالين إلى الآخر بحيث لا يبلغ مال كل منهما بانفراده نصاباً" (درمختار ورد المحتار ۲/ ۳۰۴)۔

اگر حصہ داروں کا مال نصاب کو پہنچتا ہو تو مجموعی مالیت پر زکوۃ دی جائے گی، اور ہر حصہ دار اپنے اپنے حصہ کے مطابق ایک دوسرے سے رجوع کرلیں گے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۳۰۴)۔

ہیرے اور جواہرات پر زکوۃ

بعض لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کے بجائے ہیرے جواہرات کی صورت میں اپنے سرمایہ کو محفوظ کرتے ہیں جو تجارت کی نیت سے نہیں ہوتے، اس پر زکوۃ کا کیا حکم ہے، اسی طرح عورتیں زینت کی خاطر جواہرات استعمال کرتی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جہاں تک عورتوں کے جواہرات کا سوال ہے تو ان پر زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ زیب وزینت کے لئے ہوتے ہیں، لیکن جو جواہرات اور ہیرے محض اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے اور ٹیکس سے بچنے کے لئے رکھے جاتے ہیں، احقر کے خیال میں ان پر زکوۃ ہونا چاہیے، ورنہ زکوۃ سے فرار کے لئے یہ کھلا راستہ لوگوں کو مل جائے گا کہ ہیرے اور جواہرات خرید کر رکھ لئے جائیں، یہ اگرچہ مال تجارت نہیں، مگر مال تجارت کے حکم میں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ رکھنے والا عام طور پر اس سے اپنی تجارت میں بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔

علامہ یوسف القرضاویؒ نے لکھا ہے:

"مناسب ہے کہ یہی حکم موتیوں، یاقوت، الماس اور تمام نفیس پتھروں اور قیمتی جواہر کا ہو کہ ان میں جو بطور زینت یا زیور استعمال کئے جائیں، اور جو حد اسراف میں داخل نہ ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہوگی، اور جو کھلم کھلا عادت کے طور پر استعمال ہونے والی مقدار سے زائد ہوں تو وہ

Marfat.com

اسراف اور حرام ہے، اور اس کو زکوٰۃ سے چھوٹ دینا درست نہ ہوگا، اسی طرح جو کنز کے طور پر رکھے گئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی، اس لئے کہ یہ صورت مال پر عائد ہونے والے حق معلوم سے بچنے کی ایک صورت بن جائے گی" (فقہ الزکوٰۃ ۱/۴۱۱)۔

یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ہیرے اور جواہرات بطور کنز ہی جمع کئے گئے ہیں، لہٰذا ان پر زکوٰۃ واجب ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ کس نرخ پر ہوگی؟

۱- سامان تجارت کی زکوٰۃ کس نرخ کے حساب سے ہوگی؟ لاگت کے حساب سے یا ادائیگی زکوٰۃ کے دن کی قوت خرید کے لحاظ سے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سامان تجارت کی مالیت کا تعین لاگت کے حساب سے نہ ہوگا، بلکہ موجودہ بازاری نرخ کے لحاظ سے ہوگا، پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے دن کے نرخ کا اعتبار کیا جائے گا یا وجوب کے دن کا لحاظ ہوگا؟، اصح یہ ہے کہ ادائیگی کے دن بازار کا جو نرخ ہو اس کے لحاظ سے مالیت کا تعین کر کے اسی کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائے گی، "درمختار" میں ہے:

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً وهو الأصح" (درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۸۶، فتاوی ہندیہ ۱/۱۶۸)۔

۲- اس سلسلہ میں ایک سوال یہ ہے کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا یا پھٹکر فروختگی کا لحاظ کیا جائے گا؟

اس سلسلہ میں کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری، البتہ علامہ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے: "میرے خیال میں بھاؤ سے مراد تھوک کا بھاؤ سے اشیاء کی فروخت نسبتاً زیادہ سہل ہوتی

Marfat.com

ہے'' (فقہ الزکاۃ ۱/۳۴۸)، احقر کے خیال میں تھوک فروش بیوپاری اپنی اشیاء تجارت کی مالیت تھوک بھاؤ سے لگائے گا، اور جو پھٹکر فروخت کرتا ہو وہ پھٹکر فروختگی کا اعتبار کرے۔

۳- اراضی کی خرید وفروخت کرنے والے اپنی ملکیت میں جو زمین برائے تجارت رکھتے ہیں ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، اور ان کی زکوٰۃ کس نرخ کے اعتبار سے نکالی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہے، اور جیسا کہ گزرا وجوب زکوٰۃ یا ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مگر چونکہ زمین جب تک فروخت نہ ہو جائے اس کی قیمت قطعی طور پر متعین نہیں ہوسکتی، بلکہ کمی وبیشی کا احتمال رہتا ہے، اس لئے فروختگی تک انتظار کر لینا مناسب ہوگا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

''سامان کی فروختگی تک اداء زکوٰۃ کے انتظار میں کوئی حرج نہیں'' (فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۴۸، الاموال/۴۲۶)۔

علامہ قرضاوی نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ انتظار سے مقصود یہ ہے کہ جن قیمتوں پر سامان فروخت ہو ان کا حقیقی تعین ہو جائے۔

کمپنی کے شیئرز پر زکوٰۃ

تجارتی کمپنیاں جو اپنے شیئرز فروخت کرتی ہیں ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہوگی، کیونکہ یہ شیئرز دراصل شیئر ہولڈر کی ملکیت میں داخل ہیں، جس کو وہ برائے تجارت کمپنی میں لگایا ہوا ہے، لہٰذا اس پر ضرور زکوٰۃ لازم ہے۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمپنی کے شیئرز کمپنی کی ساکھ اور نفع ونقصان کے پیش نظر باعتبار قیمت گھٹتے اور بڑھتے ہیں، مثلاً ایک شیئر اور حصہ کمپنی کی شروعات کے موقع پر پانچ ہزار کا تھا، مگر کمپنی کی ترقی اور زیادتی منافع کی وجہ سے وہی حصہ دس ہزار کو فروخت ہوتا ہے، تو اب

Marfat.com

زکوٰۃ اصل رقم کے اعتبار سے ہوگی یا بازار کے موجودہ نرخ کے مطابق ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آج کل یہ حصص، مال تجارت کے قائم مقام ہیں، اوران کا مالک ان کی خرید وفروخت کرتا اور مال بڑھاتا ہے، لہٰذا سامان تجارت کی طرح ان حصص کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو بازار میں رائج ہے، یہی علامہ یوسف القرضاوی نے اختیار کیا ہے (فقہ الزکوٰۃ ۶۶۹/۱)۔

نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حصص کی کمی وبیشی کے ساتھ بیع کی جو توجیہ وتاویل (امداد الفتاوی جلد دوم میں) کی ہے کہ اگر کسی کمپنی میں سو کا حصہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سو میں سے کچھ کا تو سامان ہے اور کچھ نقدی ہے، اور بیع میں کمی وبیشی خلاف جنس کی طرف پھیرنے سے جائز ہے تو یوں کہا جائے گا کہ سو میں سے، مثلاً تیس کا سامان ہے اور نقدی ستر ہے، اور بیع اس کی دوسو سے ہو تو ان میں سے ستر تو ستر کے بدلہ میں ہیں، اور باقی ایک سو تیس سامان کے بدلہ میں ہے، اس تاویل کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ زکوٰۃ موجودہ نرخ پر دینی چاہیے۔

کیونکہ جب اس تاویل سے یہ کمی وبیشی جائز قرار پاتی ہے تو جب بازار میں کمپنی کے حصہ کی قیمت پانچ سے بڑھ کر دس ہوگئی، تو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، زکوٰۃ بازار کے موجودہ نرخ کے مطابق نکالی جائے گی۔

بونڈز پر زکوٰۃ کا حکم

بونڈ جو کہ سند قرض ہے، اس پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ قرض ہے جو کہ دین قوی کہلاتا ہے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آئی ہے، اس لئے اس پر گزشتہ ایام کی زکوٰۃ بھی واجب ہے، البتہ ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب وصول ہوجائے، اور بونڈ کو کیش کرالیا جائے۔

Marfat.com

محور ثانی - نصاب زکوٰۃ

چاندی اور سونے میں کون سا نصاب اصل ہے؟

موجودہ دور میں جبکہ سونے اور چاندی کے نرخ میں بے حد تفاوت پایا جاتا ہے تو حرمت زکوٰۃ وایجاب زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب سے مقرر کیا جانا چاہیے یا سونے کے نصاب سے؟

علامہ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ اکثر معاصرین علماء کی رائے یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دے کر اسی سے نصاب کا تعین کیا جائے، علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے، اور مشہور وصحیح حدیث سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ چاندی کا نصاب فقراء کے حق میں زیادہ مفید ہے۔

اس کے برخلاف بعض دیگر علماء جیسے شیخ ابوزہرہؒ، شیخ خلافؒ اور شیخ حسنؒ نے سونے کے نصاب کو اصل قرار دینے کی تجویز کی ہے، علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اموال زکوٰۃ کو اگر موازنہ کر کے دیکھا جائے کہ پانچ اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، چالیس بکریوں پر زکوٰۃ ہے، پانچ وسق کھجور یا کشمش پر زکوٰۃ ہے، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عہد میں زکوٰۃ کے تمام نصابوں سے قریب سونا ہے چاندی نہیں۔

اس لئے مناسب یہی ہے کہ نصاب زکوٰۃ کے لئے سونے کو اصل قرار دیا جائے، اس میں اگرچہ پہلے قول کے برعکس فقراء اور مستحقین کے حق میں نسبتاً فائدہ کم ہے، مگر امت مسلمہ کے عام افراد جن کے ذمہ زکوٰۃ ہے، ان کے حق میں سہولت ہے، اس کے علاوہ موجودہ دور میں چاندی کے نصاب کے اعتبار سے بہت ہی کم مقدار مال پر زکوٰۃ عائد ہوگی، جو اسلامی عدل وانصاف کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

محور ثالث-مصارف زکوٰۃ

مدزکوٰۃ سے فیس کی وصولی

مستحق زکوٰۃ طالب علم پر بسلسلۂ قیام وطعام وتعلیم پر جوخرچ آتا ہے، مدرسہ کی مدزکوٰۃ سے اہل مدرسہ کیا اس کوادا کرسکتے ہیں، یا اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دے کر بعد کیش کرنے کے اس سے وصول کرکے مدرسہ میں جمع کرسکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری (چیک والی) صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، یہ تملیک کی معقول صورت ہے، اور بلاشبہ جائز ہے، البتہ پہلی صورت میں احتیاطاً یہ ہونا چاہیے کہ پہلے طالب علم، اہل مدرسہ کو اس بات کا وکیل بنادے، جب اہل مدرسہ طالب علم کی وکیل کی حیثیت سے مدزکوٰۃ سے مقررہ رقم فیس میں ادا کردیں گے، تو جائز ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مہتمم مدرسہ کیا طلبہ کا وکیل ہے یا نہیں، نیز زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے یا نہیں؟

مہتمم واہل مدرسہ وکیل فقراء ہیں، لہٰذا جب وہ وکیل ہوئے تو طلبہ کی طرف سے ان کی ضروریات میں مدزکوٰۃ سے خرچ کرنا ان کے لئے جائز ہے، پھر بھی اگر توکیل ہوجائے تو احتیاط کا تقاضا ہے۔

یہی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے ہے، اور حضرت تھانویؒ نے بھی آخر میں اسی کی طرف رجوع فرمالیا تھا، نیز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار فرما کر اس کے خلاف سے رجوع کرلیا تھا (امداد المفتین / ۱۰۸۵، ۱۰۸۶)۔

مدارس کے سفراء کی حیثیت

عام طور پر مدارس میں وصولی چندہ کے لئے سفراء رکھے جاتے ہیں اور ان کو ان کا حق الخدمت دیا جاتا ہے، ان کے متعلق سوال یہ ہے کہ کیا ''العاملین علیھا'' میں داخل ہو کر مستحق

Marfat.com

زکوٰۃ ہیں، اور کیا ان کو زکوٰۃ کی رقم سے معاوضہ دینا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہاں یہ عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہیں، اور چونکہ عاملین صدقہ کی حیثیت وکیل فقراء ہونے کی ہے، اس لئے ان کو زکوٰۃ کی مد میں سے ان کا حق خدمت دینا جائز ہے، جیسے کوئی فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے، اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے مال سے ادا کردے تو جائز ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تفسیر معارف القرآن میں اگر چہ یہ لکھا ہے کہ مدارس کے سفراء عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں، اور ان کو زکوٰۃ کی مد سے معاوضہ دینا جائز نہیں (معارف القرآن ۴/۳۹۹) مگر "امداد المفتین" میں صراحۃً اس سے رجوع فرمالیا ہے، اور سفراء واہل مدرسہ کو صدقہ کے عاملین کے حکم میں داخل فرمایا ہے، اور حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت سہارنپوریؒ سب کا یہی مسلک ظاہر کیا ہے (امداد المفتین /۱۰۸۵)۔

زکوٰۃ کا حساب لکھنے والوں کی تنخواہ زکوٰۃ سے

رہا یہ سوال کہ حساب آمد وخرچ کے اندراج پر جو عملہ مقرر ہے اس کی تنخواہ مد زکوٰۃ سے ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حسابات لکھنے پر مد زکوٰۃ سے اس کی تنخواہ دینا جائز ہوگا، کیونکہ یہ ان مستحق طلبہ ہی کا کام ہے، لہٰذا ان کے مال (مد زکوٰۃ) سے ان کے کام کی اجرت دینا درست ہونا چاہئے۔

Marfat.com

زکوۃ - کچھ اہم مسائل

مولانا رفیق المنان قاسمی ☆

شرائط زکوۃ

۱-ملک تام:

"بدائع" میں ہے:

"الزكوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول" (بدائع الصنائع ۹/۲)۔

ملک تام سے مراد یہ ہے کہ ملک رقبہ وملک ید دونوں موجود ہوں، جس مال پر کسی کی ملکیت نہ ہو، اس پر زکوۃ واجب نہیں۔

اس طرح اگر کسی کی ملکیت میں مال نصاب موجود ہو، مگر اس کے قبضہ ودسترس سے اس طرح نکل گیا ہو کہ وہ شخص اس سے انتفاع واستفادہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسے مال میں بھی زکوۃ واجب نہ ہوگی (بدائع الصنائع ۹/۲)۔

ملک ید کی شرط مفقود ہونے ہی کی وجہ سے مال ضمار میں احناف کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۱/۲)۔

☆ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

اسی طرح اصل ملک قائم ہو جانے کے باوجود اگر مال ابھی قبضہ میں نہیں آیا تو اس کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۳۶، ردالمحتار ۲/۵)۔

اسی طرح اگر ایک آدمی کے قبضہ میں مال ہو، مگر اس کا اصل مالک یا مستحق دوسرا ہو تو صاحب ید پر زکوٰۃ واجب نہیں (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۴۱، بنایہ ۳/۳۴۲)۔

مکاتب کے مال کی زکوٰۃ نہ اس پر واجب ہے، نہ اس کے مالک پر، کیونکہ مکاتب میں ملک رقبہ کی اور مالک میں ملک ید کی شرط مفقود ہے، اور اگر مکاتب کے بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جانے کی صورت میں وہ مال مالک کو مل جائے یا بدل کتابت کی ادائیگی کی صورت میں وہ مال مکمل طور پر مکاتب کی ملکیت میں داخل ہو جائے تو بھی سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کسی پر بھی واجب نہ ہوگی (ردالمحتار ۲/۷)۔

بالکل یہی حکم مال مرہون کا بھی ہے، جب تک وہ راہن کے قبضہ سے باہر اور مرتہن کے قبضہ میں داخل ہے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں (ردالمحتار ۲/۷)۔

مال مشتری کی زکوٰۃ قبضہ سے پہلے واجب نہیں ہوتی، لیکن قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں صاحب ''البحرالرائق'' نے ''محیط'' کی عبارت سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن ''خانیہ'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (دیکھئے: بنایہ ۳/۳۶۰)۔

فقہاء احناف نے وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک ید کی شرط لگائی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو مال قبضہ میں نہ ہو اس کی زکوٰۃ بہر حال واجب نہ ہوگی، بلکہ اس سے مراد عام ہے کہ وہ مال فی الواقع اس کے قبضہ میں ہو یا اس کے قبضہ میں نہ ہو، مگر اس پر قبضہ کر کے اس سے استفادہ کرنا اس کی قدرت ودسترس سے باہر نہ ہو، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دین کی زکوٰۃ فی الجملہ

Marfat.com

دائن پر واجب ہوتی ہے حالانکہ وہ فی الواقع اس کے قبضہ میں نہیں ہوتا۔

لیکن وہ مال جو قبضہ ودسترس سے اس طرح باہر ہو گیا ہو کہ اس کی واپسی کی امید منقطع اور اس سے انتفاع کی راہ مسدود ہو گئی ہو اور کوئی ایسی ٹھوس بنیاد موجود نہ ہو جس کے ذریعہ اس مال کے دوبارہ حصول کو یقینی بنایا جاسکے، ایسے مال کی زکوٰۃ واجب نہیں قرار دی جاتی، ایسے مال کو ضمار کہتے ہیں (البنایہ ۳/۳۶۰، بدائع الصنائع ۲/۹)۔

مال ضمار کے سلسلہ میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے، جسے فقہاء کرام نے عموماً نقل کیا ہے۔

”لنا ما روي عن علي رضى الله عنه موقوفاً عليه ومرفوعاً إلى رسول الله ﷺ أنه قال: ”لا زكوة فى مال الضمار“ (البدائع ۲/۹)۔

مال ضمار میں زکوٰۃ کے عدم وجوب کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس مال تک مالک کے ہاتھ کی رسائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ مال اس کے حق میں نا قابل انتفاع ہے اور جب انتفاع پر اسے قدرت حاصل نہیں تو اس مال کی وجہ سے اسے غنی قرار نہیں دیا جاسکتا اور زکوٰۃ ظاہر ہے کہ غنی پر واجب ہوتی ہے، نہ کہ غیر غنی پر (بدائع الصنائع ۲/۹)۔

ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مال نامی کا ہونا ضروری ہے، چاہے نما حقیقۃً ہو یا تقدیراً، اور جس مال میں تصرف پر قدرت نہ ہو اس میں نما کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا (البنایہ ۳/۳۶۲)۔

مال ضمار جب تک قبضہ میں نہ آئے اس کی زکوٰۃ دینا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، لیکن قبضہ میں آنے کے بعد سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں حضرات ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

”فعند زفر والشافعي في الجديد وأحمد في رواية يجب عليه إخراج

Marfat.com

ما مضى عن السنين وقال مالك تجب عليه زكاة حول واحد لأن في الزيادة ضرر عليه" (البنایہ ۳/ ۳۶۲)۔

جو مال صحرا میں دفن کیا گیا اور جائے دفن یاد نہ ہو تو وہ مال ضمار کے تحت آئے گا، مگر گھر میں دفن کردہ مال ضمار نہ ہوگا، اور اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی (بدائع الصنائع ۲/ ۹)۔

ایسا ہی معاملہ دین کا بھی ہے اگر مدیون دین کا منکر ہو اور کوئی ایسا ثبوت موجود نہ ہو جس کی بنیاد پر عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ اس کے حصول کی توقع کی جائے تو اس دین میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس میں دائن پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شرط اول- ملک تام سے متعلق سوالوں کے جوابات

۱- وصولیابی سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن وصولیابی کے بعد احوط یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے۔

۲- کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم اگر حق قبضہ کا بدل ہے تو ظاہر ہے کہ کرایہ دار پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن اگر اس کی حیثیت رہن کی ہے تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (شامی ۲/ ۷)۔

۳- اس پر ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے واجب نہیں۔

۴- ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ صاحب ید اس کا مالک نہیں، بلکہ وہ مال اس کے اصل مالک کو واپس کرنا اور یہ ممکن نہ ہونے کی صورت میں اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے (شامی ۲/ ۲۵، ۲۶)۔

اور حرام مال حلال مال میں مخلوط ہو جانے کی صورت میں اگر مقدار معلوم ہو تو مال حرام

Marfat.com

کے بقدر بطور دین اس کے ذمہ لازم ہوگا اور اتنی رقم مستثنیٰ کرنے کے بعد اگر بقدر نصاب مال موجود ہوتو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، لیکن اگر مال حرام اس کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہو کہ تمیز واستثناء متعذر رہو تو احتیاطاً پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی (ردالمحتار ۲/۲۵)۔

۵- دین کی زکوٰۃ ظاہر ہے کہ دائن پر واجب ہوگی، کیونکہ وہ مال اگر چہ اس کے قبضہ میں نہیں مگر اسے وصول کرنا اور اس سے استفادہ کرنا دشوار نہیں، ہاں اگر اس کی وصولیابی کی امید باقی نہ رہی ہوتو وہ مال ضمار کے ذیل میں آئے گا اور اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مدیون پر دین کی زکوٰۃ بہر حال واجب نہ ہوگی، اگر وہ ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو اور دائن کو وصولیابی کی کوئی امید نہ ہو اور اس کا حصول اس کی استطاعت سے باہر ہو تو اس دین کو مال ضمار کے درجہ میں رکھ کر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم دیا جاسکتا ہے (ردالمحتار ۲/۹)۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں، اس کے متعلق ایک بات یہ کہی جاسکتی اور کہی جاتی ہے کہ قبضہ میں آنے سے پہلے اس پر ملازم کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، یعنی اس کی تنخواہ میں سے فنڈ کے لئے جو رقم وضع کر لی گئی وہ اس کی ملکیت میں داخل ہی نہیں اور ملازمت ختم ہونے پر جو رقم اسے ملتی ہے وہ حسب وعدہ و دستور ملنے والا سرکاری عطیہ ہے، اسی وجہ سے انٹرسٹ کے نام سے ملنے والی رقم کے جواز کے بھی فتوے دیے گئے ہیں، اس صورت میں قبضہ میں آنے سے پہلے مذکورہ فنڈ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی ظاہر ہے کہ کوئی وجہ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فنڈ کی رقم کو ملازم کی ملکیت قرار دی جائے اور سرکاری خزانہ پر اسے دین واجب الاداء تصور کیا جائے، اس تقدیر پر بھی میرے خیال میں مال ضمار کی مشابہت کی وجہ سے اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ اگر چہ اس کا حصول متوقع بلکہ یقینی ہوتا ہے، لیکن ایک طویل مقررہ مدت تک وہ مالک کے حق میں غیر مقدور الانتفاع ہوتا ہے، مدت مقررہ سے پہلے نہ وہ اس رقم کو حاصل کرسکتا ہے، نہ ہی اس میں اس کو تصرف پر قدرت ہوتی ہے، اس

Marfat.com

وجہ سے نما کی شرط اس میں تحقیقاً پائی جاتی ہے نہ کہ تقدیراً، اس لئے مال ضمار میں عدم وجوب زکوٰۃ کی جو وجہ ہے وہ میری ناقص رائے میں یہاں پائی جاتی ہے (بدائع الصنائع ۲/۹، بنایہ ۳/ ۳۶۴)۔

دوسری شرط- نما

نما کے معنی زیادتی وافزائش کے ہیں، وجوب زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے، لیکن اس میں حقیقت نما کا اعتبار نہیں، بلکہ مال کا نما کے لئے رکھنا اور قابل استنماء ہونا ہی کافی ہے، شریعت مطہرہ نے یہاں سبب نما ہی کو نما کا درجہ دے کر حکم کو اسی پر دائر کردیا ہے، سبب نما اگر پایا جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، فی الواقع نما کا تحقق ہو یا نہ ہو۔

سبب نما دو چیزوں کو قرار دیا گیا ہے، مواشی میں اسامہ (بدائع ۲/ ۳۰) اور دوسرے اموال میں نیت تجارت، اسامہ دودھ، گھی اور نسل کے حصول کا ذریعہ ہے، اور تجارت حصول ربح کا ذریعہ، اس لئے سائمہ چوپایوں اور تجارتی اموال میں زکوٰۃ واجب ہوگی (بدائع ۲/ ۱۱)۔

جو چیزیں اصلاً وخلقۃً ثمن مطلق کی حیثیت رکھتی ہیں، جیسے سونا، چاندی یا جو عرفاً ورواجاً ثمن کا درجہ حاصل کر چکی ہیں جیسے موجودہ دور میں کاغذی نقود، ان میں نیت تجارت شرط نہیں، بلکہ ان کی ثمنیت بذات خود نما کا قائم مقام ہے اور وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے، کیونکہ ان چیزوں کا مقصود اصلی تجارت ہی ہے اور ان کی وضع وتخلیق ہی اس لئے ہے کہ حوائج اصلیہ کے پورا کرنے میں وہ مبادلۂ اشیاء کا ذریعہ ومعیار بنیں، بذات خود یہ چیزیں کسی بھی انسانی ضرورت کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

سونا چاندی اپنی ذاتی حیثیت میں بھی بہت اہم اور مرغوب خلق ہیں اور بحیثیت ثمن ان کے رواج میں ان کی قدر ذاتی کو بھی بڑا دخل ہے، خلقی طور پر ان میں خالق کائنات نے کچھ ایسی خوبیاں رکھ دی ہیں، ثمن بننے کے لئے یہی چیزیں سب سے زیادہ موزوں قرار پائیں اور انھیں کو

Marfat.com

بحیثیت ثمن قبول عام نصیب ہوا، ورنہ قدر ذاتی کے اعتبار سے ان سے بھی گراں قدر چیزیں دنیا میں موجود رہی ہیں۔

نما کی مذکورہ شرط جن اموال میں پائی جائے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور جن میں یہ شرط مفقود ہو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چاہے بذات خود کتنی ہی گراں قدر و مرغوب خاطر ہوں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (الفقہ الاسلامی وادلتہ، الدر المختار ورد المحتار، الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۱/ ۶۵۰)۔

تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو، ان میں وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت غیر ضروری ہے اور اس کے لئے ان کی ثمنیت ہی کافی ہے۔

اس کے برعکس زر و ثمن کے علاوہ جو مال و متاع ہیں انھیں بہ نفیس نفیس استعمال کر کے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور تجارت میں لگا کر بھی ان سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے ان میں وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت و اسامہ شرط ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ مال حوائج اصلیہ سے زائد ہے اور قابل نما ہے، مزید تفصیلات ''بدائع الصنائع'' (۲/ ۱۱) پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اموال نامیہ کی تین قسم ہیں: زر و ثمن کے قبیل کی چیزیں، اموال تجارت اور مواشی سائمہ، نما کی شرعاً دو قسمیں ہیں: حقیقی و تقدیری۔

''فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات والتقديري تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يد نائبه'' (رد المحتار ۲/ ۷)۔

اس اعتبار سے ملک تام کی شرط بھی نما ہی کی فروعات میں سے ہے۔

حولان حول کی شرط بھی نما ہی کی مکملات میں سے ہے۔

تیسری شرط- حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا بھی نما کے لوازم و مقتضیات میں سے ہے، مال نامی ہونا، اس بات کی دلیل اور علامت ہے وہ مال اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے، ہاں حاجت

Marfat.com

اصلیہ سے زائد ہونا نما کو مستلزم نہیں ہوسکتا ہے کہ کوئی مال حاجت اصلیہ سے زائد ہومگر شرط نما کے فقدان کی وجہ سے اس میں زکوۃ واجب نہ ہو، جیسے ہیرے، جواہرات کا ذخیرہ، رہائش سے فاضل اور خالی مکانات۔

واضح رہے کہ نما کی شرط صرف وجوب زکوۃ کے حق میں ہے، وجوب صدقہ فطر وقربانی ومنع استحقاق زکوۃ کے لئے صرف حوائج اصلیہ سے فارغ نصاب کے بقدر مال ہونا کافی ہے۔

حوائج اصلیہ کے زمرہ میں انسان کی بنیادی ضرورتوں روٹی، کپڑا اور مکان کے علاوہ وہی چیزیں آئیں گی جن کی اسے واقعی ضرورت ہواور جن کی عدم موجودگی اس کے اور اہل وعیال کے لئے ضرر و پریشانی کا باعث ہو۔

وجوب زکوۃ کے حق میں حوائج اصلیہ وثانویہ کی تعیین کی کوئی خاص ضرورت نہیں، کیونکہ انسانی استعمال میں آنے والا کوئی بھی سامان چاہے اس کی قیمت نصاب کے برابر ہی کیوں نہ ہواگر وہ نامی نہیں تو موجب زکوۃ نہیں ہے۔

البتہ صدقہ فطر وقربانی کے وجوب اور حرمان زکوۃ کے حق میں حوائج اصلیہ کی تعیین ضروری ہے، کیونکہ ان چیزوں کے لئے حوائج اصلیہ سے فاضل بقدر نصاب مال کا ہونا کافی ہے، چاہے وہ نامی ہو یا غیر نامی۔

علامہ شامیؒ نے قدر حاجت کی توضیح اور استحقاق زکوۃ کی صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، **دیکھئے**: (ردالمحتار ۲/ ۶۵)۔

چوتھی شرط- دین سے محفوظ ہونا

دین بھی حقیقت میں حوائج اصلیہ ہی کا ایک حصہ ہے، اس لئے دین سے محفوظ ہونے کی شرط مستقل شرط نہیں، بلکہ "فراغة عن الحوائج الأصلية" ہی کی فروعات میں سے ہے۔

Marfat.com

ائمہ متبوعین میں سے غالباً امام شافعیؒ ہی تنہا وہ شخص ہیں جو وجوب زکوٰۃ میں دین کو غیر مؤثر قرار دیتے ہیں، بقیہ تمام ہی ائمہ واکابرین سلف نے دین کو منع زکوٰۃ میں مؤثر مانا ہے۔

البتہ کن اموال میں دین کا اعتبار ہوگا اور کن میں نہیں ہوگا، اس میں کچھ اختلاف ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۴۷، بدایۃ المجتہد ۱/۱۷۹ وغیرہ)۔

منع زکوٰۃ میں وہی دین معتبر ہے جس کا من جہۃ العباد کوئی طلب گار و وصول کنندہ موجود ہو، جس دین کا تعلق خالص حقوق اللہ سے ہو اور اس کا کوئی مطالب من جہۃ العباد نہ ہو تو وہ مانع زکوٰۃ نہیں ہے (الہدایہ مع البنایہ ۳/۳۵۶)۔

البتہ زکوٰۃ کا معاملہ ذرا مختلف ہے اور راجح قول کے مطابق دین زکوٰۃ بہر صورت مانع زکوٰۃ ہے، صاحب ''ہدایہ'' اور علامہ عینی نے اس بحث کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے (دیکھئے: ہدایہ جلد اول، بنایہ ۳/۳۵۷)۔

طویل المیعاد قرضے

بینکوں سے مختلف سرکاری اسکیموں کے تحت شہریوں کو جو طویل المیعاد قرضے دیے جاتے ہیں اور جن کی ادائیگی حسب معاہدہ بالاقساط کی جاتی ہے، مثلاً ایک شخص نے زراعتی فارم قائم کرنے، کارخانہ اور فیکٹری لگانے، مکانات تعمیر کرنے یا تجارتی کاروبار کے لئے پانچ کروڑ روپئے قرض لئے جسے پچاس قسطوں، یعنی دس لاکھ سالانہ کے حساب سے ادا کرنا ہے یا ٹریکٹر کی خریداری کے لئے ایک لاکھ روپئے قرض لئے جسے دس سال میں دس دس ہزار سالانہ کے حساب سے ادا کرنا ہے، ان صورتوں میں وجوب زکوٰۃ کے لئے اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا یا سالانہ واجب الاداء قسط وضع کرکے باقی اموال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی؟

نصوص فقہیہ کے عموم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پورے قرض کو منہا کئے جانے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہو، مگر میری ناقص رائے میں اس عموم میں تخصیص کرنا اور مذکورہ قسم کے قرضوں کی

Marfat.com

حد تک جزوی طور پر امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کرنا زیادہ قرین صواب اور مزاج شریعت و مصالح زکوٰۃ سے زیادہ ہم آہنگ ہے، یعنی منع زکوٰۃ میں صرف سالانہ قسط واجب الاداء ہی کا اعتبار کیا جائے اور اس سے زائد اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی جائے۔

لیکن مذکورہ قرض کی نوعیت یہ ہے کہ قرض کی مجموعی رقم اگر چہ بڑی ہے، مگر ایک سال میں طے شدہ قسط واجب الاداء کے علاوہ اس کے مال میں اور کوئی مطالبہ نہیں، نہ ہی ادائیگی کی کوئی ضرورت درپیش ہے، بقیہ پورے مال کو وہ جس طرح چاہے بلا خوف و خطرا پنے تصرف میں لاسکتا ہے اور اسے نفع بخش بنا سکتا ہے اور جب تک سال گزر نہیں جاتا بقیہ دین کی ادائیگی پر مجبور ہونے کا اسے کوئی خدشہ نہیں ہوتا، اس لئے سالانہ قسط کے علاوہ بقیہ دین کا ذمہ میں لازم ہونا اس کے لئے کسی مضرت کا باعث نہیں ہے۔

دین کے مانع زکوٰۃ ہونے کے سلسلہ میں اہم ترین دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو انھوں نے برسر منبر صحابہ کرامؓ کے مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"هذا شهر زكاتكم فمن كان منكم عليه دين فليقض دينه حتى تخلص أموالكم، فتؤدون عنها الزكوة" (ہدایۃ ۱/۲۵۱)۔

الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ اس روایت کو امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے بھی نقل کیا ہے، (مؤطا امام مالک مع لأوجز ۳/۱۷۲، کتاب الأم للشافعی ۲/۴۲، مسند امام شافعی/۹۸، مصنف ابن أبی شیبۃ ۲/۱۹۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۵۰، دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۲/۶۸۷، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۴۸)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کے بقدر مال کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جانا، ادائیگی کی ضرورت کی وجہ سے ہے، جس سے یہ مفہوم نکالا جا سکتا ہے کہ منع زکوٰۃ میں وہی دین موثر و معتبر ہوگا جس کی ادائیگی کی ضرورت درپیش ہو اور جس کی ادائیگی سے

Marfat.com

مال زکوٰۃ کم یا ختم ہو جائے، لیکن وہ دین جو لازم فی الذمہ تو ہو مگر موجودہ اموال زکوٰۃ سے اس کی ادائیگی کی ضرورت درپیش نہ ہو اور اس کی وجہ سے مال زکوٰۃ پر کوئی اثر نہ پڑے تو وہ دین مانع زکوٰۃ نہ ہوگا۔

مذکورہ قسم کے طویل المیعاد قرضوں میں اگرچہ پوری رقم ذمہ میں واجب ہوتی ہے، مگر موجودہ موجب زکوٰۃ سرمایہ سے ادائیگی صرف سالانہ طے شدہ قسط ہی کی اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے، بقیہ قرض کی ادائیگی کی نہ اسے فکر ہوتی ہے، نہ اس کے مطالبہ کا کوئی خدشہ ہوتا ہے۔

اس لئے نظر و قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مانع زکوٰۃ ہونے میں قرض کی پوری رقم کا اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ صرف سالانہ واجب الاداء قسط ہی کو موجب زکوٰۃ سرمایہ سے منہا کرکے بقیہ مال میں زکوٰۃ واجب قرار دی جائے۔

مذکورہ طویل المیعاد قرضوں کو مہر مؤجل کی نظیر قرار دیا جا سکتا ہے جس کے متعلق بعض مشائخ احناف کا فتویٰ ہے کہ وہ مانع زکوٰۃ نہیں، کیونکہ عادۃً اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا (بدائع الصنائع ۶/۲)۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

مواشی کے ماسوا اموال زکوٰۃ میں جمہور ائمہ وفقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کے حق میں شرکت کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وجوب زکوٰۃ میں ہر شریک کی انفرادی ملکیت کا اعتبار ہوگا، اگر وہ بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، چاہے اموال شرکت کی مجموعی مقدار جتنی بھی ہو، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور صحیح قول کے مطابق امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے، امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے (المغنی لابن قدامہ ۶۱۹/۲، الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳۵/۲)۔

امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قول جدید وراجح یہ ہے کہ اموال

Marfat.com

شرکت میں انفرادی ملکیت کا اعتبار نہیں، پورے سرمایہ کو ایک آدمی کے مال کے حکم میں رکھ کر اس پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی۔

"وعن أحمد رواية أخرى أن شركة الأعيان تؤثر في غير الماشية" (المغنی ۲/۶۱۹)، اس پوری بحث کو علامہ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲/۸۴۹) میں نقل کیا ہے۔

احناف کے نزدیک تمام اموال زکوٰۃ میں مواشی ہوں یا غیر مواشی وجوب زکوٰۃ کے لئے انفرادی ملکیت نصاب ضروری ہے، مشترک مجموعی سرمایہ کا اس میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مالک نصاب ہونا ضروری ہے اور اموال شرکت میں جن کے حصے بقدر نصاب نہیں ہیں، وہ مالک نہیں، اس لئے ان کے مال میں زکوٰۃ واجب قرار نہیں دی جاسکتی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۹)۔

شرکت کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کا قول احوط اور جمہور ائمہ کا قول راجح واقرب الی القیاس ہے۔

ہیرے اور جواہرات

ہیرے اور جواہر اگر تجارت کے لئے ہوں تو بالاتفاق ان میں زکوٰۃ واجب ہے اور اگر زیورات کی شکل میں محض تزئین وآرائش کے لئے ہوں تو بالاتفاق ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

لیکن جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنا سرمایہ محفوظ کرنے کی بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپے کے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں، شرعاً ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

نصوص فقہیہ کے عموم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مگر میری رائے میں ایک پہلو سے ان پر زکوٰۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے، اس خاص صورت میں جبکہ

Marfat.com

ہیرے جواہرات کی خرید صرف نقود کے متبادل کے طور پر ذخیرہ اندوزی کی غرض سے ہو اور بذات خود انھیں کسی ذاتی استعمال میں لانے کا کوئی ارادہ نہ ہو، بلکہ مقصد صرف حسب ضرورت ان کے تبادلہ کے ذریعہ اشیاء ضرورت کا حصول ہو تو خریدنے والے کے حق میں ہیرے جواہرات کو ثمنین کی طرح اموال تجارت کے حکم میں رکھ کر ان پر زکوٰۃ واجب قرار دینی چاہئے۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

اموال تجارت کی قیمت کی تعیین میں قیمت خرید کا کوئی اعتبار نہیں، اس سلسلہ میں شہر کے موجودہ بازار بھاؤ کا اعتبار کیا جائے گا، ایک قول کے مطابق سال پورا ہونے کے دن کی قیمت معتبر ہوگی اور ایک قول کے مطابق ادائیگی کے دن کی قیمت، تھوک بھاؤ سے قیمت لگانے میں البتہ کوئی حرج نہیں، دیکھئے: (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۹۲، ۷۶۰، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۰۷، الدر علی رد المحتار ۲/ ۲۲، الشرح الصغیر للدردیر المالکی ۱/ ۶۴۹)۔

اراضی کی زکوٰۃ

تجارت کی غرض سے خریدی گئی زمین کی زکوٰۃ میں تھوڑی تفصیل ہے، اگر زمین خراجی ہے تو اس میں صرف خراج واجب ہے اور اگر زمین عشری ہے اور اس میں کاشت کردی گئی تو اس میں صرف عشر واجب ہے، احناف کے نزدیک کسی بھی مال میں تجارت کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دہری زکوٰۃ لازم نہ آئے، اس لئے جس زمین میں عشر یا خراج واجب ہو اس میں نیت تجارت معتبر نہ ہوگی (رد المحتار ۲/ ۱۴، ۱۵)۔

فقہاء احناف کا مشہور اور ظاہر مذہب یہی ہے کہ عشر و خراج میں سے کسی کے ساتھ زکوٰۃ کا اجتماع نہیں ہوسکتا، البتہ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ بیک وقت ایک ہی زمین

Marfat.com

میں عشر یا خراج کے ساتھ زکوٰۃ بھی واجب ہوسکتی ہے (بدائع الصنائع ۲ر ۵۷)۔

لیکن جس زمین میں خراج واجب نہ ہو اور عدم کاشت کی وجہ سے عشر بھی واجب نہ ہو، اس کی خریداری اگر تجارت کی غرض سے کی گئی ہو تو بلاشبہ اس کی قیمت میں حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ اس زمین کے مال تجارت قرار دینے سے کوئی چیز مانع نہیں، اس لئے جو حکم جملہ اموال تجارت کا ہے وہی حکم اس زمین کا بھی ہوگا۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

تجارتی کمپنیوں کے شیئرز میں مال تجارت ہونے کی حیثیت سے یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی اور شیئرز میں لگے ہوئے اصل اور اس پر حاصل شدہ منافع کی مجموعی مالیت و قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہئے، البتہ صنعتی استثماری کمپنیوں کے شیئرز میں عمارات، آلات اور مشینوں کی لاگت کا حصہ شیئرز سے منہا کرنے کے بعد بقیہ اصل و منافع ہی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، شیئرز کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

شیئرز کی رسیدات حقیقۃً مال تجارت نہیں ہیں، اس لئے ان کی مارکیٹ قیمت کا لحاظ میرے نزدیک محل نظر ہے، شیئرز کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں دکتور وہبہ زحیلی نے طویل بحث کی ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲ر ۷۷۴)۔

بونڈ چونکہ دین کی سند ہے، اس لئے اس کا حکم وہی ہوگا جو دین کا ہوتا ہے، کیش کرانے سے پہلے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں، مگر اسے کیش کرانے کے بعد اس میں سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور زکوٰۃ میں بونڈ کی صرف اصل رقم کا اعتبار ہوگا، اس کی بازاری قیمت قطعاً معتبر نہ ہوگی، کیونکہ اصل جمع شدہ رقم سے اس کی زائد جو قیمت ہوگی وہ ربا یا بدل ربا ہوگی جو ایک مسلمان کے حق میں نا قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے کالمعدوم ہے۔

Marfat.com

نصاب زکوۃ

سونا اور چاندی میں سے کس کا نصاب اصل اور معیاری ہے اس کا فیصلہ کرپانا بے حد مشکل ہے، نصوص شرع میں ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر کسی ایک نصاب کو اصل ومعیاری اور دوسرے کو اس کے تابع قرار دیا جائے، اسی وجہ سے جمہور نے دونوں نصابوں کو مستقل اور مساوی حیثیت دی ہے اور کسی ایک کو دوسرے کے لئے معیار قرار نہیں دیا (دیکھئے: المغنی ۳/ ۶۰۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸۶)۔

البتہ بعض علماء سلف نے چاندی کے نصاب ہی کو اصل قرار دیا اور اسی کو سونے کے نصاب کے لئے بھی اصل معیار قرار دیا، ان کے بقول سونا بیس مثقال سے کم ہو یا زائد، اگر اس کی قیمت دوسو درہم کے مساوی یا اس سے زائد ہو تو زکوۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں (بدائع المجتہد ۱/ ۱۸۶، ۱۸۸، نیز دیکھئے: فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/ ۱۲، المغنی ۳/ ۶)۔

عہد نبوی میں جب کہ نصاب زکوۃ کی تعیین کی گئی ایک دینار یا ایک مثقال سونا قیمتاً دس درہم کے مساوی تھا، اس طرح دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونا میں مالیت وقیمت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں تھا۔

لیکن آج کے دور میں سوال نامہ کے الفاظ میں سونے اور چاندی کے نرخ میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے، موجودہ صورت حال یہ ہے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال (قریبا سو گرام) مالیت اور قدر وقیمت میں چاندی کے نصاب دوسو درہم (قریبا سات سو گرام) سے قریب قریب دس گنا زیادہ ہے اور چاندی کا نصاب قیمتاً سونے کے نصاب کا صرف دسواں حصہ ہے، اب یہ عجیب وغریب صورت حال درپیش ہے کہ سونے کے نصاب کے اعتبار سے پچاس ہزار روپئے پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اگر وہ مثقال سونے کی قیمت سے کم ہو اور چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اس سے دس گنا کم پانچ ہزار روپے کی املاک پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، اگر

Marfat.com

وہ دوسو درہم چاندی کی قیمت کے مساوی ہو، اس طرح غناء موجب زکوۃ کے دو الگ الگ ایسے معیار ہو جائیں گے جن میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جب کہ عہد نبوی میں یہ فرق یکسر معدوم تھا اور معیار غناء بہ ظاہر مختلف ہونے کے باوجود حقیقۃ ایک ہی تھا، سونے اور چاندی کے دونوں نصاب قدراً متحد تھے۔

دور اجتہاد وتدوین فقہ میں بھی غالباً سونے اور چاندی کے نصابوں میں قیمتاً کوئی قابل لحاظ فرق واقع نہ ہوا تھا، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین نے اس پہلو پر کوئی خاص توجہ نہ کی اور جمہور فقہاء نے دونوں نصابوں کو یکساں حیثیت دی، سونے اور چاندی میں تو قیمت کا سرے سے اعتبار ہی نہیں کیا گیا اور اموال تجارت کی تقویم میں دونوں نصابوں کو یکساں طور پر معیار تسلیم کیا، ائمہ کرام کی ترجیحات اگرچہ مختلف تھیں مگر اس وقت کے لحاظ سے ان میں کوئی بڑا اختلاف نہ تھا۔

اموال تجارت کی تقویم میں بعض ائمہ نے نقدِ خرید کو ترجیح دی اور بعض نے نقد غالب کو، اور بعض نے بلا کسی فرق ولحاظ کے دونوں کو یکساں قرار دیا اور اکثر فقہاء نے جانب فقراء کی رعایت سے ثمنین میں سے نسبۃً کم قیمت والے ثمن کو ترجیح دی، دیکھئے: (ہدایہ ۱/۱۷۶، ۱۷۵، بدائع الصنائع ۲/۲۱، المغنی ۳/ ۳۳)۔

سونے وچاندی کا مخلوط نصاب

اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا موجود ہو اور منفرداً کوئی بھی بہ قدر نصاب نہ ہو تو جمہور کے نزدیک دونوں کی مجموعی قدر کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی، موجودہ حالات میں کیفیت ضم کے سلسلہ میں وہ قول قابل ترجیح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں یا تو قیمت کا سرے سے اعتبار ہی نہ کیا جائے اور ضم بالاجزاء کیا جائے یا پھر عہد نبوی میں موجودہ قیمت کا اعتبار کیا جائے، یعنی ایک دینار کو دس درہم کے مساوی مان کر مخلوط نصاب بنایا جائے،

Marfat.com

حسن بصری، قتادہ، ابراہیم نخعی، اوزاعی، مالک، احمد بن حنبل، ابو یوسف اور محمد بن الحسن رحمھم اللہ کی یہی رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے، (بدائع الصنائع ۲/۱۹، فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۱۴)۔

تقویم عروض

موجودہ حالات میں غناء موجب زکوٰۃ کی تعیین اور تذبذب کی حالت سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اموال زکوٰۃ کی تقویم میں نقدین میں سے کسی ایک کو ترجیح دیا جائے اور اسی کو معیار نصاب قرار دیا جائے۔

دور جدید کے بعض اہل علم خصوصاً عرب علماء کا رجحان یہ ہے کہ اموال تجارت اور کاغذی نقود کی تقویم میں سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے اور اسی کے ذریعہ مالیت کی تعیین کی جائے (دیکھئے: تعلیق الدکتور مصطفیٰ کمال وصفی علی الشرح الصغیر ۱/۵۸۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۸۶۵)۔

لیکن ہم اس رجحان کی وکالت نہیں کر سکتے، کیونکہ اس میں احظ وانفع للفقراء کی رعایت یکسر نظر انداز ہو جاتی ہے جس کا لحاظ بیشتر علماء وفقہاء نے کیا ہے، پھر چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے حتی کہ بعض فقہاء سلف کے نزدیک وہی اصل نصاب ہے اور جملہ اموال حتی کہ سونے کے لئے بھی وہی معیار ہے جب کہ سونے کا نصاب مختلف فیہ ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی اسے اصل اور معیاری نصاب قرار نہیں دیا ہے، اس لئے چاندی کے نصاب کو نظر انداز کر کے سونے کے نصاب ہی کو معیار قرار دینا احتیاط کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

ترجیح کی صورت میں چاندی کے نصاب کو ترجیح دینا زیادہ مناسب اور احوط ہے، عصر حاضر کے بیشتر علماء کی یہی رائے ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۶۰)۔

لیکن اس صورت کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس میں سونے کا نصاب متروک اور یکسر نظر انداز ہو جاتا ہے، جب کہ معدودے چند فقہاء سلف کو چھوڑ کر بقیہ سبھی علماء امت نے دونوں

Marfat.com

نصابوں کو مساوی حیثیت دی ہے، ہاں بیشتر علماء نے دونوں نصابوں کی مالیت میں کمی بیشی کی صورت میں اُحظ وأنفع للفقراء کو ترجیح دیا ہے، یہ وجہ ترجیح اس وقت یقیناً نہایت معقول ومناسب تھی جب کہ دونوں نصابوں کی قدر میں بہت نمایاں فرق نہ تھا اور دونوں نصابوں میں سے ہر ایک میں عملاً احظ للفقراء بن سکنے کا امکان تھا، لیکن موجودہ دور میں صرف فقراء کی حصہ داری کی ایسی رعایت جس کے نتیجہ میں سونے کا نصاب بالکلیہ متروک ومہجور ہو جائے، میرے خیال میں مناسب وبرمحل نہیں کہا جا سکتا۔

محور ثالث- مصارف زکوٰۃ

ا- کسی ادارہ میں ایک طالب علم کے قیام، طعام اور دیگر سہولتوں کی فراہمی میں ماہانہ جو خرچ آتا ہے وہ طلبہ سے وصول کیا جائے اور مستحق زکوٰۃ طلبہ کو اس کی ادائیگی کے لئے مد زکوٰۃ سے وہ رقم دے دی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ نسبۃً یہ تملیک کی بہتر شکل ہے۔

لیکن اگر وہ رقم براہ راست ادا کر دی جائے اور طلبہ کو دی نہ جائے تو تملیک نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

رہ گیا یہ سوال کہ مدرسہ کے مہتمم اور سفراء زکوٰۃ دہندگان کے وکیل ہیں یا مستحقین زکوٰۃ کے؟ تو میرے خیال میں صحیح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ دہندگان کے وکیل ہیں، مستحقین زکوٰۃ کے وکیل نہیں ہیں۔

میری رائے اس سلسلہ میں وہی ہے جو حضرت تھانویؒ وحضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ہے، "امداد الفتاوی جلد دوم کے استفتاء ۹۸ و ۹۱" کے جوابات سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر

Marfat.com

صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا آیت میں مذکور ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمنوں کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں ہیں، بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے مال زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کا قبضہ ہوجانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف میں خرچ نہ کردیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل نہیں بنایا اور امیر المومنین کی ولایت عامہ کی بنا پر جو خود بہ خود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کردیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو'' (معارف القرآن ۴/۳۹۹)۔

۲- یہ تو معلوم ہو چکا کہ سفراء مدارس عاملین صدقہ کی حیثیت نہیں رکھتے، اس وجہ سے زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر الگ سے تنخواہ یا اجرت فی صد وصولی کے اعتبار سے مقرر کی جائے تو بھی یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ اجارہ کا معاملہ ہے اور اجارہ میں اجرت معلوم ومتعین ہونی چاہئے (ہدایہ ۳/۲۷۷)۔

Marfat.com

Marfat.com

تیسرا باب

مختصر جوابات

Marfat.com

Marfat.com

زکوۃ سے متعلق سوالنامہ کا اجمالی جواب

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

محور اول

جیسا کہ معروف ہے ''اموال نامی'' میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

ملک تام: جس پر آزاد بالغ مالک (غیر سفیہ اور غیر مجور) کو شرعاً تصرف کا پورا اختیار ہو اور اس میں وہ کسی دوسرے کی اجازت کا محتاج نہ ہو، اگر اس کے قبضہ میں مال بالفعل نہیں ہے، مگر اس پر قبضہ ہو جانا مظنون ہو۔

ذیلی سوال (ا) کا جواب

ا- جس مال (مبیع) کی قیمت ادا کر دی گئی اور وہ مال (مبیع) قبضہ میں نہیں آیا، اگر عقد تام ہونے کے بعد قیمت ادا کی گئی ہے تو اس مال (مبیع) کی چاہے ابھی قبضہ میں نہ آیا ہو، زکوۃ مشتری پر لازم ہوگی (اگر وہ مال تجارت ہے) ادا کردہ قیمت کی زکوۃ اب مشتری پر لازم نہ ہوگی، کیونکہ وہ قیمت مشتری کی ملکیت سے نکل گئی، البتہ اس قیمت کی زکوۃ بائع پر، جو کہ اب اس قیمت کا مالک بن چکا ہے، لازم ہوگی۔ (اگر وہ صاحب نصاب ہے اور حولان حول ہو چکا ہے)۔

۲- اگر کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان (یا دکان وغیرہ) کو دی گئی رقم بہ طور اجرت

☆ استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

30/6

Marfat.com

(کرایہ) دی گئی ہے تو اس رقم کی زکوۃ (اسباب وشرائط وجوب پائے جانے کی صورت میں) مالک مکان (یا دکان) پر لازم ہوگی، لیکن اگر یہ رقم (کرایہ دار نے) بہ طور ضمانت دی ہے تو اس کی زکوۃ کرایہ دار پر لازم ہوگی (اسباب وشرائط وجوب کی موجودگی میں)، کیونکہ اس رقم کی حیثیت، یا قرض کی ہے (اگر تصرف کا اختیار دیدیا ہے) یا امانت کی، دونوں صورتوں میں اس کی زکوۃ رقم دینے والے پر لازم ہوگی۔

۳- جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو، کی مثال میں مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم کو پیش کرنا محل نظر ہے، علاوہ ازیں شریعت میں اس کی نظیر ملنا ہی مشکل ہے (سوائے بیع بشرط الخیار کی شکل کے، وہ بھی مختلف فیہ ہے) کہ ایسا مال بھی ہوتا ہے جس کا کوئی مالک معین نہ ہو، لہذا یہ سوال ہی خود محل سوال ہے۔ (ہاں یہ ممکن ہے کہ مالک معلوم نہ ہو) مدارس میں جمع کی جانے والی رقم پر مدارس کے ذمہ داروں کی ملکیت کا قائم ہو جانا (طلبہ مستحق زکوۃ کی نیابت میں) اکابر علماء کا راجح قول ہے، جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اختیار کیا ہے اور حضرت تھانوی کا بعد میں مختار ہونا بھی بتایا ہے، حضرت گنگوہی وحضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا محقق قول ہونا تو معروف ہی ہے (جواہر الفقہ ۲/۳۸۷-۳۸۸ طبع دیوبند)، لہذا اس رقم کی جو کہ مدارس کے ذمہ داروں کے قبضہ کے اندر طلبہ مستحق زکوۃ کی ملکیت میں ہے۔ زکوۃ کسی پر بھی واجب نہ ہوگی۔

۴- مال حرام وحلال کے مخلوط ہو جانے کی شکل میں بھی چونکہ بقدر حرام کا تصرف واجب ہے اور اس کے بقدر گویا دین واجب فی الذمہ ہے، صرف حلال مال کی مقدار پر زکوۃ واجب ہوگی اور کل حرام مال کے بقدر تصدق واجب ہوگا۔ (جیسا کہ شامی کی ''مصادرة السلطان'' وغیرہ والی بحث سے مستفاد ہوتا ہے)۔

۵- دین کی زکوۃ دائن پر واجب ہوگی (جیسا کہ ظاہر ہے) اگر مدیون ادائیگی میں وسعت کے باوجود ٹال مٹول کر رہا ہو تو گناہ گار ہوگا، مگر زکوۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ نہ ہوگی، ہاں!

Marfat.com

اگر اس نے دین سے تجارت کے ذریعہ نفع حاصل کیا تو نفع بقدر مال کی زکوۃ (اسباب وشرائط کے ساتھ) مدیون پر واجب ہوگی (جیسا کہ مال مستفاد کی)۔

دائن دین کی وصولیابی کی امید کی صورت میں ہر سال کی زکوۃ چاہے ہر سال ادا کرے، یا وصول ہونے پر تمام گذشتہ سالوں کی اکٹھی، دونوں شکلیں جائز ہیں، لیکن اگر مال وصول ہونے کی امید بالکل نہ ہو اور مال ضمار کے مثل ہو، تو اس کا حکم مال ضمار جیسا ہوگا۔

۶- رٹائرمنٹ کے بعد پراویڈنٹ فنڈ کے وصول ہوجانے کی صورت میں ہی اس پر ملکیت آئے گی، اس سے قبل نہیں، لہذا اس سے متعلق تمام مالی ذمہ داریاں۔ وجوب زکوۃ وغیرہ۔ بعد میں ہی متعلق ہوں گی، اس سے پہلے نہیں، اس لئے زکوۃ بھی وصولیابی کے بعد ہی واجب ہوگی، گذشتہ مدت کی واجب نہ ہوگی۔

دوسری شرط نما، یعنی اضافہ کی صلاحیت

اس کی دو قسمیں ہیں: حقیقی وحکمی۔ حقیقی کی مثال مال تجارت، سوائم وغیرہ۔

حکمی کی مثال نقدین، یا اس کے قائم مقام کرنسی (خواہ وہ کاغذ کی ہو یا دھات کی)۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت کا مفہوم تو معروف ہے اور تمام متعلق کتابوں میں موجود ہے، کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر ماحول کے اعتبار سے ان چیزوں کا تعین ہوگا، جن پر "حاجیات" کا اطلاق ہوسکتا ہے اور کتب فقہ کی تفصیلات پیش نظر رکھنے سے حیثیت کے فرق سے بھی حاجیات کے مصداق میں فرق ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہوجانا

کون سا دین مانع زکوۃ ہے؟ اس کا جواب عام کتب فقہ میں ملتا ہی ہے، سوالنامہ میں

Marfat.com

کوئی نئی بات نہیں دریافت کی گئی ہے، اس لئے اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں معلوم ہوا۔

دین کی معروف تین قسموں: —— قوی، متوسط، ضعیف —— میں سے پہلی دو قسمیں متفقہ طور پر مانع زکوۃ ہیں۔

ہر دین قوی مانع زکوۃ ہے، خواہ وہ طویل المیعاد ہو یا قصیر المیعاد، خواہ قلیل مقدار میں ہو، یا کثیر میں، اس لئے پورا قرض منہا کرنے کے بعد، خواہ وہ لاکھوں میں ہو اور اس کی ادائیگی طویل مدت میں کیا جانا طے ہو، اگر بقدر نصاب کا مالک رہتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

کمپنیز پر زکوۃ: کمپنی میں شریک ہر فرد کی انفرادی حیثیت کا اعتبار ہوگا، جس شریک کا حصہ (یا اس کی ملکیت میں کل مال) نصاب زکوۃ کے بقدر ہوگا، اس پر زکوۃ، اپنے حصہ کے بقدر واجب ہوگی، اور جس کا حصہ (ملکیت میں کل مال) نصاب سے کم ہوگا اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

ہیرے جواہرات

اگر تجارت کے لئے نہیں ہیں تو ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، خواہ ان کی مالیت کتنی ہی ہو، اور خواہ وہ انکم ٹکس (یا زکوۃ) سے بچنے کی غرض سے ہی خریدے گئے ہوں، البتہ ہیرے جواہرات حوائج اصلیہ میں سے نہ ہونے کی بناء پر ان کے مالکین پر صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب ہوگا (بشرطیکہ جواہرات کی قیمت بقدر نصاب ہو) اور ان کے مالکین صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ہوں گے، یہی حکم ان خواتین کے بارے میں بھی ہوگا جن کے پاس ہیرے جواہرات ہیں، خواہ وہ تزئین کے لئے ہوں، یا کسی اور غرض سے (بس تجارتی مقصد سے نہ ہوں)۔

ہیرے جواہرات پر زکوۃ واجب نہ ہونے کا ذکر تمام کتب فقہیہ حنفیہ میں ملتا ہے، مثلاً شامی میں ہے:

"لا زكاة في اللآلي والجواهر إلا أن تكون للتجارة" (رد المحتار ۲/۱۴)۔

Marfat.com

اموال تجارت پر زکوۃ

صاحب نصاب تاجر حولان حول کے وقت جتنے مال کا مالک ہے اور اس وقت اس کی ملکیت میں موجود مال تجارت کی جو قیمت ہے (یعنی اس مال کی جو قیمت اسے ملے گی) اس کے بقدر پر زکوۃ واجب ہوگی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تاجر اگر تھوک فروش ہے تو تھوک کی قیمت کے بقدر، اگر خوردہ فروش ہے تو خوردہ قیمت کے بقدر زکوۃ واجب ہوگی۔

وہ تجارتی مال خواہ منقول ہو، یا غیر منقول (اراضی وغیرہ) سب کا حکم یکساں ہوگا، یعنی وہی جو اوپر مذکور ہوا، کہ حولان حول کے وقت تاجر کو جو قیمت ملے گی اس کے بقدر پر زکوۃ واجب ہوگی۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

تجارتی کمپنیوں کے شیئرز پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ وہ شیئرز دراصل علامت (یا سند) ہوتے ہیں اس مال کی جو کمپنی کی ملکیت میں مال تجارت ہے۔

شیئرز کے مالک کے پاس حولان حول کے وقت موجود جو قیمت شیئرز کی ہوگی اسی کے بقدر پر زکوۃ واجب ہوگی، جس شخص نے جو قرضہ کسی کو خواہ حکومت کو دیا ہے اصل قرضہ پر نہ کہ سود پر زکوۃ واجب ہوگی، قرض دینے والے پر ان تمام سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی جو قرض کی ادائیگی میں لگیں گے، اب چاہے ہر سال زکوۃ ادا کرتا رہے، یا تمام سالوں کی وصولی قرضہ کے بعد اکٹھا کردے۔

محور ثانی

چاندی سونے میں سے جو نصاب بھی "انفع للفقراء" ہو، وہی اصل تسلیم کیا جائے گا۔

Marfat.com

محور ثالث-مصارف زکوۃ

۱- طالب علم پر آنے والے کل اخراجات (بشمول رہائش وتعلیمی فیس) کے بقدر اگر مد زکوۃ سے مدرسہ کے ذمہ دار، مستحق زکوۃ طالب علم کو رقم پہلے دے دیں اور پھر وہ ان سے وصول کرلیں تو یہ شکل جائز ہے، چیک سے ادائیگی کی شکل میں ادائیگی اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ چیک کی رقم طالب علم کو وصول ہوجائے، اگر اس کا بینک میں کھاتہ ہے تو اس کے کھاتہ میں اندراج ہوجائے اس کے بغیر نہ ہوگی۔

(بحوالہ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری، حضرت تھانوی اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ کا آخری نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ مدرسہ کے ذمہ داران (مہتمم وغیرہ) طلبہ کے وکیل ہوتے ہیں، لہذا ان کا قبضہ طلبہ کے قبضہ کے قائم مقام ہے)۔

۲- زکوۃ وصول کرنے پر مدارس کے سفراء وغیرہ کو کمیشن دینا شرعاً درست نہیں، انہیں ''العاملین علیہا'' کے تحت داخل کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ ''العاملین'' کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''هو الذی یبعثه الإمام لأخذ الصدقات'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۱۲۳)۔

جصاص رازی نے جبری وصولی کا حق بھی امام کے لئے اسی سے ثابت کیا ہے، ظاہر ہے کہ مدارس کے ذمہ دار نہ امام ہیں اور نہ انہیں جبری وصولی کا حق ہے، مدارس کے منشی وغیرہ جو زکوۃ کی آمد وصرف کے حساب کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں، ان کو زکوۃ کی مد سے تنخواہ دینا شرعاً درست نہیں۔

''فی سبیل اللہ'' کا مصداق صرف وہ ہے جسے خیر القرون میں مصرف قرار دیا گیا، یعنی اصطلاحی جہاد میں مشغول افراد، بقیہ اقوال ضعیف اور بعض، مثلاً سوالنامہ میں مذکور دوسرا و تیسرا تو نہایت ضعیف ہیں، ایسے کمزور دلائل، جیسے کہ ان اقوال کے قائلین نے دیئے ہیں، ان کی بنیاد پر تو

Marfat.com

ہر غلط کو صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے، اس طرح پوری شریعت ہی کو مسخ کیا جا سکتا ہے، یوں بھی جمہور کے قول ہی میں سلامتی ہے۔

بغیر شدید مجبوری کے اس سے عدول جائز نہیں سمجھا گیا، قرون اولی میں اگر کسی آیت کی تشریح میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو تیسرے قول کا اختیار کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا خرق اجماع ہے (جسے اصولیین نے لا قائل بالفصل جیسی تعبیرات میں بیان کیا ہے) اور پھر اس طریقہ سے تو ہر غلط بات کو صحیح قرار دینے، بلکہ ہر خواہش کے لئے سند دریافت کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔

الف: فی سبیل اللہ کا مصداق اصلاً تو غازی ہے، زیادہ سے زیادہ منقطع الحاج (امام محمد کے قول کی رو سے) بھی شامل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کی شمولیت پر احادیث صحیحہ دال ہیں (جن کا ذکر سوالنامہ میں بھی ہے)۔

ب: احناف کے نقطہ نظر سے ہر مصرف کے لئے (سوائے العاملین علیہا کے) فقر شرط ہے۔

۵- مصارف زکوۃ بھی رکعات صلوۃ کی طرح قیاس کا محل نہیں، ظاہر ہے کہ فکری و قلمی جہاد نئی تعبیریں ہیں، بنا بریں جہاد قلمی و فکری فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں بن سکتے اور ان میں مشغول لوگ (اگر وہ محتاج نہیں ہیں) مستحق زکوۃ نہیں۔

زکوۃ کے مصارف آٹھ ہی میں منحصر ہیں اور یہ حصر اضافی نہیں حقیقی ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم حتی کہ صحابہ کے تفردات اور شاذ اقوال پر مدار رکھنا سلف کے طریقہ کے خلاف ہونے کے ساتھ نہایت خطرناک اقدام ہے، جس سے بہت سی بے راہ رویوں، بلکہ گمراہیوں کے لئے راستہ کھل سکتا ہے، امام اوزاعی کا یہ قول: "من أخذ بنوا در الإسلام خرج عن الإسلام" قابل توجہ ہے۔

Marfat.com

جوابات بابت سوالات زکوۃ

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ☆

محور اول

۱- جس تجارتی سامان کی قیمت پیشگی ادا کی جا چکی ہے مال خریدار کے قبضہ میں نہیں آیا ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ علامہ حصکفی نے ایسے سامان تجارت پر زکوۃ واجب نہ ہونے کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

"إلا فی ما اشتراہ للتجارۃ قبل قبضہ" (درمختار علی ہامش الرد ۲/۷)۔

۲- کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم کی زکوۃ مالک مکان پر ہوگی۔ اس لئے کہ اس کو اس مال پر ملک تام حاصل ہو چکا ہے، ملک تام کے لئے فقہاء نے ملکیت رقبہ اور قبضہ کی شرط لگائی ہے اور یہ دونوں باتیں یہاں مالک مکان کو حاصل ہیں، البتہ جو رقم مالک مکان کو بہ طور ڈپازٹ دی گئی ہے اور مدت کرایہ مکمل ہونے پر یہ رقم واپس ہوتی ہے اس کی حیثیت اگر کرایہ دار کی طرف سے امانت مانی جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے مالک مکان پر چونکہ اس کی حیثیت دین کی ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہ ہونی چاہئے، لیکن امانت اور اس زر ضمانت میں فرق یہ ہے کہ امانت کبھی بھی واپس لینا ممکن ہوتا ہے، جبکہ یہاں کرایہ دار ہوتے ہوئے اس بات کا اختیار نہیں

☆ مؤسس و سابق ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد۔

Marfat.com

رکھتا کہ کرایہ کی رقم واپس لے، اس لئے رقم کی حیثیت ''رہن'' کی سی ہے، جیسے مال مرہون کی زکوۃ نہ راہن پر واجب ہوتی ہی نہ مرتہن پر یہی حکم اس کا بھی ہونا چاہئے، کیونکہ رہن کی طرح اس زر ضمانت کی حیثیت بھی ایک ایسی رقم کی ہے جو وثیقہ کی حیثیت سے اس کے پاس رہتی ہے۔ علامہ شامی نے مال مرہون کے متعلق لکھا ہے:

''ولا فی مرھون أی لا علی المرتھن لعدم الملک الرقبة ولا علی الراھن لعدم الید'' (ردالمحتار ۲/۷)۔

۳- زکوۃ کا مخاطب شریعت نے افراد کو بنایا ہے نہ کہ اداروں کو، اس لئے دوسری عبادت کی طرح زکوۃ کا تعلق بھی افراد سے ہے، دوسرے زکوۃ کیلئے شریعت نے ملک بلکہ ملک تام کی شرط لگائی ہے اور دینی مدارس اور ایسے دوسرے خیراتی ادارے اپنے فنڈ کے مالک نہیں ہوتے بلکہ واقفین اور معاونین کی طرف سے محض وکیل ہوتے ہیں، اس لئے مدارس وغیرہ کے پاس جو مال ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔

۴- مال حرام میں بنیادی طور پر زکوۃ واجب نہیں، لیکن وہ مال حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا ہو کہ حرام وحلال مال کے درمیان شناخت ممکن نہ رہے تو دونوں کے مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، یہ فقہاء کا معروف ومسلم اصول ہے، اسی قاعدہ کا اطلاق مال رشوت اور بینک کے سود وغیرہ پر بھی ہوگا۔ شامی میں ہے:

''ولا زکوۃ فی المغصوب والمملوک شراء فاسد والمراد بالمغصوب ما لم یخلطه بغیرہ لعدم الملک'' (ردالمحتار ۲/۵)۔

۵- دین کی تین قسمیں کی گئی ہیں: دین قوی، دین وسط اور دین ضعیف۔

قرض کی رقوم اور سامان تجارت کا عوض جو باقی ہو دین قوی کہلاتا ہے، تجارتی سامان کے علاوہ کسی اور مال کی قیمت باقی ہو تو اس کو دین وسط کہتے ہیں، جو مال کسی مال کے بدلے میں

Marfat.com

باقی نہ ہو، بلکہ کسی اور شئ کے عوض باقی ہو، جیسے مہر، بدل خلع، دین وغیرہ تو اس کو دین ضعیف کہتے ہیں۔

فقہاء کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ دین قوی اور دین وسط میں تو زکوۃ واجب ہوتی ہے، لیکن دین ضعیف میں اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ قبضہ میں آجائے اور پھر اس پر سال گذر جائے، دین قوی اور دین وسط میں قبضہ سے پہلے بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، فرق یہ ہے کہ دین وسط میں تمام رقم اکٹھی وصول ہونے کے بعد زکوۃ ادا کرے گا، اور دین قوی میں نصاب کا ایک خمس وصول ہونے پر۔

یہ زکوۃ واجب ہونے کے سلسلہ میں بنیادی اصول ہیں، ان کو سامنے رکھ کر دیون کے سلسلہ میں زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ

پراویڈنٹ فنڈ کی حیثیت اجرت کی ہے، اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ماضی قریب کے اکابر علماء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے دو متضاد رائیں منقول ہیں، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مفتی محمد جمیل صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ ہی کی ایماء پر اس مسئلہ میں مزید تحقیق فرمائی اور جس نتیجے پر پہنچے وہ انہیں حضرات کے الفاظ میں یوں ہے:

''الغرض پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ تو دین قوی میں داخل نہیں ہوسکتا، اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے، جب تک کہ حر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایات پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہے'' (امداد الفتاوی ۲/۴۸)۔

Marfat.com

حاجت اصلیہ

حاجت اصلیہ ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جو انسان کی شخصی ضروریات کی ہوں، علامہ طحطاوی نے حاجت اصلیہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"كثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد وكالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة وأساس المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها" (طحطاوی/۳۸۹)

ظاہر ہے جب "حاجت اصلیہ" کا تعلق انسانی ضروریات سے ہے تو مختلف افراد مختلف ماحول اور مختلف طبقوں اور پیشوں کے اعتبار سے حاجت اصلیہ کا تعین عمل میں آئے گا۔

دین سے محفوظ ہونا

دین، حنفیہ کے یہاں زکوۃ واجب ہونے میں مانع ہے اور اس کا مقصد مدیون کو حرج وتنگی سے بچانا ہے، لیکن آج کل جو ترقیاتی طویل الأجل قرار دیئے جاتے ہیں، ان سے مدیون زبردست معاشی فائدہ اٹھاتا ہے اور اسے ہر سال ایک معمولی قسط ہی ادا کرنی پڑتی ہے، اس طرح اگر پورا دین اموال زکوۃ سے منہا کیا جاتا رہے تو فقراء حق سے محروم ہوتے ہیں، حالانکہ ان کی زکوۃ ادا کرنے میں مدیون کے لئے ایسا حرج نہیں ہے جس کو شریعت دفع کرنا چاہتی ہے، اس لئے یہ درمیانی رائے بہت مناسب ہے کہ ہر سال اس کو جو قسط ادا کرنی ہے اتنا حصہ زکوۃ سے مستثنی کردیا جائے اور باقی دین مستثنی کئے بغیر اس کے مال میں زکوۃ واجب قرار دی جائے۔

کمپنی پر زکوۃ

حنفیہ کے یہاں اموال میں شرکت اور خلط کا کوئی اثر نہیں، یہ متفق علیہ قاعدہ ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں حیوانات میں **شرکت زکوۃ کے** واجب ہونے اور نہ ہونے میں مؤثر ہوتا

Marfat.com

ہے، لہذا کمپنی کے مجموعی حصص پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ کمپنی کے حصہ داروں میں جو مالک نصاب ہوں وہ اپنی شخصی اور ذاتی حیثیت سے زکوۃ ادا کریں گے۔

ہیرے اور جواہرات میں زکوۃ

شریعت میں اموال زکوۃ منصوص ہیں اس میں قیاس واجتہاد کو دخل نہیں، اس لئے ہیرے اور جواہرات جس قدر بھی ہوں اور جس نیت سے رکھے جائیں، ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الیواقیت واللآلی والجواہر فلا زکوۃ فیہا وإن کانت حلیا إلا أن تکون للتجارۃ" (۱۸۰/۱)۔

اموال تجارت پر زکوۃ

مال تجارت میں کس قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟ اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے، صاحبینؒ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی کے دن کا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس دن کا جس دن کہ زکوۃ واجب ہوئی اور نصاب پر سال مکمل ہوا، اسی پر فتوی ہے۔ "عالمگیری" میں ہے:

"إن أدی القیمۃ یعتبر قیمتہا یوم الوجوب" (۱۸۰/۱)۔

لہذا جس تاریخ کو نصاب پر حولان حول ہوتا ہے تمام سامان تجارت میں بہ شمول پلاٹس اراضی اسی دین کی قیمت معتبر ہوگی نہ کہ مستقبل میں متوقع قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

تجارتی یونٹس کے شیئرز بھی مال تجارت کے حکم میں ہیں، لہذا اس پر زکوۃ واجب ہوگی،

Marfat.com

اور زکوۃ میں اس کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ حولان حول کے وقت مارکیٹ میں اس کی جو قدر تھی وہی معتبر ہوگی، اور اس کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی، بونڈز کی حیثیت قرض کے سند کی ہے لہذا جو رقم اس کے عوض ادا کی گئی ہے، اس کا دین ہونا ظاہر ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں یہ دین قوی کے زمرہ میں آتا ہے، اس لئے اس پر ضرور ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

Marfat.com

زکوۃ سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا افضال الحق ☆

سوال (۱) کا جواب- ملک تام

الف- اگر وہ رمضان کو سال تام کا حساب بناتا ہے تو ان کی تجارت کی موجودہ مالیت پر زکوۃ ہے یا مال پر ہے۔

ب- آپ نے جو رقم مثلاً بیع سلم کے لئے کسی کو دیدی ہے اور طے کرلیا ہے کہ وہ آپ کی نہیں ہے، فریق ثانی کی رقم ہے، اس کی زکوۃ آپ پر واجب نہیں، اگر قرض دیا ہوتا تو آپ کی رقم ہوتی، مگر ادائیگی کی ہے تو اس کا مال ہے جس کو دیا ہے۔

ج- جو مال آپ نے بیع سلم میں مثلاً خرید لیا ہے اور اب تک آپ کے قبضہ میں نہیں آیا ہے، اس کی زکوۃ آپ پر اس لئے واجب نہیں کہ آپ کا قبضہ نہیں صرف ملکیت ہے، ملکیت اور قبضہ دونوں ضروری ہے زکوۃ کے لئے۔

سوال (۲) ڈپازٹ وغیرہ، یہ رقم آپ کی ہے مگر آپ کا قبضہ نہیں ہے، اس لئے زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب رقم آپ کے ہاتھ میں آجائے گی، ہاں اگر آپ کے پاس جمع کرنے کا ثبوت پکا ہے تو احتیاطاً ادا کرسکتے ہیں آج ہی۔

سوال (۳) مہمل سوال ہے، کیونکہ مدرسہ کا مہتمم یا ناظم بیت المال کی رقم کا صرف

☆ مہتمم دارالعلوم گورکھپور۔

Marfat.com

امین اور وکیل ہے جو خرچ کرسکتا ہے، نہ وہ مالک ہے اور نہ زکوۃ وغیرہ کی جمع شدہ رقم کسی کی ملک ہے وہ تو مال موقوفہ ہے اس لئے غیر متعلق سوال ہے۔

سوال (۴) یہ عجیب سوال ہے، مال حرام کا کمانا، وصول کرنا، رکھنا سب حرام، اس کو واپس کرنا یا کسی غریب کو دے کر بری الذمہ ہونا واجب ہے، پھر اس کی زکوۃ کی کیا بحث، زکوۃ تو ملکیت پر ہے اور مال حرام شرعاً کالعدم ہے، کیونکہ وہ غاصب ہے آج بھی مالک وہی ہے جس کا مال لیا ہے، اس لئے غاصب کا قبضہ ہے، ملکیت نہیں ہے، زکوۃ کیسی؟

۱-اگر حلال مال، حرام مال مخلوط ہے تو حلال کا حساب کر کے زکوۃ دے گا، ورنہ تخمینہ کرے گا، جیسے بھی کرے۔

۲-حرام کی یا حلال کی کثرت وقلت یا غلبہ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ حرام ہے تو شرعاً کالعدم ہے، اعتبار کیسے ہوگا۔

۳-اگر حرام وحلال میں تمیز مشکل ہے تو زکوۃ کا سوال ہی کیوں پیدا ہوگا، ایسی کمائی والے کے یہاں۔

سوال (۵) جو قرض دیا گیا ہے وہ ملک آپ کی ہے مگر قبضہ مدیون کا ہے اب اگر دینے کا ثبوت ہے اور مدیون کو انکار نہیں ہے تو واپسی کے بعد پوری مدت کی زکوۃ واجب ہے اور اگر ثبوت کم ہے یا مدیون کو انکار ہے یا مال مفقود ہے تو شرعاً وہ مال ضمار ہے، حدیث میں ہے **"لا زکوۃ فی الضمار"** اب اس کی زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ دین واپس ہوگا یا مال مل جائے گا اور از سر نو واجب ہوگی۔

۱-مدیون کے ٹال مٹول سے وہ گناہ گار ہے، اس کے انکار سے آپ پر زکوۃ لازم نہیں ہوگی کیونکہ قبضہ نہیں ہے اور ثبوت بھی کمزور ہے، اصول زکوۃ کے لئے ملکیت اور قبضہ دونوں بنیادی شرطیں ہیں، دونوں سے مل کر ملکیت تام ہوگی۔

Marfat.com

سوال (٦) پی ایف فنڈ میں آپ کی تنخواہ سے جو رقم مجرا ہوتی ہے وہ آپ کی ملک ہے مگر قبضہ نہیں ہے، قبضہ سرکار کا ہے لہذا واپسی کے بعد ہی قبضہ ہوگا اور زکوۃ ہوگی، پوری مدت کی زکوۃ۔

۱-سرکار نے جس رقم کے ملانے کا وعدہ کیا ہے وہ نہ آپ کی اب تک ملک ہے نہ قبضہ، جب ہوگا تب زکوۃ شروع ہوگی، اور حولان حول کے بعد ہوگی۔

۲-سود کی جو رقم ملے گی وہ آپ کی بونس ہے اسے غریبوں کو تقسیم کردیجئے ہرگز نہ رکھئے، زکوۃ کا سوال ہی نہیں، کیونکہ مال حرام کالعدم ہے۔

دوسری شرط نمو ہے

یہاں مال صرف تین ہیں:

ثمن، چوپائے، سامان تجارت، مال کی تین قسمیں ہیں:

۱-تو سونا چاندی شرعاً ثمن ہیں، لین دین کے لئے قدرت نے اس کو بنایا ہی ہے، اس لئے ان پر زکوۃ واجب ہے، بشرطیکہ قبضہ میں ہو، مال مفقود یا مال قمار نہ ہو۔

۲- جانور اگر نر مادہ دونوں ہوں، چرائی پر گزر بسر کرتے ہوں تو ان میں نمو نہ ہوگا، ان پر ایک خاص نصاب ہو تو زکوۃ واجب ہے، تفصیل کے لئے کتب فقہ دیکھئے۔

۳-مال تجارت چاہے کوئی سامان ہو، مٹی سے ہیرے تک ان کی مالیت پر زکوۃ ہوگی، اور پورا سال گزرنے کے بعد ہوگی تاکہ بھاؤ کے اتار و چڑھاؤ سے ان کی مالیت کا نمو ممکن ہوسکے۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ہے

سوال: انسان کی بنیادی ضرورتیں شرعاً ۹؍ ہیں اگر وہ پوری ہوجائیں تو مسلمان غنی

Marfat.com

ہے ورنہ فقیر اور قابل امداد ہے۔

۱-نفقہ یعنی کھانے پینے کے لئے غلہ، دال، نمک، گوشت، ترکاری وغیرہ سال بھر مہیا کر سکے۔

۲-سکنی، اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق اس کے پاس مکان ہو، جس پر اس کو مالکانہ حقوق حاصل ہوں خواہ مکان ہو یا کوٹھی یا چھپر ہے سامان زندگی یا کرایہ کا مکان ہو۔

۳-سواری، گھوڑا، گدھا، ہاتھی، موٹر سائیکل حسب حیثیت حسب ماحول مع ضروریات وتوابع۔

۴-نوکر چاکر، یا لونڈی، اگر خوش حال گھرانہ ہو یا ڈرائیور وغیرہ جو موٹر چلا سکے۔

۵-آلات معاش، مثلاً کسان کے لئے کھیتی کے سامان، لوہار، بڑھئی، ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کے کاروباری سامان جن کے بغیر معاشی مسائل کا حل نہ ہوسکتا ہو۔

۶-اپنے لئے بچوں کے لئے پہننے، اوڑھنے، بچھانے کے وہ سامان جو ہر موسم کو جھیل سکیں۔

۷-بچوں کی پڑھائی یا تربیت کے سامان اور صاحب علم ہو تو اچھی لائبریری کی ضرورت۔

۸-اس پر کسی کا قرض نہ ہو، اتنا قرض جو اس کی بچت کی رقم کو منہا کردے یا نصاب نہ پورا ہونے دے۔

۹-ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے باوجود اگر بچت کی رقم ہے اور وہ رقم پورے سال تجارت میں یا بینک میں یا تجوری میں یا کہیں محفوظ رہ گئی ہے، اور اس کی مقدار، نصاب زکوۃ کے برابر ہے تو اس کی رقم پر ڈھائی فیصدی زکوۃ واجب ہوگی کہ کسی مستحق کو دے دی جائے۔

Marfat.com

چوتھی شرط دین سے محفوظ ہونا

ٹرکٹر: کسان کے لئے آلات زراعت میں ہے وہ اگر ایک لاکھ کا ہے تب بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

الف- جو قرض لیا گیا ہے اس سے حاجت اصلیہ پوری کر رہا ہے اگر اس کے پورے کاروبار پر وہ دین جاری ہے تو بچت کی رقم کے بغیر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ب- فیکٹری اور کارخانے کے لئے جو قرض لیا گیا ہے وہ قرض اگر تجارت کی لاگت سے زائد ہے تو زکوۃ واجب نہیں، اگر بچت اس سے فاضل ہے اور نصاب کے برابر ہے تو واجب ہے۔

ج- اگر کاروبار کی لاگت ۲ر کروڑ ہے اور قرض ار کروڑ تو حاجت اصلیہ سے فاضل مالیت پر زکوۃ واجب ہوگی، اور جب دس لاکھ کی قسط ادا کر دے گا تو ایک کروڑ دس لاکھ کی زکوۃ دے گا پھر بیس لاکھ کی اسی طرح چلتا رہے گا۔

د- اگر ایک کروڑ کی لاگت ہے اور ایک کروڑ قرض تو کوئی زکوۃ نہیں، وہ قرض اور اس کا سود اس کی لاگت کو کھا جائے گا، بچت کا سوال ہی نہیں ہوگا، اس سے غنی نہیں ہوگا۔

ہ- اگر پچاس لاکھ کی لاگت ہے اور ایک کروڑ قرض تو قسط اور سود سے اس کا کاروبار مکان اور جائداد کوئی محفوظ نہیں رہے گا، بہر حال خدا اس پر رحم کرے اس مالدار فقیر پر۔

کمپنی اور کارپوریشن پر زکوۃ

زکوۃ کے مخاطب وہ مسلمان ہیں جو مالک نصاب ہیں، اس لئے جس کمپنی کو آپ لوگ ایک کروڑ کی لاگت سے چلا رہے ہیں، اس کے جس حصہ دار کے حصے یا جس انداز کی رقم نصاب کو پہنچ جائے گی اس پر زکوۃ واجب ہوگی، مشترک سرمایہ پر زکوۃ نہیں ہوتی، ذاتی مال پر ہوتی ہے۔

Marfat.com

اہم اصول

۱- زکوۃ کا مدار ملکیت پر ہے جو ذاتی ہو، پس انداز ہو یا ضروریات سے فارغ ہو، اور پورے سال کا ہر موسم جھیل چکی ہو پھر بھی موجود ہو اور آپ کے قبضہ میں ہو۔

۲- ہیرے جواہرات اگر مال تجارت ہیں تو ملکیت پر زکوۃ ہے ورنہ کوئی زکوۃ نہیں، کما قال علیہ صلی اللہ وسلم۔

اموال تجارت

سال پورا ہوا تو آپ کی دکان میں جو مال ہے اس کی لاگت پر زکوۃ ہوگی، پھر جب وہ فروخت ہوگا تو پتہ چلے گا کہ لاگت کیا تھی، نفع کیا ہوا، آج تک فروخت نہیں ہوا، آپ کی لاگت والا مال ہے اس پر زکوۃ ہے۔

۱- آپ کی لاگت جتنی ہے اس پر زکوۃ ہے، خواہ تبرک ہو یا پھٹکر جیسی حیثیت ہو یا جیسی مالیت، مال کی تھوک یا خوردہ قیمت کا نہیں بلکہ جتنے ہیں وہ مال بار برداری کے بعد آپ کو پڑا ہے اس لاگت سے مالیت نکال کر زکوۃ دی جائے گی، پھر اس مالیت کو فروختگی میں نفع کی بنیاد بناتے ہیں۔

۲- جو زمین کا کاروبار کرتے ہیں، سال ختم ہونے پر جتنی زمین ان کے قبضے میں ہے اس کی لاگت والی مالیت پر زکوۃ ہوگی، کیونکہ اس کے قبضے میں دی ہے، قوت خرید سے خریدار کو رغبت ہے بائع کو نہیں یہ معاملہ بائع کی ذاتی حیثیت کا ہے جو اس وقت موجود ہے۔

حصص کی زکوۃ

۱- آپ نے کسی کمپنی کے جو حصے خریدے ہیں وہ آپ کی ملکیت ہیں مگر آپ کے قبضے میں نہیں ہیں، لہذا اس پر زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ حصہ واپس ہوگا یا اس کا بدل یا نفع

Marfat.com

ملے گا تو جتنا قبضے میں آئے گا، اتنی رقم اگر نصاب کے برابر ہے تو زکوۃ دیں گے ورنہ نہیں۔

۲- حصص کی جو بھی قیمت آپ کو مل جائے گی، اس کے تناسب سے زکوۃ ہوگی اگر کم ملے گی تو کم پر، زیادہ ملی تو زیادہ پر، فرق یہ ہوگا کہ حصص آپ کے اصل پونجی کے اور اس کی کمی بیشی کا نام نفع نقصان ہوگا مگر اس کا اعتبار رقم کی واپسی پر ہوگا، چنانچہ بمبئی کا اسکنڈل اور لندن کے بینک کا اسکنڈل گواہ ہے کہ حصص کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ حصہ دار کے قبضے میں آجائیں یہ اصول بہت وسیع ہے۔

بونڈز

جس رقم کو میں نے دیا ہے اور بینک نے یا سرکار نے مجھے مدتی بونڈ عطا کر دیا ہے یہ بونڈ نوٹ نہیں ہے، نقد نہیں ہیں، بلکہ سرکاری رسید ہے کہ تمہارا مال ہمارے پاس ہے، اس لئے وہ رقم جو آپ کے قبضے میں نہیں ہے، اس پر آج زکوۃ واجب نہیں اس وقت واجب ہوگی جب بونڈ کیش ہو جائے گا اور ان تمام سالوں کی واجب ہوگی، جتنے سال سرکاری تحویل میں وہ رقم رہی ہے، وجہ وہی ہے کہ ملک تام نہیں، کیونکہ قبضہ نہیں ہے، اور چونکہ آپ کے پاس پکی رسید ہے اور سرکار کو انکار نہیں، اس لئے وہ قمار بھی نہیں ہے، اس لئے پوری مدت کی زکوۃ ہوگی۔

نصاب زکوۃ

سوالات کے جوابات

شرعاً چاندی اور سونا دونوں ثمن ہیں اور آپ کے ماننے نہ ماننے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا وہ ثمن خلقی ہی رہیں گے اس لئے:

الف- اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہے تو ۲۰۰/ درہم سے نصاب شروع ہوگا، جہاں تک پہنچے حساب یہی ملے گا۔

Marfat.com

ب-اگر کسی کے پاس صرف سونا ہے تو ۲۰ر مثقال سے نصاب شروع ہوگا، جہاں تک پہنچے۔

ج-اگر دونوں میں سے کسی کا نصاب مکمل نہیں ہے تو دونوں کو وزن یا قیمت کے لحاظ سے دیکھیں گے، اگر کوئی نصاب مکمل ہو جاتے ہیں تو زکوۃ واجب ہوگی نہیں تو نہیں ہوگی۔

د-رہا مال تجارت تو اگر کسی تاجر کے پاس اس کی حاجت اصلیہ سے فاضل جو مالیت ہے وہ ۲۰۰ر درہم سے زائد ہے تو وہ غنی ہے، اس پر شرائط کے بعد زکوۃ واجب ہوگی لیکن اگر مال تجارت کی قیمت ۲۰۰ر درہم سے کم ہے تو وہ مسلمان شرعاً فقیر ہے، زکوۃ اس کو دی جاسکتی ہے، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ہ-ایسا اس لئے ہے کہ فقیروں کے لئے یہ مفید ہے کہ چاندی کا نصاب مان لیا ہے ورنہ سونے کو محور بنایا جائے گا، تو تاجروں کو تھوڑا موقع اور مل جائے گا، مگر فقیروں کا نقصان ہوگا اور یہ فرق صرف ابتدا کرنے میں ہے کہ کہاں سے شروع کیا ہے ورنہ جب شروع ہوگیا تو ہر مالک نصاب دوسرے کے برابر ہے۔

و-سونے چاندی کی زکوۃ کا مسئلہ ہر مسلمان سے متعلق ہے، خواہ ہمالیہ کی ترائی کا ہو یا امریکہ کے بازار کا ۱۹۹۲ کا ہو یا ۲۲۹۲ کا۔ دوسرے یہ کہ من موہن سنگھ نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس کے سونے کی وہ برتری خال میں مل جائے گی، جو ہندوستان میں اس کو حاصل ہوگئی ہے، تیسرے یہ کہ اگر ثبوت غنا کے لئے سونا اور ثبوت فقر کے لئے چاندی کو معیار قرار دیں گے تو فقر وغنا کے درمیان ناقبل عبور خلیج پیدا ہو جائے گی، اور یہ طے نہیں ہو سکے گا کہ غنا کب اور فقر کب شروع ہوا، اسی لئے شریعت نے دونوں میں سے ہر ایک کو ثمن قرار دے کر ماحول کو پابند کر دیا ہے اور فقر وغنا کے درمیان کوئی واسطہ نہ رکھ کر کام آسان کر دیا ہے۔

Marfat.com

مصارف زکوۃ

مہتمم یا ناظم یا منیجر عطیہ یا زکوۃ دینے والوں کا وکیل ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ زکوۃ دینے والوں کی رقوم کو مستحقین زکوۃ تک پہنچائے، مستحقین تو مصرف زکوۃ ہیں اور مہتمم دونوں کے درمیان واسطہ ہیں۔

الف- مہتمم کی طرف سے کسی مستحق کو جو رقم سپرد کر دی گئی وہ زکوۃ ادا ہوگئی، اور وہ شخص اتنی رقم کا مالک ہوگیا، اب ایسے شخص کو حق ہے کہ اپنے کھانے کا، رہائش کا، ٹیوشن کا، نظم وضبط کا خود انتظام کرے، کیونکہ مال ان کے پاس ہے، وہ انجمن بنا کر اسے چلائیں گے اور جہاں چاہیں گے کرایہ کا مکان لے کر رہیں گے، جس کو چاہیں گے مدرس رکھ کر پڑھائیں گے، پھر مہتمم صاحب کہاں جائیں گے؟ انہیں سوچ لینا چاہیے جیسے الہ آباد بورڈ کے مدرسین مالک مدرسہ ہیں اور کاٹھ کا، مہتمم نام کا مہتمم، یہ فتنے کا گھر ہے اس دروازے کو نہ کھولیے۔

ب- پھر جن لوگوں نے جائداد، کمرے، سامان بطور اوقاف مدرسہ میں دیا ہے کہ ان کا آپ کو یا ان کے ورثاء کو ثواب ملتا رہے گا، یہ صدقہ جاریہ، اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، پھر تو سارا مال تجارتی سامان ہوگا، کرایہ کا مکان کرایہ کی زمین، کرایہ کی سواری۔

ج- بہت سے علماء کو عطیات کی رقم سے تنخواہ لینے میں تردد ہوتا ہے اور آپ نے زکوۃ سے تنخواہ لینے اور طلباء کے ہاتھوں ذلیل کرنے کا راستہ نکال کر اداروں کی دینی حیثیت کو داؤ پر لگا دیا ہے اور اسکولوں کی طرح تجارت گاہ بنا دیا ہے، خدارا رحم کیجئے دینی اداروں پر۔

د- یہ صورت بہت اچھی ہے کہ طلباء کے خوراک اور وظیفے کی رقم ان کو نقد دیدی جائے اور وہ مطبخ میں جمع کر دیں، وہاں سے سارے انتظام ہوتے رہیں، اس سے تملیک بھی ہوتی رہے گی، انتظام بھی چلتا رہے گا۔

Marfat.com

عاملین علیہا

رمضان وغیرہ میں اداروں کے جو مدرسین، ملازمین، نظماء اور اراکین چندہ وصول کرتے ہیں ان میں اکثر اداروں کے مستقل ملازم ہوتے ہیں، ان کی تنخواہ وغیرہ زکوۃ سے نہیں دی جاسکتی۔

الف-ہاں پورے سال میں وہ زکوۃ ہی وصول کرلاتے ہیں تو ایسی وصولی کے تناسب سے ان کی تنخواہ کا کوئی حصہ زکوۃ سے لیا جاسکتا ہے۔

ب- زکوۃ کے مصارف بیان کرنے کا انداز انحصار کا ہے ''اِنما الصدقات'' اس لئے جب تک مستحق زکوۃ ہوں گے دی جائے گی، جتنے مستحق زکوۃ ہوں گے اسی مقدار سے دی جائے گی اور ''عاملین علیہا'' کی اصطلاح بھی مستقل ملازمین کو شامل ہونے نہیں دیتی۔ متکلم کی منشا کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔

ج-کمیشن، اہل علم کا کبھی دستور نہیں رہا نہ علماء نے اجازت دی ہے، اگر اس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے، تو جو لوگ فیصدی کمیشن لیتے ہیں اور پھر مصارف سفر وصول کرتے ہیں اور اگر کوئی رقم کہیں باقی رہ گئی ہے تو اس کا بھی کمیشن لے لیتے ہیں، ان کو آپ کیا کہیں گے، بعض لوگ فرماتے ہیں کہ ہماری جیب سے کیا گیا؟ مگر انہیں معلوم نہیں کہ جتنی رسید آپ کے سفیر نے کاٹ دی ہیں ان سب رقوم کا آپ کو یہاں سے آخرت تک حساب دینا ہے، پھر خدا سے کیا معذرت فرمائیں گے۔

د- جو ادارے کا کلرک ہے وہ بیت المال کا منشی ہے وہ رقم کی وصولی نہیں کرتا، مگر اس رقم کے خرچ کا حساب لکھتا ہے، اس لئے ''عاملین علیہا'' کی مد میں شامل نہیں ہوسکتا۔

فی سبیل اللہ

قرآن، کتاب الٰہی، فرمان خداوندی اور بندوں کے نام احکام لے کر آیا ہے، قرآن

Marfat.com

نے عبادات و معاملات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی تعبیرات کے لئے اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ آپ ان اصطلاحوں کا معنوی تعین آج کی لغت سے نہیں کر سکتے، اس وقت کے فہم و ادراک سے کر سکتے ہیں۔

الف- ''فی سبیل اللہ'' قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، سوال یہ ہے کہ اس سے متکلم کا منشا کیا ہے؟، کیونکہ متکلم کی منشا کا نام تفسیر ہے، ظاہر ہے کہ خدا کی منشا اگر معلوم ہوگی تو خود قرآن سے ہوگی، یا پیغمبر سے معلوم ہوگی، حد سے حد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی زبانی معلوم ہوگی۔ ہاں اگر ان میں سے کسی سے نہ معلوم ہو تو تفسیر کرنا ممکن نہیں، ہم لغت، محاورہ یا اصول کے ذریعہ اس کی تاویل کر سکتے ہیں، تفسیر نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں تاویل کی اس لئے گنجائش نہیں کہ تفسیر موجود ہے اور جب خود حضور سے تفسیر موجود ہے تو لغت کے ذریعہ اس کا معارضہ کرنا خلاف اصول اور جرأت ہے۔

ب- حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کا استعمال جہاد کے لئے ہوتا ہے یہی بات عام مفسرین کہتے ہیں اور خود حضور نے ''غازی فی سبیل اللہ'' کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا ترجمہ اور مطلب جہاد ہے۔ نیز بخاری میں حضور کا شعر مروی ہے کہ انگلی زخمی ہوگئی تو فی سبیل اللہ فرمایا:۔

"إن أنت إلا إصبع دميت　　　وفي سبيل الله مالقيت"

ج- ان ہی وجوہ سے جمہور فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا ہے اور بعض احادیث کے تقاضہ سے امام محمد جیسے حضرات نے حج کو بھی فی سبیل اللہ میں صرف اس وجہ سے داخل کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ سے ثابت ہے، اور ویسے بھی ہوسکتا ہے کہ حضور نے حج کو عورتوں کا جہاد فرمایا ہے۔

د- رہا اختلاف روپے یا اختلاف مسائل کا ختم کرنا تو یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے، نہ دلیل

Marfat.com

ہے نہ اس سے ان مسائل کا اختلاف ختم ہوسکتا ہے جو صدر اول سے چلے آرہے ہیں، نہ اس کے لئے لغت اور ان کے لئے توسع سے کام نکالا جاسکتا ہے، کیونکہ اس سے صرف اتنا ہوگا کہ ایک پانچویں رائے اور پیدا ہو جاوے گی، کہ علامہ بھوپالیؒ نے لغت کے سہارے زکوۃ کو عام کردیا ہے کہ ایک اجتہادی مسئلہ بن گیا ہے، اور اصل یہ ہے کہ صدر اول میں فقہاء اور علماء نے قرآن واحادیث کے پر معانی امارت کی روشنی میں متعین کررہے ہیں، ان کے دور کی رائے قبول کرلی جائے۔ ہاں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان کے دلائل، اقوال اور علت واسباب کا پتہ لگا کر کوئی رائے قائم کی جائے، ورنہ پرانے مسائل کو نئے رجحان سے طے کرنا ایک خطرناک کھیل ہے اور بے سود محنت۔

ہ- علامہ کاسانی کا یہ استدلال بہت اچھا ہے کہ حضرت معاذ کو معجز اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت دی ہیں، اس میں بخاری و مسلم کی روایتوں میں ہے کہ:

"توخذ من أغنيائهم وترد إلى فقراء هم"

اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کے لحاظ سے انسانوں کی دو صفیں ہیں، ایک اغنیاء کی دوسری فقراء کی، اور زکوۃ کا مصرف وہ فقراء ہیں جن کی فہرست قرآن نے دی ہے، البتہ چونکہ حدیث صحیح کی وجہ سے "عاملين عليها" کے غناء کے باوجود دیا جائے گا، اس لئے اس فہرست میں ان کا اضافہ غالباً اس لئے ہے کہ زکوۃ جب تک جمع نہ کی جائے گی، اس فہرست کے مطابق تقسیم نہیں کی جاسکتی، اس لئے غناء کے باوجود اجازت دی گئی ہے ورنہ اصل ہے فقر وحاجت وغیرہ، اسی وجہ سے علامہ کاسانیؒ نے فی سبیل اللہ میں اگر وسعت بھی رکھی ہے تو فقر کی قید لگادی ہے اور شخصی طور پر ادا کرنے کی رعایت کی ہے۔

و- بہتر ہو کہ جن مسائل کو ائمہ نے نصوص کی روشنی میں جمع کردیا ہے اور جمہور فقہاء نے اسے قبول کرلیا ہے اس پر لغت اور محاورے کی مدد سے اضافہ نہ کیا جائے ورنہ دین بازیچہ اطفال بن جائے گا۔

Marfat.com

خلاصہ جوابات

مولانا اختر امام عادل☆

۱- مال تجارت کی زکوۃ قبل القبض خریدار اور بائع کسی پر واجب نہیں ہے، البتہ وہ قیمت جو ادا کی جا چکی مگر اس کا بدل خریدار کے حوالہ نہ کیا گیا اس کی زکوۃ بائع پر واجب ہے۔

۲- کرائے کے مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے اس نقد کی زکوۃ مالک مکان پر واجب ہے کرایہ دار پر نہیں۔

۳- جس مال کا کوئی مالک متعین نہ ہو، جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والے رقم، ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

۴- مال حرام اگر خالص ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور اگر مال حلال اس طرح مخلوط ہو گئے ہوں کہ دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہو تو اس صورت میں مال حرام کو الگ کرنے کے بعد اگر اس کے پاس بہ قدر نصاب مال موجود رہتا ہے تو مال مخلوط پر زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

۵- دین کی زکوۃ دائن پر واجب ہے مدیون پر نہیں، اگر چہ مدیون دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر کے اس رقم سے استفادہ کر رہا ہو، مگر راجح مسلک کے مطابق اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

☆ مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور، بہار۔

Marfat.com

دین کی وصولی کی اگر امید ہوتو اس کی زکوۃ دائن پر واجب ہے، اگر اس کے پاس اس کے علاوہ بہ قدر نصاب مال موجود ہے تو ہر سال اس کی زکوۃ ادا کرے ورنہ دین کی وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔

اگر دین کی وصولیابی کی امید نہ ہوتو یہ مال ضمار کے حکم میں ہے، اس کی زکوۃ وصولی سے پہلے واجب نہیں اور وصولیابی کے بعد صرف آئندہ کی زکوۃ واجب ہوگی، گزشتہ کی نہیں۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی رقوم پر زکوۃ واجب ہے اگر اس کے علاوہ نصاب موجود ہوتو سالانہ زکوۃ ادا کی جائے گی، ورنہ وصولیابی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ دینی ہوگی۔

دوسری شرط نما

نما کی دو قسمیں ہیں (۱) نما حقیقی۔ (۲) نما تقدیری۔

نما حقیقی میں تجارت وسیاحت کی تمام شکلیں داخل ہیں، اور نما تقدیری سے مراد مال میں افزائش کی صلاحیت ہے، جیسے نقود، سونا چاندی، دونوں طرح کی نما کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے۔

حاجت اصلیہ کی تعریف اور دائرہ

حاجت اصلیہ میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اور جن کے بغیر حقیقی یا حکمی تباہی آسکتی ہو، حاجت اصلیہ کا عین ہر دور اور ہر ماحول کے اعتبار سے کیا جائے گا، مگر نقطہ اعتدال پر قائم رہ کر۔

دین مانع زکوۃ

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ دونوں کے نصاب میں دین مانع زکوۃ ہے، البتہ کھیت اور

Marfat.com

باغات کا استثناء ہے، اسی طرح دین العباد مانع زکوۃ ہے اور دین اللہ میں صرف وہ دین مانع زکوۃ ہے جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے کیا جائے۔

طویل المیعاد دین جس کی ادائیگی قسط وار کی جائے اس میں سالانہ واجب الاداء قسط اموال زکوۃ سے منہا کی جائے گی، پورے قرض کو منہا نہیں کیا جائے، باقی مال میں زکوۃ واجب ہوگی۔

کمپنیز پر زکوۃ

کمپنیز کی مجموعی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ مشینوں اور آلات حرفت کے استثناء کے بعد جس کا انفرادی حصہ بہ قدر نصاب ہوگا اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور جس کا حصہ نصاب سے کم ہوگا اس پر زکوۃ نہیں ہوگی۔

ہیرے اور جواہرات

ہیرے اور جواہرات اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں، اسی طرح مالی قوانین سے بچنے کے لئے بڑی مالیت ہیرے اور جواہرات کی شکل میں محفوظ کردیے گئے ہوں، یا عورتیں ان کو محض تزیین وآرائش کے لئے حد اعتدال سے زیادہ مقدار میں استعمال کرتی ہوں تو ان پر بھی زکوۃ فرض ہے۔

اموال تجارت پر زکوۃ

سامان تجارت کی مالیت کا تعین ادائیگی زکوۃ کے دن کے نرخ سے کیا جائے گا اور اگر تھوک کاروبار ہو تو تھوک بھاؤ کا اعتبار ہوگا، اور اگر پھٹکر کاروبار ہو تو پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا۔

جو لوگ اراضی کی خرید وفروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں، سال پورا

Marfat.com

ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں ہیں وہ اراضی بھی اموال زکوۃ میں شمار ہوں گی، اوران پر زکوۃ کا وجوب بازاری قیمت فروخت کے لحاظ سے ہوگا۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

شیئرز پر ایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوۃ واجب ہے اوران کی مالیت کا تعین بوقت ادائے زکوۃ ان کے بازاری نرخ سے کیا جائے گا۔

قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈز پر لگایا ہے اس پر زکوۃ واجب ہے، البتہ ادائیگی کیش کرانے کی بعد واجب ہوگی اور گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی دینی ہوگی۔

محور ثانی - نصاب زکوۃ

چاندی اور سونے کے نصاب میں اصل چاندی کا نصاب ہے، نصاب حرمت زکوۃ اور نصاب موجب زکوۃ دونوں ہی میں چاندی کا اعتبار ہوگا۔

محور ثالث - مصارف زکوۃ

تملیک کی مذکورہ شکل درست ہے، مہتمم طلبہ کا وکیل ہے، زکوۃ دینے والوں کا نہیں، سفراء کا کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ سفراء عاملین زکوۃ کے حکم میں ہیں ان کو ان کے عمل کے بقدر زکوۃ دی جائے گی، جس میں آمد وخرچ کا تناسب زیادہ سے زیادہ مساوی ہونا چاہئے، ورنہ عام حالات میں کوشش یہ ہونی چاہئے کہ آمد زیادہ اور خرچ کم ہو۔

مصرف سابع - فی سبیل اللہ

۱- مصارف زکوۃ کی آیت میں حصر سے مراد حصر حقیقی ہے۔

Marfat.com

۲- قرآن میں فی سبیل اللہ متعدد معانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، مگر اس کا تعین سیاق وسباق کے ذریعہ ہوگا، البتہ جہاں قرآن میں فی سبیل اللہ مطلق بغیر کسی سیاق وسباق کے استعمال کیا گیا ہے وہاں جہاد مراد لیا گیا ہے۔

۳- آیات واحکام کی تفسیر میں قرون اولی کے اقوال کو تقدم حاصل ہے، قرون اخیرہ کے صرف وہ اقوال معتبر ہیں جو کسی ایسی علت پر مبنی ہوں جو آیت میں مذکور ہو، اور تفسیر بالرائے کے ذیل میں نہ آتے ہوں، ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

۴- الف: زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق میرے نزدیک جہاد ہے اور وہ تمام حضرات اس کے دائرے میں آتے ہیں جو کسی نوع کا جہاد کر رہے ہوں۔

ب: فی سبیل اللہ میں حنفیہ متفقہ طور پر فقر کی شرط لگاتے ہیں، مگر مجھے اس میں شک ہے۔

۵- مصارف زکوۃ میں ایسی تعلیل وقیاس کی اجازت ہے جس سے حصر حقیقی پر کوئی اثر پڑے بغیر اصناف ثمانیہ کے افراد وانواع میں توسع ہو جائے، مگر ایسی تعلیل جس کی زد حصر حقیقی پر پڑتی ہو جائز نہیں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی علت نصرت دین، اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اور یہ علت عسکری جہاد کی طرح فکری، سیاسی اور اقتصادی جہادوں میں بھی موجود ہے، اس لئے ان کو بھی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

۶- مگر اس میں تمام دینی ادارے، تنظیمیں، مدارس، خانقاہیں اور اکیڈمیاں داخل نہیں ہیں بلکہ صرف وہ ادارے، تنظیمیں اور اہل قلم داخل ہیں، جن کی جدوجہد کا رخ دشمنان اسلام کی جانب ہو، اور جو دشمنوں کے پھیلائے ہوئے شکوک وسازشوں کا تعاقب کر رہے ہوں، جو دینی ادارے مسلمانوں کے اندر دینی مسائل وامور میں مشغول ہیں وہ جہاد فی سبیل اللہ میں داخل نہیں

Marfat.com

ہیں، اس لئے کہ جہاد کے لئے دشمن سے مقابلہ اور مخالف ماحول میں کلمہ حق بلند کرنا شرط ہے جو ان اداروں میں مفقود ہے۔

جوابات ضمیمہ سوالات بابت زکوۃ

۱- اگر شیئرز کی خرید وفروخت تجارتی نقطہ نظر سے کی جائے تو اس کی بازاری قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی لیکن اگر تجارت مقصود نہ ہو تو اس سرمائے پر زکوۃ واجب ہوگی جو کمپنی میں لگی ہوئی ہے، اس صورت میں ضروری اخراجات کو منہا کیا جائے گا۔

۲- اگر کاروبار تجارتی ہو تو پورے سرمائے اور آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی، لیکن اگر کاروبار صنعتی ہو تو صرف آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی، آلات صنعت پر زکوۃ نہیں ہے۔

۳- شخصی اخراجات کی تحدید کے لئے کوئی ایک معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ہر فرد اور سماج کے لحاظ سے وہاں کے اہل علم ودانش یہ طے کریں گے کہ شخصی اخراجات کی حد کس کے لئے کیا ہوگی؟۔

۴- اسلام سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور نہ سرمایہ کے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے ممنوعات کے ارتکاب کی اجازت دیتا ہے، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں غیر سودی طریق پر سرمایہ دار بننے کے مواقع کم ہیں، ایک سچے مسلمان کے لئے دو راستے میں سے ایک اختیار کرنا ہے۔

۱- یا تو وہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کی تحصیل کے لئے اسلامی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر ہر جائز وناجائز طریق کو اختیار کرلے۔

۲- یا پھر وہ محتاط اور اوسط زندگی گزارنے پر قانع ہوجائے، مسلمان کسی زمانہ میں سرمایہ اور دولت کے بل بوتے آگے نہیں بڑھے، بلکہ اپنے علم وفن، عقل ودانش اور ایمان وحوصلہ

Marfat.com

کے ذریعہ انہوں نے دنیا پر حکومت کی، اور قوموں کی تقدیر کے نقشے تیار کیے، آج مسلمان انہیں جواہر گراں مایہ سے بے بہرہ ہیں، اس محرومی کی تلافی ناجائز طریقہ پر حاصل کردہ سرمایہ نہیں کرسکتا، آج مسلمانوں کو دنیا طلب اور مادہ پرست بنانے کے لئے اسلامی قوانین میں ترمیم کا مشورہ دینے کے بجائے ان کو ان بنیادی اور تعمیری خطوط پر لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے جن پر چل کر ہمارے اسلاف نے حکومت و برتری حاصل کی تھی۔

Marfat.com

ضمیمہ سوالات کے جوابات

مولانا جمیل احمد نذیری ☆

اخراجات کے بعد جو خالص رقم ہو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، یہاں عام طور پر تین حالت ہوتی ہے:

الف- کمپنی کی رقم سے فرنیچر و آلہ تجارت وغیرہ خریدا گیا ہو۔

ب- سامان تجارت ہو جس کی خرید و فروخت کی جارہی ہو۔

ج- نقد رقم خواہ کمپنی کے پاس ہو یا کمپنی نے کسی بینک وغیرہ میں جمع کر رکھی ہو۔

اس میں اول الذکر کی مالیت پر کوئی زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ فرنیچر اور آلۂ تجارت پر زکوۃ نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"وكآلات الحرفة وأثاث المنزل" (رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۶)۔

(حاجت اصلیہ جیسے آلہ حرفت اور گھر کا سامان)

البتہ سامان تجارت اور نقد رقم پر زکوۃ واجب ہوگی، سامان تجارت کا موجودہ ریٹ معلوم کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ زید اپنے شیئرز کے اعتبار سے کمپنی کے کتنے سامان تجارت اور نفع (مثلاً نقد رقم) کا شریک ہے، لہذا سامان تجارت کی مالیت اور نقد رقم کو جوڑ کر جتنے میں اس

32/6

☆ مبارک پور، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

کی شرکت وحصہ ہے اتنے کی زکوۃ واجب الاداء ہوگی، حسابات کی تفصیل کمپنی منیجر یا کسی ذمہ دار سے معلوم کر کے اپنے شیئرز کے مطابق زکوۃ ادا کردی جائے (امداد الفتاوی ۳/ ۵۱۰ تا ۵۱۲، نظام الفتاوی ۲/ ۱۶۷)۔

شیئرز کی بازار میں، خواہ کچھ بھی قیمت ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا، کمپنی میں شیئرز کی جو مالیت بنتی ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

آپ خود اپنے آخری سوال کے تحت لکھتے ہیں:

''بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں آج شیئرز مارکیٹ جوئے کا اڈہ بن گئی ہیں جہاں مارکیٹ پر کنٹرول کرنے والوں کی من مانی سے یا سیاسی تبدیلیوں سے، افواہوں سے قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں، شیئرز کی قیمتوں کا کوئی تعلق کمپنی کی مالی حالت سے نہیں ہوتا''۔

جبکہ زکوۃ کا تعلق کمپنی کی مالی حالت اور کمپنی میں شیئرز کی مالیت سے ہے، شیئرز والا کمپنی میں جتنے سامان تجارت ونقد رقم کا مالک ہو اتنی ہی مالیت کی زکوۃ ادا کرے۔

۲- اگر نفع سے مراد نقد رقم اور اسٹاک سے مراد سامان تجارت (جس کی خرید وفروخت کی جارہی ہے) ہو تو زکوۃ دونوں پر واجب الاداء ہوگی، اسٹاک کی موجودہ بازاری قیمت تخمیناً لگا کر زکوۃ ادا کی جائے۔

کاروباری ادارہ کی عمارت، کرسی، الماری وغیرہ اور آلہ تجارت مشینری وغیرہ (جس سے مال تیار کر کے فروخت کیا جارہا ہے) پر زکوۃ نہیں ہے، لہذا اس کی مالیت جوڑنے کی ضرورت نہیں۔

۳- شخصی اخراجات کی تحدید کے لئے احقر کے خیال میں کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہے، ہر شخص اپنی مالی وعرفی حیثیت کے اعتبار سے اپنے رہائشی مکان، لباس، خورد ونوش، سامان خانہ، نوکر وخدمت گار اور سواری وغیرہ کا بندوبست کرتا ہے، اس میں شرعاً کوئی مانع نہیں، اسراف وتبذیر نہیں ہونا چاہئے یہی چیزیں حاجت اصلیہ میں شامل ہیں۔

Marfat.com

۴- کمپنی کے حصص ویونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے شیئرز اور اسی کی ہم معنی چیزوں میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، بونڈز اور قرض تمسکات نہ خریدے جائیں، الا یہ کہ ایسے بونڈز وقرض تمسکات کی حیثیت وقتی ہو۔

انتہائی مجبوری درجہ میں ایسے بونڈز اور قرض تمسکات بھی خریدے جاسکتے ہیں جو ناقابل تبدیل ہوں، اس صورت میں جو سود ملے اسے بلانیت ثواب غرباء پر صدقہ کردیا جائے یا رفاہی امور میں خرچ کردیا جائے۔

سوال میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض میں سود کے نام سے ملنے والی رقم پر شرعاً سود کا اطلاق نہیں ہوتا، مثلاً ۴ر کے تحت پراویڈنٹ فنڈ کا معاملہ (کفایۃ المفتی ۸ر ۹۳، امداد الفتاوی ۳ر ۱۴۹)۔

اسی طرح سوال نمبر ایک کے تحت زمینداری کے خاتمہ پر ان املاک کے مالکوں کو معاوضہ میں جو بانڈز دیئے گئے تھے وہ بھی احقر کے خیال میں ''سود'' کے ذیل میں نہیں آتے، بلکہ پوری رقم مع سود، زمین کا معاوضہ قرار پائے گی، کیونکہ مالکوں نے کوئی رقم نہیں دی جس کے عوض میں زائد رقم ملی ہو اور شرعاً سود کہلائے بلکہ حکومت نے ان کی زمینداری ختم کرکے ان کی زمینوں یا زمین داری کا معاوضہ جو بانڈز ہے دو فی صد سود کی صورت میں دیا، یہ مجموعی رقم معاوضہ ہے، شرعاً سود نہ ہوا، اور پراویڈنٹ فنڈ کی طرح یہ بھی تبرع ابتدائی ہے۔

دو اور تین کی شکلیں مجبوری کی ہیں، لہذا ان میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، جہاں ظالمانہ ٹیکس دینا پڑے وہاں سود سے حاصل شدہ رقم ٹیکس میں دے دی جائے اور جو رقم اس سے بچے وہ سود کے شرعی مصارف (غرباء پر صدقہ اور رفاہی کام) میں خرچ کردی جائے۔

Marfat.com

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

مفتی عزیز الرحمٰن مدنی ☆

نصاب زکوٰۃ

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مالداری (صاحب نصاب ہونا) کی حد مقرر کی ہے، مقررہ حد سے کم فقیر مستحق اخذ زکوٰۃ وصدقات ہے اور مقررہ حد یا اس سے اوپر کو مالداری یا غنی جس کو صاحب نصاب کہا جاتا ہے، اس کے لئے اخذ زکوٰۃ وصدقات حرام ہے، اسلام نے یہ حد بندی چاندی اور سونے کے ذریعہ کی ہے جو آج تک برقرار ہے، جواہرات اور موتی، ہیرے وغیرہ قیمتی سے قیمتی دھاتوں کی قیمت کا تعین ان ہی دو چیزوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس وجہ سے ان تمام قیمتی اشیاء کو عروض تجارت میں شمار کیا ہے، بشرطیکہ وہ اسی غرض سے فراہم کئے گئے ہیں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

"لا زكوٰة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً إلاأن يكون للتجارة" (درمختار ۲/۱۸)۔

یہ جواہرات کسی شخصیت کے تمول اور قدآوری کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ٹی وی، فریج وغیرہ، اس لئے زکوٰۃ میں مالداری کی حد بندی ان اشیاء سے نہیں بلکہ چاندی سونے سے ہوتی ہے، سونے میں بیس مثقال اور چاندی میں دوسو درہم ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں نوٹوں

☆ دارالافتاء، بجنور، (یوپی)۔

Marfat.com

کی ایجاد نے نوٹوں کو معیار قرار نہیں دیا بلکہ معیار وہی ہے یعنی چاندی سونا، اس وقت یہ فرق غیر متوازن ہو گیا ہے، جس زمانہ میں احکام زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ مقرر ہوا تھا اس وقت تو بیس مثقال برابر دو سو درہم تھے، لیکن اب نہیں ہیں، اس لئے اب کسی کے پاس اگر دس مثقال سونا ہے اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دو سو درہم چاندی کا حکماً مالک نہیں ہے، بے شک وہ مالک ہے بلکہ کچھ زائد کا مالک ہے اور صاحب نصاب ہے۔

الف- اس وجہ سے کہ جس کے پاس دس مثقال یا ایک تولہ سونا ہے وہ کچھ نہ سہی دو چار کے نوٹ تو ضرور اپنے پاس رکھتا ہوگا۔

ب- بالفرض اگر دو چار روپیہ بھی پاس نہ ہوں تب بھی وہ صاحب نصاب ہے، کیونکہ سونا نہ سہی چاندی کا نصاب تو قیمتاً پورا ہو ہی جاتا ہے (رد المحتار ۲/۲۱)۔

ملکیت اور قبضہ

زکوٰۃ کے بیان میں دوسرا اہم مسئلہ ملکیت کا ہے، اسی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ملکیت سے مراد کیا ہے؟ اس پر حضرات فقہاء کی بہت جامع و مانع تعریفات ہیں:

الف- "الزکٰوة فی الشرع عبارة عن إخراج الحر المسلم البالغ العاقل إذا ملک نصابا ملکاً تاما طائفة من المال إلى الصرف" (البنایة ۱/۱۵۱ مطبوعہ نولکشور)۔

لیکن ملک تام سے مراد کیا ہے؟

ب - "الملک قیل: هو القدرة على التصرف" (البنایة ۱/۱۵۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملک تام وہ ہے کہ مالک بھی ہو اور تصرف کی قدرت بھی رکھتا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ قبضہ بھی ہو، اور قبضہ ہی وہ حقیقت ہے جو تصرف کا حق دیتا ہے، چنانچہ

Marfat.com

مہر قبل القبض کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

"ولا یحصل الا بالقبض" (البنایہ ۱/۱۵۲، الأشباہ/۶۸)۔

یعنی مہر کی ملکیت تو عورت کے لئے نکاح ہوتے ہی متعین ہوگئی، لیکن چونکہ قبضہ نہیں ہوا اس لئے اس کے تصرف کی قدرت بھی معدوم ہے بایں وجہ عورت پر زکوٰۃ واجب نہیں اور مرد پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے عورت کی ملکیت مانع نہیں۔

"وعن أبی حنیفةؒ لا یمنع إلٰی قوله والصحیح أنه غیر مانع" (ردالمحتار ۲/۵)۔

موجودہ زمانہ میں وہ اشیاء (خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی) جن کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہے اگرچہ خریدار مالک ہوچکا ہے، لیکن ملک ناقص ہونے کی وجہ سے ادائے زکوٰۃ میں باوجوب زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگی، یہیں سے ایک دوسرا مسئلہ بھی مستفاد ہوتا ہے، یعنی پراویڈنٹ فنڈ۔ جس کی تفصیل سوال نمبر ۶ میں مذکور ہے۔ پر زکوٰۃ کا معاملہ، اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اس فنڈ کی رقم اگر پیشگی طور پر کل رقم کا جزو لیا جاتا ہے وہ قرضہ ہوتا ہے جس کو صاحب فنڈ، یعنی مالک ادا کرتا ہے، اس فنڈ کی رقم کا وہ حصہ جو تنخواہ میں سے وضع کرلیا ہے کہ وہ سرکار یا کمپنی کے ذمہ قرض ہوتا ہے اور جو اضافہ ہوتا ہے وہ امداد ہے جس کا مالک ملازم ملنے پر ہی ہوگا، یعنی بقدر تنخواہ حصہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور بقدر اضافہ جو ایک قسم کا قانونی وعدہ ہے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ وہ ملک تام نہیں ہے۔

مال مخلوط پر زکوٰۃ

یہیں سے ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بینکوں اور ڈاک خانوں اور ایسے ہی پراویڈنٹ فنڈ پر جو سود لگایا جاتا ہے اور یہ سب مال مل جاتا اور مخلوط ہوجاتا ہے، اس کے بارے میں بھی یہ حکم ہے کہ جب اصل رقم کا اضافہ کردیا گیا تو کھاتہ دار کل رقم کا مالک ہوجاتا ہے، لہٰذا کل

Marfat.com

رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

اس لئے کھاتہ میں سود کی رقم کا جو اضافہ ہوا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ ملک تام ہے اگر چہ اس کا سبب حرام ہے۔

مدارس اور اوقاف کے مال

ملک تام نہ ہونے کی وجہ سے مدارس اور اوقاف کے اموال پر، ایسے ہی بیت المال کے اموال پر اور ایسے ہی مسلم فنڈس کے اموال پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔

مصارف زکوٰۃ

منجملہ مصارف زکوٰۃ میں عاملین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کا مصرف قرار دیے گئے ہیں اور ان کو قرآن پاک نے مصرف قرار دیا ہے، زمانہ رسالت میں اور اس کے بعد بھی زکوٰۃ کی وصولیابی کا انتظام اور ایسے ہی اس کے خرچ کا انتظام اسلامی گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہا ہے، گورنمنٹ اپنے ہی افسران کے ذریعہ اس کو وصول کراتی اور اپنے ہی افسران کے ذریعہ اس کو تقسیم کراتی تھی، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا: "ولو منعونی عقالاً" اگر مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا، تو ان سے جہاد کیا جائے گا۔

یہ بھی مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ زکوٰۃ کا اجتماعی نظم انفرادیت پر آگیا، جس کی وجہ سے وہ اپنی اقتصادیات کے مسائل حل نہ کرسکے۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ فقہی اصطلاح میں تراضی مسلمین کے تحت ہر قریہ اور ہر بستی میں امیر یا قاضی کا تقرر جائز ہے اور طلاق ونکاح، رویت ہلال وغیرہ کے بارے میں اس کے فیصلے نافذ ہیں تو کیوں نہیں فریضۂ زکوٰۃ کے اجتماعی نظم کے قیام کی طرف توجہ دی جاتی ہے؟ غالباً اس میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یہ مدارس اور مکاتب کس طرح چلیں گے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اس اشکال میں قومی اور اسلامی مفاد کے

Marfat.com

بجائے انفرادی منفعت زیادہ حائل ہے۔

عاملین زکوٰۃ یا محصلین زکوٰۃ کو اسلامی گورنمنٹ بقدر کفایت تنخواہ دیتی ہے اور یہ بقدر کفایت بقدر نصف سے زیادہ نہ ہوگا۔ عامل مالدار ہوں یا فقیر بہر صورت ان کو زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا اور یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خاندان رسالت میں سے نہ ہوں، صاحب ''مظہری'' نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے عاملین زکوٰۃ کو بھی اصناف فقراء میں شمار کیا ہے خواہ وہ مال دار ہوں یا فقیر، کیونکہ وہ اموال زکوٰۃ وصول کرنے میں فقراء کے وکیل ہیں اور ان کے معاملات میں مشغول ہیں، اس لئے حکماً وہ بھی فقیر ہیں'' (مظہری ۴ر ۲۳۳)۔

''لأن الفقر شرط فی جمیع الأصناف إلا العامل والمکاتب وابن السبیل'' (ردالمحتار ۲ر ۵۸)۔

(مصرف زکوٰۃ کی تمام قسموں میں فقیر ہونا شرط ہے مگر عامل، مکاتب اور مسافر کے لئے شرط نہیں ہے)۔

علامہ شامیؒ نے ایک صفحہ کے بعد یہاں تک تحریر کردیا ہے:

''لا یجوز دفع الزکوٰة إلٰی من یملک نصاباً إلا إلٰی طالب علم والغازی ومنقطع الحج لقوله علیه السلام یجوز دفع الزکوٰة لطالب علم وإن کان له نفقة أربعین سنة'' (ردالمحتار ۲ر ۵۹)۔

فی سبیل اللہ کے مفہوم کو متاخرین علماء نے اس قدر وسعت دی کہ بقول امام رازی وہ کفن موتی، تعمیر مساجد وغیرہ جمیع اصناف خیر کو فی سبیل اللہ سمجھنے لگے، لیکن حضرات حنفیہ کے نزدیک چونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ اشیاء اس مفہوم سے خالی ہیں اس لئے زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں۔

Marfat.com

الف- صاحب مظہری نے عاملین زکوٰۃ میں ایک علت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ چونکہ فقراء کے وکیل ہیں اور ان کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے بقدر نصف تک ان کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔

ب- یہیں سے یہ بھی ایک مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ معلمین، علماء اور اہل افتاء، صاحب الدرس اور مہتمم مدارس صاحبان بھی طلبہ علم کے لئے مشغول ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بھی زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اور وہ بھی زکوٰۃ کا مصرف ہیں، جیسا کہ ''ردالمحتار'' کی مندرجہ بالا عبارت سے مترشح ہوتا ہے، اس لئے میری رائے میں نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کا استدلال وقیع معلوم ہوتا ہے:

''آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکورہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' کے معنی اللہ کا راستہ ہے اور جہاد اگرچہ اللہ کے راستوں میں اہم ترین راستہ ہے، لیکن باب زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے حصہ کو مجاہدین کے ساتھ خاص کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، بلکہ اس کا صرف کرنا ہر اس عمل پر جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو جائز ہوگا'' (الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۷)۔

حضرات علماء کرام کی اس عطا کردہ سہولت کو اگر عمومیت دی جائے تو تمام لیڈران عظام اور ہر ایک شخص ملت اسلامیہ کا خادم نظر آئے گا اور وہی مصرف زکوٰۃ قرار پاجائے گا۔ میرے نزدیک اتنی ڈھیل اور وسعت کسی طرح جائز نہیں ہے، کیونکہ نصوص کو خدا اور رسول کی عطا کردہ حدود سے زیادہ قیاس کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا زیادہ سے زیادہ طلبۂ علم دین، محصلین زکوٰۃ، خدام اور اساتذۂ طلبۂ دین زکوٰۃ کا مصرف قرار پاسکتے ہے، لیکن وہ بعض شرائط کے ساتھ، وہ شرائط ہیں امام کی جانب سے ان کا تقرر، موجودہ زمانہ میں اگرچہ یہ معنی حاصل نہیں ہیں، لیکن تراضی مسلمین کی قید کے بعد مقتدر علماء، مستند اور بہ اعتبار مسلم اداروں کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے۔

سوال نامہ کے اعتبار سے ایک اشکال اور باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ محصلین زکوٰۃ کو اگر

Marfat.com

تنخواہ دیں تو کیا سکہ رائج الوقت کی طرح کمیشن پر مقرر کیا جاسکتا ہے، اس میں محصل کا بھی فائدہ ہے اور ادارہ کا بھی فائدہ ہے۔

اس باب میں دو طرح پر جواب ہے: ایک وجہ یہ کہ محصل کو بقدر نصف عمل کے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اور کسی چیز کا نصف یا ثلث اسی وقت مقرر ہوگا جب وہ عمل وجود میں آئے گا، اس کے باوجود نصف زکوٰۃ تک محصل کو دینا جائز ہے اس میں دلیل ہے کہ کمیشن جائز ہے لیکن اگر اس کو اجارہ فاسدہ قرار دیا جائے تو میں عرض کروں گا کہ عموم بلوئی کی وجہ سے علماء بخاری و بلخ نے اس قسم کے اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، دیکھئے: (ردالمحتار ۵/۴۰)۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ میں عرض کرتا ہوں ہمارے دیار میں گیہوں کی فصل کی کٹائی پر یہ تعامل رہا ہے کہ بیس گڈیوں پر ایک گڈی مزدور کو دی جاتی ہے، اس کے مقابلہ میں مزدور نقد لینا پسند نہیں کرتا اور یہ تعامل سکہ رائج الوقت کی طرح رہا ہے اور اب بھی ہے اور اہل مدارس نے محصلین کی بدعنوانیوں کی وجہ سے کافی عرصہ سے کمیشن مقرر کرنا شروع کردیا ہے اور اب وہ تعامل عام بن گیا ہے، اس لئے مشائخ بلخ کی رائے کی تصویب زیادہ مناسب اور مفید ہے۔

Marfat.com

زکوۃ کن اموال میں واجب ہوتی ہے

مفتی عبدالرحمٰن ☆

زکوٰۃ کس قسم کے اموال میں واجب ہے؟

چار قسم کے اموال پر زکوٰۃ فرض ہے:

(۱) سونے چاندی پر، (۲) تجارتی مال پر، خواہ وہ کسی قسم کا ہو، (۳) سائمہ جانوروں پر، (۴) کھیتی اور درختوں کی پیداوار پر جس کو عشر کہا جاتا ہے۔

شرط اول- ملک تام

ملک تام سے یہی مراد ہے کہ مال مالک کی ملک میں ہو، یداً بھی اور رقبۃً بھی۔

۱- لہٰذا وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کر دی گئی ہے، مگر مال ابھی تک قبضہ میں نہیں آیا، اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصول ہونے سے پہلے واجب نہ ہوگی (البحر الرائق ۲؍۲۰۳)۔ جو قیمت ادا کی جا چکی ہے اس کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہوگی۔ "لأنه ملكها يداً ورقبةً"۔

۲- کرایہ کی مد میں جو رقم پیشگی دی گئی ہے وہ اجارہ پر دینے والے کی ملک ہوگی، یداً بھی اور رقبۃً بھی، اس لئے وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا بشرطیکہ اجارہ کی مدت پوری ہو جائے، اس

☆ مدرسہ امینیہ دہلی۔

Marfat.com

سے قبل اجارہ فسخ نہ ہو (البحر الرائق ۲؍۲۰۳)۔

ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ کرایہ دار پر اس لئے واجب نہیں کہ اس پر اس کا قبضہ نہیں اور اس لئے بھی واجب نہیں کہ مکان حوائج اصلیہ میں سے ہے اور یہ رقم حوائج اصلیہ میں محبوس تھی کہ اس کے بغیر مکان کا میسر آنا ناممکن اور آجر پر اس لئے اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کہ وہ اس رقم کا مالک نہیں۔

۳- وہ مال جو کسی شخص کی ملک نہیں ہے جیسے مدارس اور اداروں کے اموال، ان اموال میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (ردالمحتار ۲؍۹)۔

۴- مال حرام جو اپنے پاس ہے اگر وہ اپنے مال کے ساتھ مخلوط نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگر اس کے مالک معلوم ہیں تو واجب الرد، نہیں تو واجب التصدق ہے۔

اور اگر مال حرام اپنے مال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا ہے کہ امتیاز مشکل ہے تو یہ استہلاک ہے جو امام صاحب کے نزدیک موجب ملک ہے، لیکن اس مال حرام کا ضمان اس صورت میں واجب ہوگا جو اس کے ذمہ دین ہوگا اور زکوٰۃ اس میں واجب ہوگی بشرطیکہ اس کے علاوہ اتنا مال موجود ہو کہ اس مال حرام کا ضمان ادا کیا جا سکے اور اگر اس کے علاوہ مال نہیں ہے تو پھر زکوٰۃ اس کی واجب نہ ہوگی، بلکہ مال حرام کو منہا کرنے کے بعد جو بچے اگر وہ نصاب کو پہنچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں (درمختار علی ردالمحتار ۲؍۳۳-۳۴)۔

۵- ایسا دین کہ اس کا ثبوت دائن کے پاس موجود ہے یا مدیون اس دین کا منکر نہیں ہے اور اس کے وصول ہونے کی امید ہے اور دین قوی ہے یا متوسط ہے تو ایسی حالت میں دین کی زکوٰۃ دائن کے ذمہ لازم ہے، مگر بعد قبضہ کے، دین قوی میں تو چالیس درہم پر قبضہ کے بعد اور دین متوسط میں دو سو درہم پر قبضہ کے بعد اور اگر دین ضعیف ہے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم نہیں، جب وہ قبضہ میں آجائے گا اور اس پر سال گزر جائے گا تو مثل اور مالوں کے اس کی زکوٰۃ بھی دینی ہوگی۔

Marfat.com

لیکن اگر مدیون ٹال مٹول کر رہا ہے اس سے قرض کے وصول ہونے کی امید نہیں ہے، وہ اقرار کے باوجود دیتا نہیں ہے اور دائن اس سے لینے پر قادر نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس دین کی ماضی کی زکوٰۃ دائن پر وصولیابی کے بعد بھی واجب نہ ہوگی (شامی ۲ر۸۵)۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی رقم (یعنی وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی وضع کر لی جاتی ہے اور اس پر بطور انعام حکومت اپنی طرف سے مع سود کے بڑھا کر دیتی ہے) پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جب یہ رقم وصول ہوگی اور اس پر سال گزر جائے گا (یا پہلے سے صاحب نصاب ہے تو جب اس کے نصاب کا سال ہوگا) تب زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ تنخواہ سے وضع شدہ رقم جو قبضہ میں نہیں آئی ہے وہ خدمتِ حُر (آزاد) کا بدل ہے اور خدمتِ حر مال نہیں ہے، اس لئے اس کا بدل دین ضعیف ہے اور دین ضعیف کا حکم یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

شرط ثانی نما ہے

نما لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں جس کی شرعاً دو قسمیں ہیں: حقیقی و تقدیری۔ حقیقی نما وہ زیادتی ہے جو توالد و تناسل کے ذریعہ یا تجارت کے ذریعہ ہو، اور تقدیری نما یہ ہے کہ مال کے اپنے یا اپنے نائب کے قبضہ میں رہنے کی وجہ سے زیادتی پر قدرت ہو (ردالمحتار)۔

تیسری شرط مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت اصلیہ وہ ضرورت ہے جو جان یا آبرو سے متعلق ہو، یعنی اس کے پورا نہ ہونے سے جان کے یا آبرو کے جانے کا خوف ہو، تو جو چیزیں انسان سے ہلاکت کو رفع کریں حقیقتاً جیسے نفقہ اور رہنے کا مکان اور آلات حرب اور سردی و گرمی کے کپڑے یا تقدیراً جیسے دین کہ مدیون اس کی ادائیگی کی طرف محتاج ہے، اپنے نفس سے حبس (قید) کو دفع کرنے کے لئے جو بہ منزلہ ہلاکت

Marfat.com

کے ہے اور جیسے پیشہ کے آلات اور گھر کا سامان اور سواری اور کتابیں اہل علم کے لئے۔ "لأن الجهل عندهم كالهلاك"۔ تو جو مال اپنی اصل ضرورتوں سے زائد ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور جو مال ان اصل ضرورتوں کے لئے ہو وہ مثل معدوم کے ہے، اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

"وفارغ عن حاجته الأصلية لأن المشغول بها كالمعدوم"

(درمختار ۲/۷)۔

رہی نفس حوائج تو ان میں بدرجۂ اولیٰ زکوٰۃ واجب نہیں، اس لئے کہ وہ حوائج اصلیہ میں سے ہیں اور نمو بھی نہیں ہے۔

چوتھی شرط، دین سے محفوظ ہونا

مال زکوٰۃ کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو، خواہ وہ اللہ جل شانہ کا قرض ہو جیسے زکوٰۃ، عشر، خراج وغیرہ کہ حق اللہ تو ہیں مگر ان کا مطالبہ امام وقت کی طرف سے ہوتا ہے یا وہ قرض بندوں کا ہو، جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو یا اس قدر قرض ہو کہ اس کے ادا کرنے کے بعد نصاب پورا نہ رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

دیون کی اقسام

امام صاحب کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں: قوی، متوسط اور ضعیف۔

دین قوی وہ ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض کسی کے ذمہ عائد ہوا ہو۔

متوسط وہ دین ہے جو مال ہی کے بدلے میں عائد ہوا ہو، مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا چاندی نہ ہو بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو۔

دین ضعیف وہ دین ہے جو کسی مال کے بدلے میں بذمۂ مدیون عائد نہ ہوا ہو، جیسے دین مہر وغیرہ۔

Marfat.com

دین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے، مگر ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کی مقدار روپیہ وصول ہو جائے، اس سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا، لیکن جب ادا کی جائے گی تو تمام سنین ماضیہ کا حساب کرکے ادا کی جائے گی، اور دین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد بھی جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی اور دین متوسط میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اس پر دین قوی کی طرح زکوٰۃ تو ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی، مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ پورا نصاب، یعنی دوسو درہم یا اس کی مقدار مال جب وصول ہو اس وقت ادا کرنا لازم ہوگا، مگر ایام ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور دوسری روایت یہ ہے کہ دین متوسط بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے، اس پر بھی زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہوگی، بلکہ وصول ہونے کے بعد جب سال بھر اس پر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ صاحب ''بدائع'' نے اسی آخری روایت کو اصح قرار دیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد جوابات درج ذیل ہیں:

۱- ایسا کثیر دین جو طویل الاجل ہے اور اس کی ادائیگی کی مدت قسط وار بیان کردی گئی ہے جو مؤجل ہے اور دین مؤجل کو اگرچہ بعض نے مانع زکوٰۃ قرار دیا ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ وہ مانع زکوٰۃ نہیں ہے، علامہ ابن عابدین نے ''ردالمحتار'' میں قہستانی کے حوالے سے جواہر سے اسی قول کی تصحیح نقل کی ہے کہ دین مؤجل مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔

"زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع" (ردالمحتار ۲/۷)۔

اس روایت پر جس قسط کی ادائیگی ہو رہی ہے وہ مانع بنے گی، باقی قرض کا چونکہ مطالبہ نہیں اس لئے مانع نہیں بنے گا۔

Marfat.com

کمپنیز پر زکوٰۃ

ایسی کمپنی جس میں متعدد شرکاء ہوتے ہیں اور اپنے اپنے حصہ کے مطابق اثاثے اور آمدنی کے مالک ہوتے ہیں ان پر زکوٰۃ کے وجوب کے لئے کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا۔ جس فرد کا انفرادی حصہ نصاب کو پہنچے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ

ہیرے اور جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں اور خواہ ان کے زیورات ہی کیوں نہ ہوں، ہاں اگر ہیرے اور جواہرات تجارت کے لئے ہیں تو اس صورت میں وہ مال تجارت ہوں گے اور ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا اتفاقاً إلا أن تكون للتجارة" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۱۸)۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

جو مال تاجر کے قبضہ میں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس میں یوم وجوب کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یوم خرید کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ زمین وجائداد جو تجارت کے لئے ہیں ان کا یہی حکم ہے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یوم ادا کی قیمت کا اعتبار ہوگا، تاجر عام طور پر تھوک سے ہی خرید کرتا ہے تو اسی کے اعتبار سے اسٹاک کی قیمت لگائے گا اور جو اشیاء پھٹکر سے خرید کی ہیں ان میں پھٹکر کی قیمت لگائے گا اور زکوٰۃ ادا کرے گا۔

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء وفي السوائم يوم الأداء اجماعاً" (الدرالمختار ۲/۳۰)۔

Marfat.com

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

کمپنی کے شیئرز ہولڈر نے جو روپیہ کمپنی کو دیا ہے وہ پوری رقم تجارت میں لگی ہوئی ہے، اس میں سے اس کے حصہ کی وہ رقم جو مشنری کی خرید میں صرف ہوگئی ہے یا دیگر آلات حرفہ (پیشہ) میں صرف ہوئی ہے، اس تمام رقم کو منہا کر کے بقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی (بشرط نصاب وحولان حول)۔ اگر مشنری میں صرف شدہ رقم کا علم نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتا تو احتیاط اس میں ہے کہ پوری رقم کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، جو رقم نفع کی آتی ہے اور وہ صرف ہونے سے بچی رہتی ہے اس پر (اگر وہ بقدر نصاب ہے اور سال گزر گیا ہے) زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بونڈز جو بڑا قرضہ حکومت کو دیا گیا ہے اس کا حکم یہی ہے کہ وصولیابی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور یہ دین بھی دین قوی ہے، چالیس درہم یا ان کے بقدر روپیہ وصول ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

33
6

Marfat.com

زکوۃ سے متعلق اہم مسائل

مولانا عبدالرحمٰن قاسمی ☆

۱- مال تجارت کی وہ قیمت جو پیشگی ادا کی جا چکی ہے اس پر زکوۃ واجب ہے، اسی طرح وہ مال جو خریدار کے ملک میں آچکا، لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے (عالمگیری ۱۷۲/۱)۔

۲- کرائے کے مد میں پیشگی دی ہوئی رقم کی زکوۃ موجر مالک مکان پر واجب ہے اور ڈپوزٹ کی رقم مالِ مرہون ہے اور مال مرہون کی زکوۃ نہ راہن پر ہے اور نہ مرتہن پر ہے، لہٰذا ڈپوزٹ رقم کی زکوۃ نہ کرایہ دار پر ہوگی اور نہ مالک مکان پر، لیکن ڈپوزٹ کی رقم کرایہ دار کو واپس ملنے پر زکوۃ واجب ہوگی، ایام ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔

۳- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

۴- رشوت کا مال، بینک کا سود وغیرہ حرام مال پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور اگر اموال حرام حلال مال میں مخلوط ہو گئے ہوں تو اس مخلوط مالِ حرام کی مقدار نکال کر باقی اگر بقدر نصاب بچتا ہے تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

۵- دین اگر قوی (جو قرض اور مال تجارت کا بدل) ہو تو اس کی زکوۃ دائن پر چالیس درہم کی مالیت قبضہ میں کرنے کے وقت واجب ہے، نیز ایام ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے۔

☆ استاذ دار العلوم چھاپی، گجرات۔

Marfat.com

اگر متوسط (جو ایسے مال کے عوض میں واجب ہوا ہو جو تجارت کے واسطے نہ تھا اور نہ نقد قرض دیا تھا) اور ضعیف (جو مال کا بدل نہ) ہو تو اس کی زکوٰۃ دائن پر قبضہ کے حولانِ حول پر واجب ہے۔

اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے اور اس مال کو تجارت میں لگا کر استفادہ کر رہا ہو تو اگر مدیون کے قرض کو منہا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب بچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ نہیں۔

دین کی وصولیابی کی امید قوی یا غالب ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، پھر اگر وہ دین قوی ہو تو اس پر عند القبض فیما مضیٰ کی زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر دین متوسط یا ضعیف ہو تو بعد القبض حولان حول پر زکوٰۃ واجب ہے۔

دین کی وصولیابی کی امید نہ ہو یا ضعیف امید ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی رقوم پر وصولیابی کے بعد سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

دوسری شرط نما

وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط نما (مال نصاب کا بڑھنے والا ہونا) ہے، نما کی دو صورتیں ہیں: ایک حقیقۃً بڑھنے والا ہو، یعنی توالد وتناسل وتجارت سے بڑھنے والا ہو، دوسری صورت تقدیراً (حکماً) بڑھنے والا ہو، یعنی حقیقت میں تو بڑھنے والا نہ ہو، لیکن وہ بڑھنے والے کے حکم میں ہو کہ اگر مالک اس کو بڑھانا چاہے تو وہ بڑھانے پر قادر ہو، اس طرح کہ مال اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو، پس جو شخص اس کے بڑھانے پر قادر نہیں، مثلاً مالِ ضمار اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت اصلیہ میں مشغول وہ مال شمار ہوتا ہے جو انسان کو حقیقۃً یا تقدیراً ہلاک ہونے سے بچائے۔

Marfat.com

''مجمع الانہر'' میں ہے:

''(حاجته الأصلية) أي عما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديراً'' (۱/ ۱۹۳)۔

حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ہر ماحول کے لحاظ سے ہوگا۔

کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے

دین مانعِ زکوٰۃ سے وہ دین مراد ہے جس کا طلب کرنے والا کوئی بندوں کی طرف سے ہو، خواہ وہ دین بندوں کا ہو جیسا کہ قرض اور مول لی ہوئی چیز کی قیمت اور تلف کی ہوئی چیزوں کا ضمان یا زخمی کرنے کا تاوان ہو اور قرض چاہے نقد کی قسم سے ہو یا کیلی وزنی ہو یا کپڑے ہوں یا جانور ہوں یا خلع کے عوض میں واجب ہوا ہو یا عمداً قتل کرنے کے عوض میں صلح ہو کر واجب ہوا ہو اور وہ فی الحال دینا ہو یا کسی قدر مدت کے بعد دینا ہو، اور وہ قرض، خواہ اصالۃً یا کفالۃً ہو، اور خواہ وہ قرض اللہ کا قرض ہو، جیسا کہ زکوٰۃ اور خراج کا دین۔ بخلاف نذر اور کفارہ اور حج کے دین کے، اس لئے کہ ان قرضوں کا طلب کرنے والا کوئی بندہ نہیں اور اسی طرح صدقۃ الفطر اور حج تمتع کرنے والے کی ہدی اور قربانی کا دین مانعِ زکوٰۃ نہیں ہے۔

دین طویل الاجل جیسے زراعتی قرض، تعمیر مکان کے لئے قرض مانعِ زکوٰۃ ہے، لہٰذا اموالِ زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا (ہدایہ ۱/ ۱۶۶، الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۱۳۹، عالمگیری ۱/ ۱۷۲)۔

ہیرے جواہرات

ہیرے جواہرات سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے خریدے ہوں یا تزئین و آرائش کے لئے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۷۲)۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

سامانِ تجارت کی مالیت کا تعین ادائیگی زکوٰۃ کے دن قوتِ خرید کے اعتبار سے کیا

Marfat.com

جائے گا، پھر جو تاجر تھوک مال کی تجارت کرتا ہے اس کے لئے تھوک بھاؤ کا اعتبار کرنا ہوگا، اور جو تاجر پھٹکر مال فروخت کرتا ہے اس کے لئے پھٹکر فروختگی کا اعتبار کرنا ہوگا۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

وجوب زکوٰۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا۔

اراضی تجارت اگر خراجی ہیں تو ان میں خراج واجب ہے زکوٰۃ نہیں، اور اگر عشری ہیں تو ان میں عشر واجب ہے، زکوٰۃ نہیں، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک عشر کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ (لہٰذا امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے، کیوں کہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے) (تاتارخانیہ ۲/۲۴۴)۔

اراضی تجارت اگر نہ عشری ہوں اور نہ خراجی ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور ان پر زکوٰۃ کا وجوب ادائیگی کے دن کی متوقع قیمت فروخت کے اعتبار سے ہوگا۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

۱- شیئرز کی خرید بغرض تجارت ہو تو تجارتی سرمایہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۲- شیئرز کی مالیت کا تعین بوقت ادائیگی زکوٰۃ مارکیٹ کے نرخ سے کیا جائے گا۔ شیئرز کی خرید بغیر ذریعہ آمدنی ہو تو آلات واثاثہ کے علاوہ جو اصل ومنافع ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۳- قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈز پر لگایا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، بونڈز کیش کرانے کے وقت گزرے ہوئے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۲۶۶)۔

Marfat.com

نصابِ موجبِ زکوٰۃ

صرف سونا ہو یا بقدر نصاب سونا ہو تو اس میں سونے کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔

صرف چاندی ہو یا بقدر نصاب چاندی ہو تو اس میں چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔

سونا، چاندی دونوں نصاب سے کم ہوں تو دیکھا جائے گا، دونوں کی قیمت مل کر کسی ایک نصاب کے بقدر ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

اموال تجارت کی قیمت اگر دونوں (سونا، چاندی کے) نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اختیار ہے جس نصاب کا چاہے اعتبار کرے اور اگر دونوں نصابوں میں سے صرف ایک نصاب کو پہنچتی ہے تو اسی نصاب کا اعتبار کرنا ضروری ہے (عالمگیری ۱/۱۷۹)۔

نصابِ حرمتِ زکوٰۃ

مالدار کو جو نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ نصاب کسی بھی قسم کے مال کا ہو بشرطیکہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرمت زکوٰۃ کے لئے نصابی اموال (سونا، چاندی، سائمہ) میں ان کے نصاب کی مقدار کا اعتبار ہے یا قیمت کے حساب سے نقدی کے نصاب کا اعتبار ہے، بعض نے نصابی اموال میں ان کے نصاب کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے قیمت کا اعتبار کیا ہے، نصابی اموال کے علاوہ میں بالاتفاق قیمت کا اعتبار ہوگا اور موجودہ دور میں چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔

مصارفِ زکوٰۃ

مستحق زکوٰۃ طلبہ کو چیک کے بجائے رقومِ زکوٰۃ دی جائے اور وہ وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردیں، یہ صورت جائز ہے۔

مہتمم مدرسہ زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے۔

Marfat.com

سفراء و محصلین کو کمیشن پر طے کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ وہ "العاملین علیہا" میں داخل ہیں، اور عملہ کو ماہانہ تنخواہ مدِ زکوۃ سے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

۱- سورہ توبہ کی آیت "إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم" (سورہ توبہ: ۶۰) میں "إنما" سے جو حصر بیان کیا گیا ہے وہ حصر حقیقی ہے۔

۲- جی ہاں، ہم جمہور مفسرین اور فقہاء کی اس بات سے پورے طور پر متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہو تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے (ہدایہ ۱/۱۸۵)۔

۳- آیاتِ احکام میں سے کسی آیت کی تشریح میں قرون اولیٰ میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو ہمارے لئے لازم وضروری ہے کہ ان دو اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کریں۔ ان دو اقوال کو چھوڑ کر آیت کی تفسیر وتشریح میں کوئی تیسرا یا چوتھا قول اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔

جوابات ضمیمہ

شیئرز پر زکوۃ کے وجوب کی تفصیل یہ ہے:

۱- شیئرز کی خرید اگر بہ نیت تجارت ہو اور ابھی تک نیت تجارت میں تبدیلی نہ آئی ہو (چاہے زیادہ مدت پاس رکھا جائے یا کم مدت) تو شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت اور اس سے

Marfat.com

ہوئی آمدنی دونوں پر شرعاً واجب ہے۔

☆ شیئرز کی خرید اگر بہ نیت تجارت ہو پھر نیت تجارت میں تبدیلی آ گئی، یعنی شیئرز کو ذریعہ آمدنی بنا دیا تو شیئرز کی جو رقم آلات واثاثہ میں لگ گئی اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور شیئرز کی جو رقم آلات واثاثہ کے علاوہ ہے اس رقم اور شیئرز سے ہوئی آمدنی دونوں پر شرعاً زکوۃ واجب ہے، شیئرز چاہے کم مدت پاس رہے یا زیادہ مدت۔

☆ شیئرز کی خرید اگر بہ نیت تجارت نہ ہو بلکہ بہ نیت ذریعہ آمدنی ہو تو شیئرز کی اصل میں سے جو رقم آلات واثاثہ میں لگ گئی ہے اس پر شرعاً زکوۃ واجب نہیں ہے اور شیئرز کی اصل میں سے جو رقم آلات واثاثہ کے علاوہ ہے اس رقم اور آمدنی دونوں پر شرعاً زکوۃ واجب ہے۔

وجوبِ زکوۃ صافی آمدنی پر یا غیر صافی آمدنی پر؟

☆ اخراجات اگر از قبیل دیونِ شرعی ہیں تو آمدنی سے منہا کر دیے جائیں گے، جیسے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ، اور اگر از قبیل دیون شرعی نہیں ہیں جیسے سیل ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ تو ان کو آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

☆ اخراجات اگر یوم وجوب ادا سے پہلے ادا کر دیے گئے ہیں تو بقیہ آمدنی پر زکوۃ واجب ہے۔

☆ اخراجات اگر یوم وجوب ادا سے پہلے ادا نہیں کئے گئے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہوں گی:

۱- اخراجات اگر از قبیل دیونِ شرعی ہیں، جیسے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ تو آمدنی سے اخراجات منہا کر دیے جائیں گے۔

Marfat.com

۲- اخراجات اگر از قبیل دیون شرعی نہیں، جیسے انکم ٹیکس وغیرہ تو آمدنی سے اخراجات منہا نہیں کیے جائیں گے۔

☆ شیئرز کو مسلسل خریدا اور بیچا جاتا ہو، نفع بھی ہوتا ہو اور نقصان بھی تو یوم وجوبِ ادا شیئرز کی جو پوزیشن ہو اس پر شرعاً زکوٰۃ واجب ہے۔

۲- کاروباری ادارہ میں کاروبار سے ہوئے نفع اور موجودہ اسٹاک میں جن اشیاء کی خرید بغرض تجارت ہوئی ہو، ان تمام پر شرعاً واجب ہے۔

☆ جانوروں کی خرید اگر بہ نیت تجارت ہو تو ان جانوروں اور ان سے حاصل شدہ (منافع) دودھ، انڈوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

☆ جانوروں کی خرید اگر بہ نیت تجارت نہ ہو تو ان جانوروں اور ان سے حاصل شدہ دودھ، انڈوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ دودھ، انڈے فروخت کردیے جائیں تو ان کے اثمان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۳- تمسکات سے کیا سرکاری تمسکات مراد ہیں؟ یا اس کے علاوہ؟ پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے، نیز اخراجات کی مکمل وضاحت بھی۔

انٹرسٹ کے متعلق

مذکورہ حالات میں حکومت کی سیکوریٹیز ر بانڈز میں اور کمپنیوں کی فکسڈ ڈپازٹس میں سرمایہ کاری جائز قرار نہیں دی جاسکتی۔

Marfat.com

زکوٰۃ میں ''نما'' کی حقیقت اور صورتیں

مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی ☆

زکوٰۃ کے معنی طہارت وپاکیزگی اور زیادتی وبڑھوتری کے ہیں، اسلام کی نظر میں مال کے مقرر فرمودہ شرعی حصہ کا مسلمان غیر سید فقیر کو مالک بنا دینا اور اپنی ملکیت سے خارج کردینا زکوٰۃ ہے۔

۱- زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملکیت تامہ شرط ہے اور کامل مکمل ملک قبضہ سے ہوتی ہے:

''فقد ذكر في البدائع من الشروط الملك المطلق، وقال: وهو الملك يداً ورقبةً'' (ردالمحتار: ۲/۴)۔

لہٰذا مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوئی، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور وہ قیمت جو ادا کی جاچکی خریدار کے تصرف سے نکل کر بائع کے قبضہ میں داخل ہوگئی اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۶)۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ''فتاویٰ دارالعلوم'' میں قول اول کو ترجیح دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''جس وقت جس قدر حصہ ثمن کا وصول ہوگا اسی وقت سے اس کا سال لگایا جائے گا، بعد سال بھر کے اداء زکوٰۃ واجب ہوگی اور بعض روایات میں بقدر وصول مقدار نصاب زکوٰۃ لازم

☆ جامعہ حسینیہ خیر العلوم، بھوپال۔

Marfat.com

ہوگی اوراسی کو ظاہر الروایۃ اور مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں قول اول کی تصحیح کی گئی ہے، "وهو الأقيس كذا فى الشامى" (فتاویٰ دار العلوم ۱۳۶/۶)۔

۲- مالک مکان کو دی جانے والی رقم کی دو نوعیتیں ہیں: ایک یہ کہ پیشگی کرایہ کے نام سے دی گئی ہو اور اس کو کرایہ میں وضع کرانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ مکان دار کے ذمہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ زرضمانت (ڈپوزٹ) کے نام سے مالک مکان کے پاس رقم جمع کی جائے، لیکن عقد اجارہ فسخ ہونے یا مدت پوری ہونے کے وقت کرایہ دار کو واپس کئے جانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ کرایہ دار پر واجب ہے، رقم واپس ملنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ لازم ہوگی۔

"درمختار" میں ہے: **"وكذا الوديعة عند غير معارفه، قال الشامى: فلو عند معارفه تجب الزكوة"** (ردالمحتار ۹/۲)

"فتاویٰ دار العلوم" میں ہے:

"اس روپیہ کی زکوٰۃ بعد واپسی کے تمام گزشتہ سالوں کی ادا کرنا لازم ہے، اگر اس خیال سے کہ بعد واپسی کے بہت برسوں گزشتہ کی زکوٰۃ دینی پڑے گی اور رقم کثیر ہو جاوے گی، ہر سال موجودہ روپئے کے ساتھ زکوٰۃ دے دیا کرے تو یہ بھی درست ہے" (فتاویٰ دار العلوم ۱۳۰/۶)۔

۳- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم کا کوئی معین مالک نہیں ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

"وسببه أى سبب افتراضها ملك نصاب حولى قال الشامى: فلا زكوة فى سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك" (ردالمحتار ۹/۲)۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

"مدرسہ کا چندہ جو بقدر نصاب جمع ہوتا ہے اور سال اس پر گزر جاتا ہے اس میں زکوٰۃ

Marfat.com

واجب نہیں ہے'' (فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۹ تا ۵۱)۔

مدرسہ وغیرہ کے مال میں کسی کو بھی کامل ملکیت حاصل نہیں اگر چہ ظاہراً کچھ تصرفات کا اختیار ہو، مگر ملک تام نہ ہونے کی وجہ سے بھی وجوب زکوٰۃ کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

۴- رشوت، سود اور حرام طریقہ پر قبضہ میں آنے والے مال کی زکوٰۃ فرض نہیں، کیونکہ یہ قابض مالک نہیں، اس لئے قابض پر لازم ہے کہ یہ مال مالک کو واپس کرے اور واپسی نہ ہوسکتی ہو تو بلانیت ثواب صدقہ کردے، جب پورے مقبوضہ مال کو واجب التصدق قرار دیا گیا ہے تو اس کے بعض کو زکوٰۃ میں ادا کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

''لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه'' (رد المحتار ۲/ ۲۵، فتاویٰ عبد الحیٔ/ ۲۳۴)۔

مال حرام کو حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط کردینا کہ تمیز مشکل ہوجائے موجب ملک ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

''ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوٰة فيه ويورث عنه، لأن الخلط استهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله وقوله أرفق'' (در مختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۲۵)۔

''فتاویٰ دار العلوم'' میں ہے:

''مال حرام تمام کو بشرائط صدقہ کرنا لازم ہے، زکوٰۃ اس میں نہیں ہے، مگر خلط مال حرام کا موجب ملک ہے اس وقت اس میں زکوٰۃ بھی لازم ہوگی''۔

۵-قرض کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دین قوی، (۲) دین متوسط، (۳) دین ضعیف

اول یہ ہے کہ نقد روپیہ یا سونا چاندی قرض دینے یا تجارتی مال فروخت کرنے کے بعد

Marfat.com

لینے والے کے ذمہ اس کی قیمت باقی رہے اور ایک سال یا کئی سال کے بعد وصول ہو تو ایسا قرض فقہی اصطلاح میں دین قوی ہے، بقدر نصاب باقی رہنے کی صورت میں اس قرض پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے اور یک مشت وصول نہ ہو تو مقدار نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہونے پر اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوگی اور ہر پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی، اسی طرح پورے سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے گی (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۵)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مال تجارت کے علاوہ خانگی سامان یا استعمالی اشیاء کی قیمت خریدار کے ذمہ باقی ہو تو یہ دین متوسط ہے، ایک سال یا متعدد سالوں کے بعد وصول ہونے پر اس کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی فرض ہوگی اور یک مشت وصول نہ ہو تو جب تک مقدار نصاب کے برابر قرض وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور وصولی کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی، اگر چہ یہ وصول شدہ قرض بقدر نصاب نہ ہو، لیکن دیگر مال کے ساتھ مل کر نصاب بن جائے تو اس کو شامل کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۶)۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نقد روپیہ اور اشیاء کی فروختگی کے علاوہ کسی اور سبب سے دوسرے کے ذمہ قرض ہو جائے، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر یا بیوی پر شوہر کا بدل خلع یا قاتل پر دیت خوں بہا، یا ملازم کی تنخواہ تو یہ قرض دین ضعیف ہے، وصولی کے بعد مالک کے پاس سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی، یہ وصول شدہ مال بقدر نصاب نہ ہو اور دیگر مال کے ساتھ شامل کر کے نصاب بن جائے تب زکوٰۃ فرض ہوگی مگر حق دار کو وصول ہونے سے پہلے گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس پر فرض نہیں (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۶)۔

قرض کے اقسام واحکام کی مذکورہ تفصیل سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ قدرت کے باوجود مدیون دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو تب بھی مدیون پر زکوٰۃ فرض نہیں کیا جا سکتا، البتہ قرض کی وصولی سے سال پورا ہونے پر مستقبل کی زکوٰۃ دائن کے ذمہ فرض ہوگی، گزشتہ

Marfat.com

سالوں کی نہیں (ردالمحتار ۲/ ۶۲)۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے:

''دوسرا آدمی اجازت لے کر اپنی رقم سے صاحبِ مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، مگر بکر نے زید سے روپیہ قرض لیا ہے، اس وجہ سے اس کا ادا کرنا سود شمار ہوگا، لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زید کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہے گی'' (۱۴۸/۵)۔

۶ - دین کی تینوں قسموں قوی، متوسط، ضعیف کی تفصیل سے پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت واضح ہوگئی، مزید تحقیق یہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ مال تجارت کا معاوضہ نہیں ہے، اس لئے دین قوی میں داخل نہیں ہوگا، البتہ خدمت حر کا معاوضہ ہے، اس کو دین متوسط قرار دیں یا دین ضعیف بہر حال اصح روایت کے مطابق اس پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت یا ارض تجارت کا معاوضہ ہو، اس کے سوا کوئی دین اجرت دین قوی میں بہ اتفاق داخل نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا یا بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں، اس لئے اس میں صرف دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں کہ دین متوسط ہو یا دین ضعیف اور دین متوسط میں بھی اس کا داخل ہونا اس لئے مشکل ہے کہ دو روایتیں جو ''محیط'' کے حوالہ سے ''منحۃ الخالق'' میں لکھی ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں، حر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ حر کی خدمت کو عبد کی خدمت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، حسب تصریحات فقہاء خدمت عبد فی الجملہ مال ہے اور خدمتِ حر مال نہیں ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ دین ضعیف میں داخل ہے اور اگر اس کو دین متوسط بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین متوسط بھی

Marfat.com

بہ حکم دین ضعیف ہے، اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ کما صرح بہ فی البدائع۔ الغرض پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ دین قوی میں تو داخل نہیں ہوسکتا اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے جب تک کہ حر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے" (امدادالفتاویٰ ۴۹/۲، نیز دیکھئے: فتاویٰ دار العلوم ۳۳۱/۶، ۳۳۲، ۳۳۳)۔

پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی مرضی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس پر ملی ہوئی زائد رقم سود ہے جیسا کہ فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۷/۵ میں ہے۔

نما کی حقیقت اور اس کی صورتیں

مال میں زیادتی نما ہے۔ مویشی سے نسل چلانا یا تجارت سے مال کمانا یہ ظاہری بڑھوتری ہے، سونے چاندی اور قیمتی اشیاء کو محفوظ رکھنے کے باوجود ان کی قیمتوں میں اضافہ ہونا بھی نما کی ایک صورت ہے، مشنریز اور مکانات سے آمدنی حاصل کرنا بھی نما ہے۔

اس بابت حضرت مولانا عمر احمد عثمانی کی بہت ہی واضح اور مفصل تحریر ہے، جس سے اس مسئلہ کے تمام گوشے واضح ہو جاتے ہیں (دیکھئے: فقہ القرآن ر ۲۵۴، ۲۵۷)۔

"فتاوی دار العلوم" میں ہے:

"کرایہ پر مکان چلانے کے لئے لینا یعنی کرایہ پر دینے کے لئے مکان خریدنا یہ بھی تجارت کے لئے ہی خریدنا ہے، پس زکوٰۃ اس کی قیمت پر واجب ہوگی"، جیسا کہ "درمختار" میں ہے:

"اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ پر دینے کے لئے خریدنا بھی تجارت کے لئے خریدنا ہے"

(فتاوی دار العلوم ۹۱/۶)۔

Marfat.com

ان تفصیلات کی روشنی میں علماء کرام کو حالات حاضرہ اور دلائل مندرجہ کو سامنے رکھتے ہوئے کرایہ کے مکانوں اور مشنریوں کی قیمتوں پر زکوٰۃ عائد کرنے کے متعلق غور وخوض کرنا چاہیے۔

حاجت اصلیہ

خانگی سازوسامان، رہائشی مکان، تجارتی دکان، زراعتی زمین، استعمالی سواری، ستر پوشی، روزی، جسمانی ضروریات کا جن چیزوں پر دارومدار ہے، حاجت اصلیہ میں داخل ہیں (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۶۵)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''حضرت استاذیؒ کو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور خود بھی احقر کا اسی پر عمل ہے، مگر اس میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے، پس اگر وہ فاضل از حاجت اصلیہ قیمت میں بقدر نصاب ہے تو مانع اخذ زکوٰۃ وموجب فطر واضحیہ ہے اور اگر اس سے استغلال کرتا ہے تو اس کے غلہ کا اعتبار ہے اور اگر سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانع اخذ زکوٰۃ وموجب فطر واضحیہ نہیں، اور امام صاحبؒ کے قول کا تقدم علی الاطلاق نہیں۔ کما فصل فی رسم المفتی''
(امداد الفتاویٰ ۲/۳۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات زندگی اور حاجت اصلیہ کا تعین دور حاضر میں حالات کا جائزہ لے کر علماء ہی کو کرنا چاہیے۔ کفایت، مؤنت، علاقہ، ماحول اور گرانی وارزانی کے اعتبار سے مختلف ہونے کی بنا پر حاجت اصلیہ کا معیار مقرر کرنا ضروری ہے، (دیکھئے: فتاویٰ شامی ۲/۶۵)۔

کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے؟

دین عبد یعنی بندے جس کا مطالبہ کرنے والے ہوں ایسا قرض وجوب زکوٰۃ سے مانع

Marfat.com

ہے، لہٰذا اس کو مال سے منہا کر کے باقی ماندہ کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

"ومديون للعبد بقدر دينه فيزكى الزائد إن بلغ نصاباً" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۷)۔

طویل الاجل کثیر دین کی جب تک کل قسطیں ادا نہ ہو جائیں غناء کا تحقق نہیں ہوگا اور زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

"قال الشامیؒ ولا يتحقق الغنى بالمال المستقرض مالم يقبض" (ردالمحتار ۲/۸)۔

حضرت مولانا عمر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"اگر کسی کے پاس اس قدر مال ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہونی چاہئے، لیکن وہ اس کے ساتھ ہی مقروض بھی ہے تو اگر اس پر قرض اتنا ہو جو اس کے مال کو محیط ہو جائے، یعنی دس ہزار روپیہ ہی اس پر قرض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر دس ہزار روپیہ کا مال اس کے پاس ہے اور پانچ ہزار روپیہ کا قرض ہے تو اسے صرف پانچ ہزار روپیہ پر زکوٰۃ دینی ہوگی، اسی زمرہ میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو بینکوں سے قرض لے کر کوئی کارخانہ یا فیکٹری لگاتے ہیں، اگر کارخانہ اور فیکٹری کی قیمت کے برابر سرابر ہی اس پر قرض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، البتہ اگر قرض کی مقدار کم ہے تو جس قدر فیکٹری اور کارخانہ کی قیمت قرض سے زیادہ ہے، اس مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس سے زیادہ نہیں" (فقہ القرآن/۲۶۶)۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

کمپنی کی مجموعی مالیت خواہ کتنی ہی ہو اس کے مالک شرکاء ہیں، لہٰذا وجوب زکوٰۃ میں ان میں سے ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا۔ جن شرکاء کے حصے بقدر نصاب مالیت کے ہوں گے ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی باقی پر نہیں (امداد الفتاویٰ ۲/۵۳)۔ 34/6

Marfat.com

"وسببه أى سبب افتراضها ملك نصاب حولى نسبة للحول لحولانه عليه تام بالرفع صفة ملك" (درمختار علی ہامش الرد ۲/ ۴)۔

جن شرکاء کی ملکیت میں بقدر نصاب مالیت کا شیئر ہو، ان پر زکوۃ واجب ہوگی اور جس شیئر کی مالیت اتنی نہ ہو، اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ہیرے جواہرات

ہیرے جواہرات کی تجارت کی جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہونا ظاہر ہے۔ دور حاضر میں ہیرے جواہرات قیمتی مال ہیں ان کی ذخیرہ اندوزی سے قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے ہیرے جواہرات کی شکل میں سرمایہ محفوظ کرنے پر بھی زکوۃ فرض ہونی چاہیے۔

مولانا عمر عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک امام ابو یوسفؒ اور امام عنبری کا قول زیادہ صحیح ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام جواہرات یا تو معدنیات سے تعلق رکھتے ہیں یا سمندری برآمدات سے، معدنیات کے متعلق تمام صحیح روایات میں خمس کے وجوب کا حکم آیا ہے، سمندری برآمدات مثلاً مروارید، مونگا وغیرہ بھی معدنیات ہی کے مثل ہیں، لہٰذا ان میں خمس واجب ہونا چاہیے، لیکن یہ خمس ان لوگوں پر واجب ہوتا ہے جو ان چیزوں کو زمین سے یا سمندر سے برآمد کرتے ہیں، جو ان کو خرید کر اپنے پاس ذخیرہ کرتے ہیں، یا بہ طور زیورات کے انھیں استعمال کرتے ہیں، ان پر زکوۃ واجب ہونی چاہیے، کیوں کہ یہ مال متقوم ہیں اور سرمایہ کو محفوظ کر لینے کا ایک ذریعہ ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہمارے فقہاء کرام نے یہ فیصلہ فرماتے وقت کہ جواہرات وغیرہ میں زکوۃ نہیں ہوتی اس نکتہ کو کیوں نظر انداز فرمادیا کہ یہ بھی سرمایہ کو محفوظ کر لینے کا ہی ایک ذریعہ ہے، جہاں تک ہمارا خیال ہے فقہاء کے دور میں ان چیزوں کو ذخیرہ کرنے اور ان کے ساتھ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کا رواج نہیں تھا۔ خال خال کچھ لوگ دو چار موتی یا زمرد و یاقوت وغیرہ کے نگینے اپنی انگوٹھی وغیرہ

Marfat.com

میں لگوا لیتے تھے، اسی لئے انھوں نے یہ فیصلہ فرمایا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہمیں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی کہ آدمی اپنے سرمایہ کو سونے اور چاندی کی شکل میں جمع کرے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور اگر اسی سرمایہ کو جواہرات کی شکل میں محفوظ کرے تو اسے زکوٰۃ سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ حالاں کہ سرمایہ دونوں جگہ موجود ہے، محض اس کی حفاظت کے طریقے مختلف ہیں، اس طرح تو ہم سرمایہ دار طبقہ کو زکوٰۃ سے بچنے کے طریقے بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لئے سونے چاندی کو ذخیرہ نہ کریں، بلکہ جواہرات کو ذخیرہ کرلیں اس کا ثبوت کہ فقہاء کے عہد میں جواہرات کی صورت میں سرمایہ کو ذخیرہ کرنے کا عام رواج نہ ہوا تھا، یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت بھی "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (سورہ توبہ:۳۴) (یقیناً جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو (اے پیغمبر اسلام) آپ انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے)۔

اس آیت میں سونے اور چاندی کے ذخیرہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے جس سے صاف نظر آتا ہے کہ عہد قدیم میں جواہرات کو ذخیرہ کرنے اور سرمایہ کو اس شکل میں محفوظ کرنے کا طریقہ رائج نہیں تھا، اس لئے اگر فقہاء کرام کے عہد تک بھی یہی صورت حال تھی تو بڑی حد تک انھیں معذور سمجھا جاسکتا ہے، لیکن آج وہ صورت حال باقی نہیں رہی ہے، اس لئے ان ارشادات کو حرف آخر قرار دے کر سرمایہ دار طبقہ کو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اس طریقہ کو اپنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی (فقہ القرآن ۲۶۴)۔

ہیرے جواہرات کے زیورات سے اگرچہ تمول مقصد نہ ہو صرف زینت کے طور پر ہی استعمال کئے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ فرض ہونا چاہیئے، ردالمحتار میں ہے:

"سئل الحسن بن علی عمن لها الجواهر واللآلی تلبسها فی الأعياد وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؛ قال: نعم، إذا بلغت

Marfat.com

نصاباً" (ردالمحتار ۲/ ۶۵)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وما زاد علی ذالک من الحلی والأوانی والأمتعة التی یقصد بها الزینة إذا بلغ نصابا تصیر به غنیة" (فتاوی شامی ۲/ ۶۵)۔

سامان تجارت یا اراضی تجارت کی زکوٰۃ

جو سامان تجارت تاجر کے قبضہ میں ہے، ادائیگی کے دن کی قیمت کے اعتبار سے اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، تھوک بیوپاری کو زکوٰۃ دیتے وقت تھوک قیمت کا اعتبار کرنا چاہئے اور پھٹکر تجارت کرنے والے کو پھٹکر قیمت سے ہی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔ تجارتی کاروبار کے لئے خریدی گئی زمینوں کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت ان زمینوں کی مارکیٹ میں جو قیمت ہو وہی معتبر ہونا چاہیے۔

"وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء وفی السوائم یوم الأداء إجماعا وهو الأصح" (درمختار علی ہامش الرد ۲/ ۲۲)۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

تجارتی شیئرز کے اصل سرمایہ اور اس سے حاصل شدہ نفع دونوں پر زکوٰۃ فرض ہے، کرایہ وصول کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز میں صرف نفع پر ہی زکوٰۃ ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

شیئرز پر زکوٰۃ ہے، شیئرز پر جو کمپنی تجارت کرتی ہے جیسا کہ ریشم اور کپڑے کے کارخانے اور بجلی کمپنی وغیرہ تو اصلی رقم اور اس کے نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جو کمپنی تجارت نہیں کرتی محض کرایہ وصول کرتی ہے جیسا کہ ریلوے کمپنی وغیرہ تو زکوٰۃ صرف نفع پر واجب ہے۔ اصلی رقم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۱۱)۔

Marfat.com

ادائیگی زکوٰۃ کے وقت مارکیٹ میں شیئر کی جو قیمت ہوگی اسی اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ "فتاویٰ دارالعلوم" میں ہے کہ جو قیمت اس وقت ہے یعنی پانچ سو روپئے کی زکوٰۃ دے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۴۶)۔

دوسری جگہ اس طرح ہے:

سوال: زید نے ایک کمپنی کے پندرہ حصے پانچ ہزار کے خریدے، اس میں جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سالانہ تقسیم ہوکر حصہ داروں کو ملتا ہے، زید کو بھی پانچ سو روپئے ملے، آیا زید کے ذمہ پانچ ہزار کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا منافع سالانہ کی رقم پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟

جواب: زید کو اس رقم پانچ ہزار کی زکوٰۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے، کذا فی الدر المختار (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۴۰)۔

قرض حاصل کرنے والی حکومت یا کمپنی کی طرف سے دیئے گئے سرٹیفکیٹ کا نام بونڈ ہے، لہٰذا یہ قرض دین قوی ہے، مدت معینہ گزرنے کے بعد بونڈ کیش کرانے پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینی لازم ہوگی (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۳۷)۔

نصاب زکوٰۃ

"ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به إلى قوله قوّمه بالأنفع للفقير" (درمختار علی الرد ۲/۳۱)۔

فریضہ کی ادائیگی میں احتیاط کا تقاضہ اور انفع للفقراء یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت اور حرمت کے لئے چاندی کے نصاب کو معیار مقرر کرنا مناسب ہے۔

مصارف زکوٰۃ

۱- غیر مستطیع طلبہ کو نقد یا چیک کی شکل میں مقررہ خرچ دے کر اس کو فیس کے نام سے وصول کیا جائے تو شرعاً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

Marfat.com

مہتمم طلبہ کی طرف سے وکیل ہے، اس لئے زکوۃ پر مہتمم کا قبضہ ہو جانا زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

''مدرسہ کا مہتمم وکیل ہوتا ہے طلبہ فقراء کی طرف سے، کہ ارباب اموال سے زکوۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلاشبہ مختلف اربابِ اموال کی زکوۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے۔ درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے، اگر اس پر غور کیا جائے تو ارباب اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔''

خلط زكوة موكليه ضمن وكان متبرعا إلا إذا وكله الفقراء" (درمختار) وصار خالطا مالهم بعضه من بعض (شامی ۲/ ۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۲۱۶)۔

حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ نے اسی فتوی پر اشکال کے جواب میں تذکرۃ الرشید (۱/ ۱۶۴، ۱۶۵) سے نقل فرمایا ہے:

''مہتمم مدرسہ کا نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے، جیسے امیر نائب جملہ عام کا ہوتا ہے، پس جو شئ کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الملکیت والذات ہوں، مگر نائب معین ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی اس میں نہیں ہو سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے، بہرحال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے گی'' (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۲۱۹)۔

۲- مدارس کے سفراء عاملین کے حکم میں نہیں، جیسا کہ امداد الفتاوی (۲/ ۵۸) میں ہے، نیز صحت عقد کے لئے عمل اور اجرت دونوں کا متعین ہونا ضروری ہے، جبکہ کمیشن کے معاملہ میں دونوں مجہول ہیں، لہٰذا کمیشن پر چندہ کے لئے سفراء کو مقرر کرنا درست نہیں، حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو

Marfat.com

ملے گا شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عمل اجیر سے حاصل ہونے والی ہے، کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسد اجارہ ہیں: "وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله وبعضه ولو دفع غزلا لأجر لينسجه بنصفه واستأجر بغلا ليحمل له طعامه ببعضه الخ" (درمختار، فتاویٰ محمودیہ ۱/۵۲۴)۔

اور فتاویٰ محمودیہ میں دلائل تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس کو روپیہ ملنا ارباب اموال کے دینے پر موقوف ہے، گو یہاں اجارہ ایسے عمل پر ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہٰذا یہ منفعت بھی مجہول ہے اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا، جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وقت معاملہ وہ معدوم ہے، مستاجر کے پاس نہیں، اس کے تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں، یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ سفیر کی ترغیب و محنت سے حاصل ہوگا، اس لئے اس کا نصف بھی معلوم و متعین نہیں، پس اجرت و ماجور دونوں مجہول ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا مستحق قرار پائے یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم نہیں ہے" (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۳۶)۔

زکوٰۃ سے تنخواہ حساب کتاب کے عملہ یا دیگر ملازمین کو دینا جائز نہیں۔

Marfat.com

زکوۃ سے متعلق عصر حاضر کے مسائل

مولانا عبدالقیوم ☆

ملک تام سے متعلقہ سوالات کے جوابات

۱- جس مال تجارت کی قیمت دے دی گئی ہے، لیکن مال پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے، اس میں پیشگی ادا کردہ قیمت کی زکوۃ بائع پر جو اس کا مالک ہوگیا ہے اور قبضہ بھی کرلیا ہے، واجب ہے، اس لئے کہ وہ مملوک ملکاً ویداً ہے۔

اور وہ خریدا ہوا مال تجارت جس پر مشتری نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے صحیح قول کے مطابق مشتری پر قبضہ سے قبل اس کی زکوۃ واجب نہیں ہے، اور قبضہ کے بعد گزرے ہوئے سال کی زکوۃ بھی واجب ہے (البحر الرائق ۲/۲۲۵)۔

۲- کرایہ کی مد میں دی ہوئی پیشگی رقم کا شرعاً مالکِ مکان مالک ہوجاتا ہے، لہٰذا اس نے کرایہ کی جو پیشگی رقم وصول کی ہے اس کی زکوۃ مالک مکان پر واجب ہے، اس لئے کہ اس کا قبضہ بھی ہوچکا ہے اور وہ مالک مکان اس پیشگی وصول کردہ رقم کا مالک ہوگیا ہے جیسا ''البحر الرائق'' (۲/۲۱۹)، ''فتاوی ہندیہ'' (۱/۱۸۱، ۱۸۲) کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ڈپوزٹ کی رقم رہن ہے اور شئ مرہون کی زکوۃ نہ راہن پر ہوتی ہے نہ مرتہن پر، لہٰذا

☆ پالنپور۔

Marfat.com

ڈپوزٹ کی رقم کی زکوٰۃ نہ موجر (مالک مکان یا دکان) پر واجب ہے اور نہ کرایہ دار پر واجب ہے:

"ولا في مرهون بعد قبضه: أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد..." (شامی ۹/۲)۔

۳- اداروں اور مدارس وغیرہ میں جمع ہونے والی رقوم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، صدقات واجبہ میں عدم وجوب ظاہر ہے، اس لئے کہ اگر خود معطین کے پاس وہ رقم رہتی تو ان پر زکوٰۃ اس رقم کی واجب نہ ہوتی اور عطیات کی رقم معطی کی ملک سے نکل جاتی ہے اور مدرسہ اور ادارہ کے ساتھ مختص ہو جاتی ہے۔

۴- اگر وہ مال خالص حرام ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں تب تو واجب الرد ہے اور اگر معلوم نہیں تو کل واجب التصدق ہے۔

اگر یہ حرام مال حلال مال میں مخلوط ہو (خواہ باہم تمیز مشکل ہو یا نہ ہو) تو دیکھا جائے گا کہ اگر مال حرام کی مقدار اس میں سے نکالی جائے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں، اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (دیکھئے: البحر الرائق ۲/۲۲۱، امداد الفتاوی وغیرہ)۔

۵- امام صاحبؒ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں: قوی، متوسط، ضعیف۔

دین قوی وہ دین ہے جو کسی مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض میں کسی کے ذمہ واجب ہوا ہو، دین قوی میں زکوٰۃ دائن ہی کے ذمہ ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی، مگر ادائیگی لازم اس وقت ہوگی جب کہ بقدر چالیس درہم کے وصول ہو جائے۔

"فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوى كقرض وبدل ومال تجارة" (الدر المختار علی الشامی ۲/۴۷، ۴۸)۔

Marfat.com

مدیون پر کسی حال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگر چہ اس مال کو تجارت میں لگا کر فائدہ اٹھا رہا ہو۔

"وسببه ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد" (شامی ۲/۵-۶)۔

جس دین قوی کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو، قبلِ وصول دائن پر اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول ہونے کے بعد سال گزرنے کے بعد (اگر دوسرا مال زکوٰۃ موجود نہیں ہے) اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، دیکھئے: (الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۱۲، ۸۵)۔

دین متوسط جو مال تجارت اور سونے چاندی کے علاوہ مال کا معاوضہ ہو، اور دین ضعیف جو مال کا معاوضہ نہ ہو، جیسے دین مہر یا بالکل معاوضہ نہ ہو، جیسے حصۂ میراث ووصیت، دین متوسط کا حکم امام صاحبؒ سے اصح الروایتین کے مطابق اور دین ضعیف کا حکم یہ ہے کہ ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ وصول ہونے کے بعد جب سال گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی (الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۴۹)۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ کی رقوم پر قبل وصول زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور وصولیابی کے بعد جب سال گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، اور ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم دین متوسط اور قوی میں داخل نہیں، اس لئے کہ یہ مال ہی کا بدل نہیں ہے، کیوں کہ یہ اجرت حُر کا جز ہے اور خدمت حر مال نہیں، لہٰذا دین ضعیف میں داخل ہے اور دین ضعیف کی طرح اس میں بھی سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، بلکہ وصول ہونے کے بعد سال گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر اس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب پہلے سے موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

چوتھی شرط کے متعلق سوال کا جواب

۱- حکومت سے حاصل کردہ قرض طویل الاجل کی صورت میں وجوب زکوٰۃ کے لئے پورے قرض کو اموالِ زکوٰۃ سے منہا کیا جائے گا، صرف سالانہ واجب الاداء قسط وضع نہیں کی جائے گی۔

"وفی الزیلعی أیضاً لا یتحقق الغنی بالمال المستقرض ما لم یقبض" (ردالمحتار ۲/۱۰، طبع استنبول)۔

"ومنها أن لا یکون علیه دین مطالب به من جهة العباد عندنا فإن کان فإنه یمنع وجوب الزکاة بقدره حالا کان أو مؤجلاً (ردالمحتار ۲/۶)۔

حکومت سے لئے ہوئے قرضوں کے بارے میں عبارت **"زاد القهستانی عن الجواهر والصحیح أنه (أی المؤجل) غیر مانع"** (شامی: ۲/۷) سے دھوکہ نہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ قرض میں شرعاً تاجیل صحیح نہیں ہے، لہٰذا شرعاً وہ مؤجل نہیں ہیں۔ (ردالمحتار ۴/۲۳۵)۔

کمپنی پر زکوٰۃ

تجارت مشترکہ اور کمپنی وغیرہ میں احناف کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لئے ہر حصہ دار کے اپنے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا۔

"لا تجب الزکاة عندنا فی نصاب مشترک من سائمة ومال تجارة..." (الدرالمختار مع ردالمحتار ۲/۲۷)۔

جواہرات کی زکوٰۃ

جولوگ ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے ہیں ان پر ان جواہرات وغیرہ کی زکوٰۃ یقیناً واجب ہے، لیکن جولوگ سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے ہیرے جواہرات خریدتے ہیں اور خریدتے

Marfat.com

وقت تجارت کی نیت نہیں ہوتی ہے ان پر ان جواہرات کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح جو عورتیں تزئین وآرائش کے لئے استعمال کرتی ہیں ان پر بھی اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

"أما اليواقيت واللآلي والجواهر فلا زكاة فيها وإن كانت حليا إلا أن تكون تجارة كذا في الجوهرة" (عالمگیری ۱/۱۸۰)۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

تاجر اگر تھوک سے فروخت کرتا ہے تو سامان تجارت کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے دن جس تھوک بھاؤ سے بیچا جارہا ہے اس بھاؤ سے قیمت لگائے اور اگر تاجر پھٹکر سے فروخت کرتا ہے تو پھٹکر فروختگی کے بھاؤ کا اعتبار کرے، الحاصل عموماً خریدار جس قیمت سے لیتا ہے وہ معتبر ہے۔

جو لوگ زمینوں کی تجارت کرتے ہیں وہ اراضی عشری یا خراجی ہیں تو ان پر عشر یا خراج واجب ہے، ان میں تجارت کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے (بدائع ۲/۵۷، ردالمحتار ۲/۱۹)۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوۃ

کمپنیوں کے شیئرز کی خرید اگر تجارت کی نیت سے ہی ہوئی ہے تو کمپنیوں کے یہ خاص حصص اموال تجارت ہونے کی وجہ سے ان کی پوری مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور وجوب زکوٰۃ کے دن مارکیٹ کا جو بھاؤ ہوگا اس کا اعتبار ہوگا (تنویر الأبصار مع ردالمحتار ۲/۴۱، ۴۲)۔

اور اگر شیئرز کی خرید تجارت کی نیت سے نہیں کی ہے تو وجوب زکوٰۃ کے دن کمپنی کے پاس ان شیئرز کا جو حصہ تجارت میں لگا ہوا ہے اس حصہ اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ وہ نفع اس کو پورا مل گیا ہو، خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ تجارت میں شامل ہو گیا ہو، اور جو حصہ عمارات وآلات میں لگا ہوا ہے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

"ولا في ثياب البدن .... ونحوها" (الدر) في ردالمحتار:

Marfat.com

وکالحیوانیت والعقارات (شامی ۲/ ۱۰) وفی الدر: "وکذلک آلات المحترفین" (الدر ۲/ ۱۱)۔

قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈز میں لگایا ہے ان بونڈز کے کیش کرانے کے وقت (یعنی اس رقم کے وصول ہونے کے بعد) اس سرمایہ میں سابقہ تمام سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔

"تجب زکاتها إذا تم نصاباً وحال الحول .... عند قبض أربعين درهماً من الدين القوی کقرض" (الدر علی الشامی ۲/ ۴۷، ۴۸)۔

محور ثانی نصاب زکوۃ

کسی شخص کے پاس صرف سونا ہے تو وجوب زکوۃ کے لئے سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، مثلاً کسی کے پاس ۶ تولہ سونا ہے اور مال تجارت، چاندی، نقد روپئے میں سے کوئی نہیں ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اگر چہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر یا اس سے چند گنا زیادہ ہو جاتی ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۹، ۲۰، ۲۱)۔

ہاں اگر کسی کے پاس سونے کے علاوہ مال تجارت چاندی اور نقد روپئے میں سے کوئی ہے اور ان کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہے تو زکوۃ واجب ہوگی، یعنی اس صورت میں چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا، اسی طرح صرف مال تجارت یا صرف روپئے یا دونوں ہیں اور ان کی مالیت چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ہے تو زکوۃ واجب ہوگی۔

اسی طرح نصاب حرمت زکوۃ اور غناء کے مستحق ہونے کے لئے اگر کسی کے پاس صرف سونا ہے اور مال تجارت، روپئے، چاندی اور ضرورت سے زائد کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سونے کے نصاب کا اعتبار ہوگا، مثلاً کسی کے پاس ۶ تولہ سونا ہے اور اس کے پاس دوسری کوئی چیز ضرورت سے زائد مال تجارت چاندی اور روپئے وغیرہ میں سے نہیں تو ایسے شخص کے لئے زکوۃ

Marfat.com

لینا جائز ہے، حرام نہیں ہے، اس لئے کہ یہ نصاب سے کم کا مالک ہے۔

لیکن اگر سونے کے علاوہ ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کا مالک ہے تو اب چاندی کے نصاب کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر پہنچ جاتی ہے ان کی قیمت تو وہ غنی ہے، اس کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ حرمت زکوۃ کے لئے اگر اس کے پاس صرف سونا ہے تو سونے کے نصاب کا اعتبار ہوگا اور اگر سونا نہیں ہے یا ہے، لیکن دیگر مذکورہ اشیاء میں سے کسی ایک چیز کا بھی وہ شخص مالک ہے تو چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۸۸، ۸۹)۔

مصارف زکوۃ

۱- صورت مسئولہ میں بہتر اور جائز صورت یہ ہے کہ ہر طالب علم سے شروع مہینہ میں معاملہ طے کردیا جائے اور ختم ماہ پر اس کو ۲۵۰ روپئے کا مالک بنا دیا جائے پھر مدرسہ میں وہ روپئے جمع کرادے یا اس سے وصول کرلئے جائیں۔

مہتمم مدرسہ معطیین زکوۃ کا وکیل ہے اور مستحقین زکوۃ طلبہ کا وکیل نہیں ہے۔

۲- مدرسہ کے سفراء اور چندہ حاصل کرنے والے العاملین علیہا (وأما العاملون علیها فهم الذین نصبهم الإمام لجبایة الصدقات) (بدائع ۲/۴۴) میں داخل نہیں ہیں، نیز انہیں شرح فی صد متعین کمیشن پر سفیر مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اجرت مجہول ہے۔

اسی طرح حساب آمد و خرچ کے اندراج پر جو عملہ مقرر ہے ان کی ماہانہ تنخواہ مد زکوۃ سے ادا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

زکوٰۃ سے جڑے ہوئے کچھ نئے مسائل

مولانا جعفر ملی رحمانی☆

ملک تام سے مراد

ملک تام سے مراد یہ ہے کہ مال پر ملکیت و قبضہ دونوں ہوں، چنانچہ جس مال پر قبضہ وملکیت نہ ہو یا ملکیت ہو لیکن قبضہ نہ ہو یا قبضہ ہو، لیکن ملکیت نہ ہو، ان تینوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مثلاً مکاتب کے کمائے ہوئے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں، کہ وہ قبضہ میں ہے، لیکن ملک میں نہیں ہے اور نہ ہی مولیٰ پر اس رقم مکاتبت کی زکوٰۃ واجب ہے، کہ ملک حاصل ہے، لیکن قبضہ میں نہیں ہے (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۷۲، فتاوی دار العلوم ۶/ ۸۱)۔

۱- جو قیمت پیشگی ادا کر دی گئی اس کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہوگی، کیونکہ وہ اس کی ملک اور قبضہ میں ہے اور اس مال کی زکوٰۃ جواب تک وصول نہیں ہوا، نہ بائع پر واجب ہوگی کہ قبضہ ہے، لیکن ملکیت نہیں ہے اور نہ مشتری پر کہ ملک حاصل ہے، لیکن قبضہ نہیں ہے (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۷۲)۔

لیکن ''محیط السرخسی'' کے حوالہ سے ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ مبیع قبل القبض نصاب ہوگی، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

☆ معہد ملت مالیگاؤں۔

Marfat.com

۲- مالک مکان زر ضمانت وزیورات کے نام سے جو رقم وصول کرتا ہے اگر اس میں یہ شرط ہے کہ عقد اجارہ کے فسخ یا مدت اجارہ ختم ہوجانے پر یہ رقم کرایہ دار کو واپس کردی جائے گی تو اس رقم کو رہن ماننے کی صورت میں نہ کرایہ دار پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی مالک مکان پر، کیونکہ رہن کی ہوئی چیز کی زکوٰۃ نہ راہن پر واجب ہوتی ہے، کہ ملک میں ہے، لیکن قبضہ میں نہیں ہے اور نہ مرتہن پر واجب ہوتی ہے، کہ قبضہ میں ہے، لیکن ملک میں نہیں، جبکہ وجوب زکوٰۃ کے لئے قبضہ وملک دونوں کا ہونا ضروری ہے (ردالمحتار ۲/۹، الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۳۲)۔

۳- مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم واموال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال زکوٰۃ پر ملک حاصل ہونا شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے، جیسا کہ الدر المختار اور ردالمحتار کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

"وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي" (درمختار) "قوله ملك نصاب فلا زكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك" (الدر المختار وردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ۲/۹، فتاویٰ دار العلوم ۶/۵۱)۔

۴- جب کل مال حرام ہی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ پورے مال کا تصدق لازم ہے (ردالمحتار ۲/۳۳، فتاوی دار العلوم ۶/۹۷)۔

۵- اگر مال حرام اپنے مال حلال میں اس طرح گڈمڈ اور مخلوط ہوگیا کہ ان کا الگ کرنا مشکل ہو تو امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ کل مال کی زکوٰۃ واجب ہے، بشرطیکہ مالِ حلال اس قدر ہو کہ اس مال حرام کا معاوضہ ان لوگوں کو جن سے لیا یا ان کے ورثہ کو دے سکے یا ادا کرکے بہ قدر نصاب مال باقی رہے (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۳۳، امداد الفتاوی ۲/۲۱)۔

۶- فقہائے کرام نے دین کی وصولیابی کی امید وناامیدی کے اعتبار سے تین قسمیں بیان کی ہیں:

Marfat.com

۱- دین قوی: نقد روپئے قرض دیئے یا سامان بیچا اور قیمت باقی رہ گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس کو واپس مل جائے، اب ملنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف- یا یہ کہ کئی برس بعد یہ رقم اکٹھا وصول ہو جائے تو اس صورت میں ان تمام برسوں کی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی جتنے برس یہ رقم مقروض کے پاس رہی (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۵)۔

ب- یہ کہ یہ رقم تھوڑی تھوڑی وصول ہو، جتنی رقم وصول ہوتی جائے اتنی کی زکوٰۃ ادا کرتا جائے، مثلاً ۷۵ روپئے نصاب زکوٰۃ ہو اور اتنی ہی رقم مدیون پر ہے یا اس سے زیادہ ہے، اب مدیون سے اگر ۱۵/روپئے ملتے ہیں تو اس کی ایک روپیہ زکوٰۃ ادا کردے، البتہ مدیون سے ملنے والی رقم نصاب زکوٰۃ ۵/۱ سے بھی کم وصول ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۵، نور الایضاح ر ۱۵۷)۔

۲- دین متوسط: ایسی چیز کا دام باقی ہو جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، مثلاً دکان و مکان کا فرنیچر، پہننے اور اوڑھنے کے کپڑے، سواری کے گھوڑے، کھیتی باڑی میں کام کرنے کے آلات بیچ دیا اور اس کی قیمت باقی ہے، اگر یہ رقم اتنی ہے کہ نصابین میں سے کسی ایک کی قیمت کو پہنچتی ہیں اور ایک ساتھ اتنی مقدار میں وصول بھی ہو جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو جتنے سال یہ رقم مدیون کے پاس رہی ان تمام سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا واجب ہے (سابقہ حوالے)۔

۳- دین ضعیف: اس چیز کا بدل ہے جو مال تجارت نہیں ہے، جیسے مہر و وصیت، بدل خلع، بدل کتابت وغیرہ، اس دین پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہے جب کہ بقدر نصاب پر قابض ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے۔

واضح رہے کہ گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس دین میں واجب نہ ہوگی (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۵)۔

۷- مدیون اگرچہ مال دار ہو اور دین کی رقم کو اپنے کاروبار میں استعمال کر رہا ہو،

Marfat.com

ادائیگی دین میں ٹال مٹول کررہا ہو، اس پر دین کی رقم کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کی صحت موقوف ہے تملیک مستحق پر، اور تملیک وہی متصور ہوتی ہے جہاں ملک ہو، جب کہ مدیون کے پاس جو رقم ہے اس پر اس کا قبضہ تو ہے لیکن وہ اس کا مالک نہیں ہے (بدائع الصنائع ۲/۹، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۲)۔

۸- سرکاری محکموں اور مختلف ذاتی کمپنیوں میں ملازمین کی ماہانہ یافت سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے ان کے کھاتوں میں جمع ہوتی ہے اس جمع شدہ رقم پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک وہ وصول نہ ہو اور وصول ہونے کے بعد بھی سال گزرے اس وقت واجب الاداء ہوگی، اور صرف اسی زمانہ کی جو وصول رقم کے بعد سے اس پر گزرے گا، کیونکہ یہ روپیہ ابھی تک اس شخص کے قبضہ میں نہیں آیا اور اس کا اگرچہ ایک حصہ بدل عمل ہے مگر زیادہ حصہ کا اس کا محض عطیہ ہے، یہ دین ضعیف ہے اور اس کا یہی حکم ہے (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۵، کفایۃ المفتی ۲۸۸۲)۔

نما کی حقیقت اور اس کی صورتیں

نامی کہتے ہیں اس مال کو جو بڑھنے والا ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- نما حقیقی: جیسے تجارت کا مال یا مویشی۔

۲- نما تقدیری: جیسے سونا چاندی کہ اسے ہر حال میں بڑھنے والا قرار دیا گیا ہے، خواہ اس کو کاروبار میں لگا کر بڑھایا گیا ہو یا زمین میں دفن کر کے محدود کر دیا گیا ہو، تقدیراً نامی کا یہی مطلب ہے کہ اسے بڑھنے والا قرار دیا گیا ہے، خواہ درحقیقت اضافہ ہو یا نہ ہو (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۲، بدائع الصنائع ۲/۱۱)۔

ضروریات انسانی دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱- وہ حاجت جو بنیادی وضروری ہوتی ہے۔

۲- وہ حاجت جو غیر بنیادی اور کم اہم ہوتی ہے۔

Marfat.com

- حاجت اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن پر آدمی کی حیات اور عزت و آبرو کا دارومدار ہوتا ہے، جیسے کھانا، پینا، لباس، رہنے کا مکان پیشہ ور آدمی کے اوزار اور مشین وغیرہ، سواری کا گھوڑا، سائیکل، موٹر وغیرہ، گھر دار کا سامان، کتابیں جو مطالعہ کے لئے ہوں، کاروبار کی غرض سے نہ ہوں، حاجتِ اصلیہ میں سے ہے، اسی طرح علاج کے لئے یا کسی کا گھر بارش میں گر گیا اور اس نے بنوانے یا مرمت کرنے کے لئے یا مکان تنگ ہے اس کی توسیع کے لئے جو رقم رکھی ہے وہ اس کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، صاحب درمختار کے اس جملہ "وفارغ عن حاجته الأصلية" کی تشریح علامہ شامی نے یہی کی ہے۔
- دوسری وہ حاجتیں جو غیر بنیادی یا کم اہم ہوں مثلاً شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ یا اور کوئی تقریب کے لئے جو رقم رکھی ہے اور وہ اس قدر ہے کہ نصابین میں سے کسی ایک کی قیمت کو پہنچتی ہے تو اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ ضرورتیں ضروریات اصلیہ میں سے نہیں ہیں۔ (اسلامی فقہ/ ۱۳۵، الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۵۸۴، البدائع الصنائع ۲/ ۱۱)۔

انسانی زندگی کی بقاء اور اس کی آبرو وعزت کا تحفظ جن اشیاء کا متقاضی ہے وہ تمام ہی اشیاء اس کی حاجت اصلیہ میں شمار ہوں گی اور ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اب یہ چیزیں ہر دور اور ماحول کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہیں، لہٰذا ہر دور اور ماحول کے اعتبار سے ان اشیاء کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے؟

دین کی دو قسمیں ہیں:

۱- وہ دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو۔

Marfat.com

۲- جس کا مطالبہ اللہ کی طرف سے ہو۔

مثال قسم اول: زکوٰۃ، عشر، خراج وغیرہ یہ حق اللہ ہیں، مگر ان کا مطالبہ امام وقت کی طرف سے ہوسکتا ہے، یا وہ قرض بندوں کا ہو، جیسے ثمن، اجرت، ضمان متلفات وغیرہ۔

مثال قسم ثانی: نذور، کفارات، حج۔ دین کی پہلی قسم مانع زکوٰۃ ہے، دوسری قسم مانع زکوٰۃ نہیں ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ۲/۲۴۰، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۳، علم الفقہ ۲/۲۴۰)۔

۱- اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، بعدہٗ اگر اموالِ زکوٰۃ بقدر نصاب باقی رہتے ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۹، الفتاوی الہندیہ ۲/۱۲۳، فتاوی دار العلوم ۶/۱۴۰)۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

وجوب زکوٰۃ کے لئے کمپنی میں شریک ہر فرد کے انفرادی حصے کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر کمپنی کی مجموعی مالیت اس کے تمام شرکاء پر تقسیم کی جائے تو ہر فرد کے حصہ میں بقدر نصاب مالیت آتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ جن کے حصہ میں بقدر نصاب مالیت آتی ہو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور جن کے حصہ میں نہیں آتی ان پر واجب نہ ہوگی (فتاوی دار العلوم ۶/۷۰، اسی طرح فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے)۔

ہیرے اور جواہرات پر زکوٰۃ

ہیرے جواہرات اگر تجارت کے لئے نہیں ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (کتاب الاموال/۲۸۵)۔

ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے جو رقم ہیرے جواہرات کی شکل میں محفوظ کرلی جاتی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک کہ یہ ہیرے جواہرات اس مال میں تبدیل نہ ہو

Marfat.com

جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔
اسی طرح جو جواہرات عورت تزئین اور آرائش کے لئے استعمال کرتی ہیں ان پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہے (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/ ۱۸، فتاوی دار العلوم ۶/ ۱۳۰، ۱۳۴)۔

اموال تجارت پر زکوۃ

۱- اموال تجارت کی زکوۃ اس حساب سے دی جائے گی جو قیمت ان اموال کی زکوۃ کے ادا کرنے کے دن بازار میں ہوگی۔

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء إجماعاً وهو الأصح ويقوم في البلد الذي المال فيه" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۶۱)۔

رہا یہ مسئلہ کہ تھوک بھاؤ کا اعتبار ہوگا یا پھٹکر کا، تو اس بارے میں احقر کا خیال یہ ہے کہ صاحب مال دیکھے کہ یہ مال اس کے پاس زیادہ تر تھوک جاتا ہے یا پھٹکر اور اسی حساب سے وہ قیمت کا اعتبار کرے، یعنی تھوک بھاؤ میں جاتا ہے تو تھوک بھاؤ کا اعتبار کرے اور اگر پھٹکر جاتا ہے تو پھٹکر بھاؤ کا۔

۲- جو لوگ اراضی کی خرید و فروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں سال پورا ہونے پر نقد روپے کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں بغرض تجارت ہے وہ بھی اموال زکوۃ میں شمار ہوں گی اور ان پر زکوۃ کا وجوب نہ قیمت خرید کے اعتبار سے ہوگا اور نہ ہی متوقع قیمت فروخت کے اعتبار سے ہوگا، بلکہ اس قسم کی زمین کی جو قیمت ادائے زکوۃ کے دن ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۶۱)۔

شیئرز پر زکوۃ کا مسئلہ

شیئرز میں جو رقم دی جاتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں:

Marfat.com

۱- ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے ہوئے ہیں جو تجارت کرتی ہے، مثلاً وہ کمپنی جس میں گھڑی، جوتا، قلم وغیرہ بنا کر بیچا جاتا ہے، اس صورت میں شیئرز کی اصل قیمت اور کمپنی سے جو نفع ہر شیئرز ہولڈر کو ملتا ہے دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے (امداد الفتاویٰ ۲؍۲۰، کفایت المفتی ۴؍۲۴۳)۔

یہ بھی واضح رہے کہ ادائے زکوٰۃ کے دن مارکیٹ میں شیئرز کی جو قیمت ہوگی وجوب زکوٰۃ کے لئے اسی کا اعتبار ہوگا۔

۲- ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے ہوئے ہیں جو تجارت نہیں کرتی ہے بلکہ صرف کرایہ وصول کرتی ہے، جیسے کارخانے، دکانیں بنا کر کرائے پر دیے جاتے ہوں، اس صورت میں شیئرز کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ اس سے حاصل شدہ منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی (کفایت المفتی ۴؍۲۴۲، فتاوی رحیمیہ ۲؍۱۴، کفایۃ المفتی ۴؍۲۴۳)۔

۳- بونڈز پر جو سرمایہ لگایا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ بھی واجب الاداء ہے، لیکن اس وقت جب کہ بونڈز کیش کرائے جائیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ تمام ہی گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"ولوكان الدين على مقر الخ فوصل إلى ملكه لزم زكوة ما مضى"
(الدر المختار علی ہامش رد المختار ۶؍۱۲، فتاوی دار العلوم ۶؍۱۳۷)۔

نصاب زکوٰۃ کا مسئلہ

نصاب حرمت زکوٰۃ و وجوب زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار نصاب چاندی سے مقرر کی جائے تو یہ انفع للفقراء واحواط لغیر ہم ہے، انفع للفقراء اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوٰۃ نکالے گا، جس میں فقراء کا فائدہ ہے اور احوط لغیر ہم اس طرح کہ جس کے پاس بھی نصاب چاندی کی مقدار میں مال ہوگا وہ زکوٰۃ نہیں لے گا، بلکہ زکوٰۃ ادا کرے گا، اور یہ دونوں باتیں اس کے حق میں اچھی ہیں، اور نصاب چاندی کو نصاب حرمت

Marfat.com

زکوٰۃ وموجب زکوٰۃ تسلیم کرنے میں کوئی شرعی قباحت بھی نظر نہیں آتی ہے۔

مصارف زکوٰۃ کا مسئلہ

۱- سوال میں تملیک مستحق کی جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں، ان دونوں میں تملیک صحیح نہیں ہو پاتی، پہلی صورت میں اس واسطے نہیں کہ طالب علم کا قبضہ ہی مال پر نہیں ہوتا ہے، دوسری میں بھی چونکہ طالب علم کو چیک کا مالک بنا دینے سے اصل مال کا مالک وہ نہیں بنتا کہ اس چیک کے ذریعہ اصل مال حاصل نہ ہو (کیونکہ چیک اصل مال نہیں ہے)۔

اس لئے حیلہ تملیک صحیح ہونے کے لئے اہل مدرسہ کو چاہیے کہ وہ طالب علم (جو غیر مستطیع ہے) کو اصل مال کا مالک بنا دیں، بعدہٗ وہ اپنے رہنے، کھانے، تعلیم کی فیس میں اسے مدرسہ میں جمع کرا دیں۔

۲- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان تینوں بزرگوں نے مہتمم مدرسہ کو فقراء کا وکیل قرار دیا ہے اور انھیں زکوٰۃ کا مال ادا کرنے سے معطیین زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ جواہر الفقہ (۴؍۳۸۴) سے معلوم ہوتا ہے، اور ان بزرگان دین کی بات معطیین زکوٰۃ و مہتمم مدرسہ دونوں کے حق میں مفید معلوم ہوتی ہے، معطیین کے حق میں اس طرح کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ مہتمم مدرسہ اور اس کے سفراء کو دے دینے سے ادا ہو جائے گی اور مہتمم مدرسہ کے حق میں اس طرح کہ اگر کوئی معطی زکوٰۃ انتقال کر گیا اور اس کی رقم ابھی تک مصرف زکوٰۃ میں مہتمم مدرسہ نے خرچ نہیں کی تو اس کے ورثاء کو واپس کرنا نہیں پڑے گی۔

احقر بھی ان اکابر کی رائے سے متفق ہے اور مہتمم مدرسہ کو فقراء کا وکیل قرار دیتا ہے۔

۳- کمیشن پر چندہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ کمیشن میں یہ ہوتا ہے کہ سفیر سے کہا جاتا ہے، تم جس قدر چندہ کر کے لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث تم کو ملے گا، گویا اجرت کو مجہول رکھا

Marfat.com

جاتا ہے اور یہ مفسد اجارہ ہے (الدر المختار)۔

نیز یہی رائے مفتی محمود الحسن صاحبؒ کی ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱؍۵۲۴)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۲؍۱۰)۔

۴- محصلین زکوٰۃ کو مولانا مفتی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے عاملین کے حکم میں داخل کر دیا ہے، اسی طرح کفایت المفتی کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے محصلین زکوٰۃ (جو مدارس میں بہ تنخواہ مقرر ہوتے ہیں) کو عاملین کے حکم میں داخل کیا، اور انھیں زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا جائز قرار دیا، البتہ اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ ان کی تنخواہ حاصل شدہ زکوٰۃ کی نصف رقم سے زیادہ نہ ہو (کتاب الاموال ۶؍۵۳۶)۔

۵- حساب آمد و خرچ پر جو عملہ مقرر ہوتا ہے ان کی تنخواہ زکوٰۃ کی مد سے اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ان کے مہینے بھر کے کام کا اوسط نکالا جائے، جتنا کام انھوں نے زکوٰۃ کے حساب کتاب کا کیا انھیں اس کی اجرت زکوٰۃ کی مد سے دی جائے اور دیگر جو کام کیا اس کی اجرت مد زکوٰۃ سے نہ دی جائے، مثلاً ایک آدمی زکوٰۃ کے شعبہ محاسبی میں کام کرتا ہے اس کی ایک ہزار روپئے تنخواہ ہے، اس کے پورے مہینے کے کام کا اوسط نکالا گیا تو پندرہ روز وہ نکلے جس میں زکوٰۃ کی رقم سے متعلق کام ہوا، اور دیگر پندرہ روز دوسری رقومات کے حساب وغیرہ میں، تو اس آدمی کو مدرسہ کا ذمہ دار یا مہتمم صرف پندرہ روز کی تنخواہ زکوٰۃ کی رقم سے دے، دیگر پندرہ روز کی تنخواہ کا انتظام دوسری مدوں سے کریں۔

Marfat.com

مسائل زکوٰۃ

مولانا مفتی عبداللہ خالد☆

شرط اول، ملک تام

ملک تام سے مراد یہ ہے کہ شرعی طور پر وہ شخص اس کا مالک بھی ہو اور وہ شئی اس کے قبضہ میں بھی ہو، فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے شرعی ملکیت اور قبضہ دونوں ہی ضروری ہیں، اگر ملکیت شرعی طور پر موجود ہو، لیکن قبضہ میں نہیں ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے گم شدہ مال یا دریا میں گر جانے والا مال، اسی طرح اگر قبضہ میں تو موجود ہے لیکن شرعاً وہ چیز قابض کی ملکیت میں نہیں ہے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً غلام یا مکاتب کے مال میں غلام اور مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

''درمختار'' میں ہے:

''وسببه أى سبب افتراضها ملک نصاب حولی تام بالرفع صفة ملک خرج مال المکاتب''

''شامی'' میں ہے:

''(خرج مال المکاتب) أى خرج بالتقیید به؛ لأن المراد بالتام المملوک رقبةً ویداً'' (ردالمحتار ۲/۴)۔

☆ بہار شریف نالندہ۔

Marfat.com

شرح وقایہ میں ہے: "مملو كاً تاماً" اوراس کی شرح میں چلپی میں لکھا ہے: "أی رقبة ویداً۔"

١- مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کی جا چکی ہے اور بائع جس پر قابض ومتصرف ہے، قواعد فقہیہ کی رو سے بائع پر تو اس قبضہ کی ہوئی قیمت پر بشرط نصاب حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن مشتری (جس کا ثمن پر قبضہ وملک کچھ بھی نہیں اور مال پر ملکیت تو ثابت ہے لیکن قبضہ نہیں) پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چونکہ ملک تام کی شرط پائی نہیں جارہی ہے، البتہ قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہونی چاہئے، چونکہ یہ بھی دین ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس دین ضعیف کی تعریف میں نہیں آتا جس میں سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ لازم نہیں، اگر چہ علامہ شامی نے "خانیہ" کے حوالہ سے سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کا عدم وجوب بھی نقل کیا ہے (الدر المختار ورد المحتار ۲ر ۵، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۱ر ۲۹۹، رسائل الارکان ر ۱۶۳، فتاوی قاضی خاں ۲ر ۱۸۶)۔

٢- کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم جو عقد اجارہ کے فسخ یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کردی جاتی ہے، یہ رقم دراصل ماہ بہ ماہ کرایہ کی ادائیگی یا عقد اجارہ کے پورا ہوجانے پر مکان ودکان کے خالی کردیے جانے کے سلسلہ میں اطمینان کی ضمانت ہے اور یہ صورت رہن کی ہے، گویا یہ پیشگی رقم بہ طور رہن مالک کے پاس رکھی گئی ہے اور روپیوں کا بہ طور رہن رکھنا جائز بھی ہے۔

"ویجوز رهن الدراهم والدنانير" (الفتاوی الہندیہ)۔

مال مرہونہ پر زکوٰۃ نہ تو راہن پر واجب ہے اور نہ ہی مرتہن پر، کیونکہ راہن کا اس روپے پر قبضہ اور تصرف نہیں ہے، نیز راہن اس مدت اجارہ کے ختم ہونے سے قبل اس رقم کی واپسی کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا، اس لئے گویا یہ ایسے دین کی طرح ہوگیا جس کا مدیون منکر ہو۔

"لأنه مشغول بالدين ولا تجب على المشترى والمستاجر أيضا؛ لأنه وإن اعتبر ديناً للمستاجر فليس بمنتفع فى حقه؛ لأنه لا يمكنه المطالبة قبل

Marfat.com

فسخ الإجارة فلا يملكه حقيقة فكان هذا بمنزلة الآبق على الحاجة أو فوقه وثمه لا تجب الزكوة ما لم يحل الحول بعد القبض" (فتاوی قاضی خان ۲/۱۸۲)۔

مرتہن پر اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی کہ مرتہن کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہے، بلکہ وصولی کے بعد بھی راہن پر راجح قول کے مطابق گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۷)۔

البتہ یہ بحث الگ ہے کہ مذکورہ صورت میں جب کہ اس کو رہن مانا جائے مالک مکان کو اس روپے سے نفع حاصل کرنا درست ہوگا یا نہیں، لیکن یہ محل اس بحث کا نہیں ہے۔

۳- جس مال کا کوئی معین مالک نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، شامی میں لکھا ہے:

"فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك" (ردالمحتار ۲/۴)۔

البتہ یہاں پر ایک بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ فی زماننا مدارس و دیگر اداروں کے مہتمم وناظم یا ذمہ داران زکوۃ دہندہ کے وکیل ہیں یا مستحقین زکوۃ کے، یہ سوال محور ثانی کے نمبر ایک میں آیا بھی ہے، مذکورہ سوال کے جواب کا تعلق بھی چونکہ اس سے ہے، اس لئے اجمالاً اس پر بحث کی جاتی ہے۔

مسلمان امیر یا غیر اسلامی ممالک کے وہ امیر جن کو مسلمانوں کے اہل حل وعقد افراد نے اپنا امیر منتخب کرلیا ہو تو بلاشبہ مستحقین زکوۃ کے وکیل ہیں، لہٰذا جوں ہی زکوۃ دہندہ نے ان کو یا ان کے مقرر کردہ عاملین کو زکوۃ دے دیا وہ مال زکوۃ دہندہ کی ملک سے نکل گیا اور زکوۃ ادا ہوگئی۔ لیکن ان مدرسوں اور اداروں کے ذمہ داران بظاہر مستحقین زکوۃ کے وکیل نہیں ہیں، اس لئے جب تک ذمہ داران مدارس زکوۃ کو اس کے مصرف میں خرچ نہ کردیں زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصریح کے مطابق وہ مال زکوۃ دہندہ کی ملکیت ہے، یہاں تک کہ حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ اس پر حولان حول کے بعد زکوۃ بھی واجب ہوگی اور مرنے کے

Marfat.com

بعد وراثت بھی جاری ہوگی (العلم والعلماء)۔

اسی رائے کا اظہار مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے ''معارف القرآن'' میں بھی کیا ہے، اس رائے کے مطابق اگر زکوٰۃ وعطیہ دہندگان کا دیا ہوا مال بقدر نصاب ہے اور نہ تو اس کی تملیک ہوئی ہے اور نہ ہی وہ مصرف پر خرچ ہوا ہے تو حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے، دیکھئے: (شرح الوقایہ مع چلپی ۶۸/، فتاویٰ ہندیہ ۲۶۸/۱)۔

۴- خالص حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ وہ سب کا سب واجب التصدق ہے:

''(كما لو كان الكل خبيثاً) في القنية لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه'' (ردالمحتار ۲۵/۲)۔

مال حرام اگر مال حلال کے ساتھ مخلوط ہو گئے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جس کو صاحب درمختار نے ارفق قرار دیا ہے زکوٰۃ واجب ہوگی، پوری تفصیل کے لئے دیکھئے: (الدرالمختار ورد المحتار ۲۵/۲، فتح القدیر ۲۹۹/۲)۔

۵- دین کی زکوٰۃ مدیون پر واجب نہیں ہوگی، چونکہ مدیون کے ذمہ اتنا مال دائن کو دینا واجب اور ضروری ہے اور مدیون اگر چہ وقتی طور پر اس سے مستفید ہو رہا ہے، لیکن یہ مدیون کی ملکیت میں نہیں ہے اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک تام شرط ہے:

''ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً'' (ہدایہ ۱۶۶/۱، نیز دیکھئے: الدر المختار ۵/۲، فتاویٰ ہندیہ ۲۴۳/۱، الاشباہ ۲۲۶)۔

البتہ دائن پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ بہر صورت فی الحال تو دائن پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ وصولی کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اور اگر واجب ہوگی تو وصولی کے بعد سنین ماضیہ کی بھی واجب ہوگی یا نہیں، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ دین کی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو کہ مفتی بہ قول بھی ہے تین قسمیں ہیں:

Marfat.com

۱- دین ضعیف: یعنی ایسی رقم یا شئی جو کسی ایسی چیز کے بدلہ میں باقی ہو جو از قبیل مال نہ ہو، جیسے مہر کی رقم یا بدل خلع کی رقم، اس دین پر دائن کے ذمہ اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، جبکہ مال پر قبضہ بھی ہو جائے اور قبضہ کے بعد اس پر سال بھی گزر جائے۔

۲- دین وسط: یعنی ایسی رقم جو کسی ایسی چیز کے بدلہ میں باقی ہو جو از قبیل مال تو ہو لیکن وہ مال از قبیل تجارت نہ ہو، اس دین پر دائن کے ذمہ اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، جبکہ بقدر نصاب رقم وصول ہو، اگر تھوڑی رقم جو کہ نصاب کی مقدار سے کم ہے، وصول ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جب بقدر نصاب رقم وصول ہوگی تو اس رقم پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دائن کے ذمہ واجب ہوگی۔

۳- دین قوی: یعنی ایسی رقم جو کسی کے ذمہ کسی ایسی چیز کے بدلہ میں واجب ہو جو مال تجارت ہے اس دین پر دائن کے ذمہ اسی وقت زکوٰۃ لازم ہوگی، جبکہ اس کی وصولی کم از کم نصاب زکوٰۃ کا ۱/۵ ہو، اگر نصاب کا پانچوں حصہ یا اس سے زیادہ کی وصولی ہوئی تو اس پر اسی حساب سے دائن کے ذمہ سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، ان دونوں قسموں یعنی دین وسط اور دین قوی میں وجوب زکوٰۃ کے لئے قبضہ کے بعد حولان حول ضروری نہیں (فتاوی ہندیہ ۱/۲۴۶، رسائل الارکان/۱۶۶، ۱۶۵، فتح القدیر ۱/۳۰۶، فتاوی قاضی خاں ۱/۱۸۱، خلاصۃ الفتاوی ۱/۲۳۸، درمختار ۲/۳۵)۔

اگر مدیون قدرت کے باوجود ٹال مٹول کر رہا ہو اور اس دین سے مستفید ہو رہا ہو تو اس دین پر مدیون کے ذمہ زکوٰۃ واجب قرار نہیں دی جاسکتی، چونکہ بہر حال یہ رقم اس کی نہیں اور اتنا مال اس کو مدیون کے حوالہ کرنا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ علامہ شامی نے ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک ہزار روپئے کسی سے قرض لئے اور دس آدمیوں نے اس کی کفالت لے لی اور ان سے ہر ایک کے پاس ہزار روپئے موجود ہوں تو ان کفالت لینے والوں میں سے کسی پر بھی

Marfat.com

زکوۃ واجب نہیں ہوگی، حالانکہ کفیل کے پاس اس قرض کی ادائیگی کے لئے رقم موجود ہے اور وہ کفالت کے باوجود انہیں ادا نہیں کر رہا ہے پھر بھی اس پر زکوۃ واجب نہیں، اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اصل مدیون اور مدیون کا کفیل دونوں وجوب زکوۃ کے حکم میں برابر ہیں:

"ولا فرق بين كون الدين بطريق الإصالة أو الكفالة حتى لا تجب عليهم الزكوة"

علامہ شامیؒ نے درمختار کے قول "ولو كفالة" کے تحت جزئیہ اس طرح نقل کیا ہے:

وصولیابی کی امید اور ناامیدی کے اعتبار سے دین کی دو قسمیں ہیں:

۱- وہ دین جس کی وصولی کی امید نہ ہو، مثلاً وہ دین جس کا مدیون منکر ہو اور دائن کے پاس کوئی گواہ موجود نہ ہو، ایسی دین پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر اس طرح کا دین خلاف امید واپس مل جائے تو حولان حول کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی، سنین ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، فقہاء نے اس قسم کے دین کو مال ضمار میں شمار کیا ہے۔

"أي نصاب حولي فارغ عن الدين ولا زكاة فيه مثل المهر قبل القبض أو مال الضمار" (الاشباہ/ ۲۸۲)، نیز دیکھئے: حموی/ ۶۸۲، الدر المختار، ہدایہ وغیرہ)۔

۲- وہ دین جس کے وصولی کی امید ہو، اس قسم کے دین کی تین قسمیں ہیں: ضعیف، وسط، قوی، ان کے احکام اوپر گذر چکے۔

۶- مذکورہ صورت میں اگرچہ ملازم اس وضع کردہ رقم کا مستحق ہے، لیکن اجرت پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت میں نہیں آیا، نہ ہی قبضہ میں ہے اور وجوب زکوۃ کے لئے ملک تام ضروری ہے، نیز اس صورت میں یہ مال نامی بھی نہ رہا، چونکہ اس میں ملازم کو کلی طور پر تصرف کا حق نہیں ہوتا اور بغیر حق تصرف کے مال میں نما کا تحقق نہیں ہوسکتا، چونکہ وجوب زکوۃ کے لئے شرط ہے:

Marfat.com

"وسببه ...... ملک نصاب حولی ...... تام" (الدرالمختار ۲/۵)۔

اس لئے قبضہ سے قبل اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

ملازم کی یہ رقم ان اداروں پر دین ہے اور بظاہر یہ دین ضعیف کی تعریف میں آتا ہے اور دین ضعیف میں دائن کے ذمہ اس رقم کی وصولی اور حولان حول کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس لئے پی۔ ایف کی رقوم پر وصولی کے بعد جب سال گزر جائے تب ہی زکوٰۃ واجب ہوگی اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

شرط دوم نما

نما کے معنی بڑھوتری کے ہیں، خواہ وہ بڑھوتری حقیقت میں موجود ہو، مثلاً تجارت کہ اس میں حقیقت میں مال بڑھتا ہے جو ہر شخص کو نظر آتا ہے یا حقیقت میں بڑھوتری نہ ہو، لیکن اس میں بڑھوتری کی صلاحیت موجود ہو، اس میں فقہاء نے صرف نقدین کو داخل کیا ہے، پھر نما حقیقی اور تقدیری دونوں کی دو دو صورتیں ہیں:

۱- خلقی: اور وہ سونے چاندی میں ہے۔

۲- فعلی نما فعلی تجارت کی وجہ سے ہوتا ہے، درمختار میں ہے: "نام ولو تقدیراً" اسی کے تحت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے۔

"وفی الشرع هو نوعان: حقیقی وتقدیری فالحقیقی الزیادة للتوالد والتناسل والتجارة، والتقدیری تمکنه من الزیادة بکون المال فی یده أو نائبه" (شامی ۲/۹، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۱/۲۹۸، فتاوی ہندیہ ۲/۲۴۴)۔

شرط سوم، حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا

حاجت اصلیہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جو انسان کو حقیقی ہلاکت یا تقدیری ہلاکت سے

Marfat.com

محفوظ رکھ سکے، حقیقی ہلاکت جیسے نفقہ، سکونت کے لئے مکان، سردی وگرمی سے حفاظت کے کپڑے، خدمت کے لئے خادم وغلام اور سواری وغیرہ اور تقدیری ہلاکت قرض کی ادائیگی یا اہل علم کے لئے کتابیں وغیرہ (ردالمحتار ۸/۲)۔

حاجت اصلیہ دور، زمانہ اور ماحول، سماج نیز ہر انسان کے اپنے حالات کی بنا پر مختلف ہوسکتی ہے، حاجات اصلیہ میں سواری، آلات حرب، سکونت کے لئے مکان اور نفقہ وغیرہ داخل ہیں، ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم میں سواریوں میں اونٹ وگھوڑے وغیرہ استعمال ہوا کرتے تھے اور اب اسکوٹر، موٹر سائیکل، کار وغیرہ استعمال ہوا کرتے ہیں، اس طرح زمانہ قدیم میں آلات حرفت کچھ اور تھا اور اب کچھ اور، زمانہ قدیم میں نان ونفقہ کا معیار کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ زمانہ قدیم میں بعض اشیاء کو حاجت اصلیہ میں شمار نہ کیا جاتا ہو، لیکن اس دور میں حاجت اصلیہ میں داخل ہوں، اور حالات وزمانہ، نیز عرف وعادات شرعاً خود ایک دلیل ہے۔

شرط چہارم دین سے محفوظ ہونا

دین خواہ طویل الاجل ہو یا قلیل الاجل دونوں مانع زکوٰۃ ہونے میں برابر ہیں، دین بہر حال مدیون کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے، خواہ دائن کی جانب سے اس کو کم مدت کی مہلت دی گئی ہو یا زیادہ کی۔

"ومنها الفراغ عن الدين" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۴۲، ہدایہ ۱/ ۱٦٦)۔

البتہ مذکورہ بالا صورتوں میں اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے یا واجب الاداء قسط وضع کرکے باقی اموال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی، اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب مثلاً ایک لاکھ روپے قرض لیا گیا ہے اور سالانہ دس ہزار روپے ادا کرنا ہے تو جو قسط ادا کردی گئی ہے اموال زکوٰۃ سے اتنی رقم وضع کرکے ہی قرض کو منہا کیا جائے گا، باقی واجب الاداء قسطیں جو جمع نہیں کی جاسکی ہیں وہ چونکہ مدیون کے ذمہ بہر حال دین ہے، اس لئے ان واجب الاداء

Marfat.com

قسطوں کو جو ادا نہیں کی جا سکی ہیں اس سے وضع نہیں کیا جائے گا، بلکہ پورے دین کو جو واجب الادا قسطیں ہوں اور ادا نہیں کی جا سکی ہیں یا فی الحال غیر واجب الاداء تمام کو اموال زکوٰۃ سے منہا کیا جائے گا۔

کمپنیز پر زکوٰۃ

مذکورہ صورت میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار کیا جائے گا پھر جن شرکاء کا حصہ بقدر نصاب ہو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور جن کا حصہ مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، صاحب درمختار اور شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نصاب مشترک میں یعنی ایسے مال میں جو اشتراک کی وجہ سے مقدار نصاب کو پہنچ رہا ہو، اور اگر تمام شرکاء کار کا حصہ الگ الگ کر دیا جائے تو کسی کا بھی حصہ مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا ہو تو ایسے مال پر اس وجہ سے کہ مجموعی مالیت مقدار نصاب یا اس سے زائد ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۳۴)۔

ہیرے جواہرات

فقہاء نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ نقدین اور سوائم کے علاوہ عروض وغیرہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کہ وہ مال تجارت ہو، بلکہ فقہاء احناف نے تو یہ تصریح فرمائی ہے کہ ہیرے جواہرات اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو خواہ وہ ہزاروں روپئے کے کیوں نہ ہوں اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے مذکورہ صورت میں بھی احناف کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ وہ ہیرے جواہرات تمول کے لئے محفوظ کئے گئے ہوں یا زینت و آرائش کے لئے، اور اگر اپنے سرمایہ کو ہیرے جواہرات کی شکل میں زکوٰۃ سے بچنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے محفوظ کیا جائے تو عند اللہ بھی ایسے شخص سے محاسبہ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر نیت اور مقصد زکوٰۃ کی ادائیگی

Marfat.com

سے بچنا ہوتو پھر چاہے عند القضاء زکوٰۃ واجب نہ ہو، لیکن عند اللہ مواخذہ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے ارادے سے خوب واقف ہیں۔ درمختار میں ہے:

"(لا زكوة في اللآلي والجواهر) وإن ساوت ألفاً اتفاقاً (إلا أن تكون للتجارة) والأصل إن ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة" (درمختار ۲/۲۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۱/۵۰۳، فتاوی ہندیہ ۱/۲۵۳، ۲۴۲ وغیرہ)۔

شیئرز اور بونڈز کی زکوٰۃ

شیئرز دراصل شرکت کی ایک صورت ہے اور شرکت کے تفصیلی احکام شرط چہارم کے عنوان "کمپنیز پر زکوٰۃ" کے تحت تحریر کئے جاچکے ہیں، شیئرز اگر ایسی کمپنی کا ہے جس میں تجارتی کاروبار ہوتا ہو، اور شیئرز ہولڈر مالک نصاب ہے تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مذکورہ صورت میں عدم وجوب زکوٰۃ کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، البتہ ادائیگی زکوٰۃ میں بنیادی قیمت معتبر نہیں ہوگی، بلکہ جو قیمت مارکیٹ میں ہوگی اس کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔

بونڈز بھی قرض کی ایک شکل ہے اور یہ بونڈز دراصل قرض کا ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ قرض کی تینوں صورتوں ضعیف، وسط اور قوی میں سے یہ وسط کی تعریف میں داخل ہے، اس لئے اس پر دین وسط کے احکام جاری ہوں گے اور دین وسط میں فی الحال قبضہ سے قبل تو زکوٰۃ لازم نہیں، لیکن جب دین بقدر نصاب یا اس سے زیادہ یکبارگی وصول ہوتو اس پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بونڈز کے کیش ہوجانے کے بعد تمام گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ لازم اور ضروری ہوگی۔

Marfat.com

موجودہ عہد میں مال کی مختلف نوعیت میں زکوٰۃ

مولانا ابوالکلام قاسمی ☆

زکوٰۃ مالِ نامی میں واجب ہے، زکوٰۃ کے وجوب کے لئے ملکِ تام ضروری ہے:

"إذا ملک نصابا كاملا ملكا تاما" (قدوری)۔

ملکِ تام وہ ہے جس میں ملکیت اور قبضہ دونوں حاصل ہوں، مکاتب کے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا اپنا مال نہیں ہے، بلکہ مالک کا مال ہے، مال پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مہر اور مبیع غیر مقبوض پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

وہ مالِ تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہو سکی ہو یا وہ قیمت جو ادا کی جا چکی ہو، وہ مال جو خریدار کے ملک میں آچکا ہے، لیکن قبضہ میں نہیں آیا، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس لئے کہ ملکِ تام اور قبضہ دونوں ہی وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری ہیں، اور یہاں ملک اور قبضہ دونوں ساتھ ساتھ حاصل نہیں۔

کرایہ کے مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہوجانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے، اس نقد کی زکوٰۃ پیشگی دینے والے اور ڈپوزٹ کرنے والے پر واجب ہے، اس لئے کہ وہ پیشگی دینے والے اور ڈپوزٹ کرنے والے کی ملک ہے اور ملک کے ساتھ قبضہ بھی حاصل ہے، اس لئے کہ جب چاہے اس کو واپس لوٹا سکتا ہے۔

☆ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔

Marfat.com

جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو، جیسے مدارس وغیرہ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

"سبب افتراضها ملک نصاب حولي" (درمختار) "قوله ملک نصاب فلا زکوٰة في سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک" (ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ۹/۲)۔

حرام مال کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

"لو کان الخبیث نصاباً لاتلزمه الزکوٰة؛ لأن الکل واجب التصدق علیه فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه" (ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ۳۳،۳۴/۲)۔

اگر حرام مال حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو گئے کہ ان میں باہم تمیز مشکل ہو، تو اس صورت میں مخلوط اموال میں زکوٰۃ فرض ہے (الدر المختار ۳۳۰/۲)۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ حرام مال کو اپنے حلال مال میں ملا دینے سے کل کی زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ حلال مال اس قدر ہو کہ اس حرام مال کا معاوضہ ان لوگوں کو جن سے لیا ہے یا ان کے ورثہ کو دیا، یا اس کو ادا کر کے باقی بقدر نصاب بچے اور جب اکثر مال حرام ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ششم)۔

دین کی زکوٰۃ دائن پر واجب ہے، اس لئے کہ دین دائن کی ملکیت میں ہے، دین کی ادائیگی میں مدیون ٹال مٹول کر رہا ہو اور تجارت میں لگا کر نفع حاصل کر رہا ہو، پھر بھی مدیون پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، بلکہ دائن پر زکوٰۃ فرض ہے۔

دین کی رقم میں دین کی وصولیابی کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لیکن اگر وصول سے پہلے دے دی جائے تو یہ بھی جائز ہے، زکوٰۃ کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے، جب وصول ہو جائے، لیکن اگر فی الحال دے دے تب بھی درست ہے اور اگر قرض قسط وار وصول ہوتا جائے، اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے، اور اگر ایک دفعہ کل کی زکوٰۃ دیدے خواہ پہلے یا پیچھے تو یہ بھی درست ہے

Marfat.com

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/۹۶)۔

جس وقت قرض وصول ہو جائے اس وقت گزشتہ برسوں کی زکوۃ بھی دینا واجب ہے اور جو وصول نہ ہو اس کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہے۔

"لو كان الدين على مقر ملئي أو مفلس الخ، فوصل إلى ملكه لزم زكوة مامضى" (ردالمحتار بحوالہ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/۹۰)۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا مستحق تو ہے لیکن اس پر قبضہ حاصل نہیں ہے اور وجوب زکوۃ کے لئے ملک مع الید ضروری ہے، جو پی ایف کی رقم حاصل ہونے کے بعد آئندہ سال گذرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

حاجت اصلیہ

"الحاجة ما يدفع الهلاك بهاعن نفسه تحقيقاً أو تقديراً"۔

اس اعتبار سے حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور میں اور ہر ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائے گا، لیکن شرعی اعتبار سے حرام و ناجائز چیزیں حاجت اصلیہ کے ضمن میں نہیں آئیں گی۔

قرض یا دین مانع زکوۃ ہے، ٹریکٹر کی خریداری کے لئے لون لینا، قرض کی رقم سے سامان زراعت کی خریداری یا مکان کی خریداری کی جائے تو ان میں سے کسی پر زکوۃ فرض نہیں ہے، اس لئے کہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، اس لئے ان پر زکوۃ فرض نہیں ہے، البتہ کسی نے قرض لے کر سامان زراعت کی خریداری نہیں کی یا پھر مکان نہیں خریدا یا ٹریکٹر کی خریداری نہیں کی اور روپیہ اپنے پاس رکھ لیا، تو چونکہ وہ دین ہے، اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، لیکن اگر اس کو تجارت میں لگادے تو قرض سے فاضل جو مال ہے اس پر زکوۃ فرض ہے۔

کمپنی جس میں متعدد شرکاء ہوتے ہیں۔ کمپنی پر زکوۃ واجب نہیں ہے، کمپنی کا سرمایہ

Marfat.com

حصہ داروں کی مالیت ہوتی ہے، اس طرح حصہ داروں میں سے جن کی مالیت نصاب کو پہنچے ان پر بقدر نصاب واجب ہے، اس طرح کمپنی کی مجموعی مالیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

ہیرے اور جواہرات جو تجارت کے لئے ہیں ان پر زکوۃ واجب ہے۔

"لازکوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا اتفاقا إلاأن تكون للتجارة" (درمختار)۔

خواتین کے ہیرے کے زیورات پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔

سامان تجارت جو تاجروں کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوۃ کے دن اس کی مالیت کا تعین اس وقت کے بازار اور شہر کی عام قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔

"تعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء إجماعا وهو الأصح ويقوم في البلد الذى المال فيه" (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب زکوۃ الغنم ۲/۳، فتاوی دار العلوم جلد ششم)۔

اراضی جو تجارت کے لئے ہیں، ان پر زکوۃ واجب ہے، ادائیگی زکوۃ کے دن کی مالیت کے اعتبار سے کل مالیت اور ان سے حاصل ہونے والے منافع پر زکوۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ ان کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے، اس کی مالیت کا اعتبار زکوۃ کے دن کی مالیت کے اعتبار سے ہوگا۔

شیئرز چونکہ ایک تجارتی سرمایہ ہے، اس لئے اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہے، شیئرز کی مالیت کے تعین میں ادائیگی زکوۃ کے وقت بازار کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یہی حکم بونڈ کا بھی ہے، بونڈ پر بھی زکوۃ واجب ہے اور ادائیگی زکوۃ کے وقت بازار کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، شیئرز اور بونڈ پر زکوۃ واجب ہے، یا تو ہر سال زکوۃ دی جائے یا مدت پوری

Marfat.com

ہونے پر ایک ہی مرتبہ گذشتہ تمام برسوں کی زکوٰۃ ادا کردی جائے۔

چاندی اور سونا دونوں ہی مستقل نصاب ہیں، چنانچہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا نصاب زکوٰۃ ہے، ان دونوں میں سے جس کے مطابق مال ہو تو صاحب مال صاحب نصاب ہوگا، اگر دونوں نصاب سے کم ہیں، لیکن دونوں کو ملا دینے سے نصاب کو پہنچ جائے تو صاحبِ نصاب قرار دیا جائے گا، زکوٰۃ لینے کی حلت وحرمت میں اسی طرح سے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔

مہتمم مدرسہ طلبہ اور زکوٰۃ دہندہ دونوں کا وکیل ہوتا ہے، طلبہ داخلہ کے ذریعہ ان کو اپنا وکیل بناتے ہیں اور زکوٰۃ دہندگان مال حوالہ کر کے، اس طرح مہتمم مدرسہ دونوں کے وکیل ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کے مال میں طلبہ کے مصالح کے مطابق جو بھی تصرف کرے وہ صحیح ہے، مزید تملیک کی ضرورت نہیں ہے۔

کمیشن پر چندہ کرانا درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کمیشن کی رقم متعین ہو، اور وہ وصول کردہ رقم سے کم ہو، کمیشن والا محصل "والعاملین علیها" کے تحت داخل ہے، کمیشن اس کی محنت کی اجرت ہے اور محنت کی اجرت دینا درست ہے، اسی طرح آمد وخرچ کے اندراج کے لئے جو عملہ مقرر ہیں ان کی تنخواہ اجرت شمار کر کے دینا درست ہے۔

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين" میں حصر حقیقی ہے، اگر حصر اضافی ہو تو پھر مذکورہ آٹھ مصارف کے ذکر کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

Marfat.com

نصاب زکوۃ

مولانا افضل حسین ☆

اس زمانہ میں، جبکہ چاندی سونا کے مقابلہ میں بہت ہی سستی اور سونے کی قیمت بہت زیادہ ہے، لہذا نقد روپیہ یا مال تجارت وغیرہ میں چاندی کا نصاب تو جلد تیار ہو جائے گا اور سونے کا نصاب کافی نقد یا تجارتی مال کے زیادہ ہونے پر تیار ہوگا، کتب فتاوی میں اس کی تصریح موجود ہے، کہ مال میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے وہ نصاب معتبر ہے جو اُنفع للفقراء ہو اور ظاہر ہے کہ چاندی کا نصاب جلد تیار ہو جانے کی وجہ سے فقیروں کیلئے زیادہ نفع بخش ہے، کیونکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر مال جب کہ سال گزر گیا ہو اور ضرورت اصلیہ سے فارغ ہو، زکوۃ واجب ہونے پر فقیروں کو نفع پہنچے گا، برخلاف سونے کے نصاب کے کہ اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو بہت کم صورتوں میں (یعنی جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا کے بقدر مال ضرورت اصلیہ سے فارغ ہو اور اس پر سال بھی گزر گیا ہو) زکوۃ واجب ہو سکے گی، کیونکہ ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت آج کل کے نرخ کے اعتبار سے تقریباً تیس ہزار روپے ہوگی، پس اگر سونے کے نصاب کو اصل قرار دے کر اسی کا اعتبار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس تیس ہزار نقد روپے ضرورت اصلیہ سے فارغ ہوں یا اس کے بقدر مال تجارت ہو اور اس پر سال بھی گزر گیا ہو تو زکوۃ واجب ہوگی جو فقیروں کے لئے کسی طرح بھی نفع بخش نہیں ہے، اور اگر چاندی کے

☆　بستی، یوپی۔

Marfat.com

نصاب کو اصل قرار دے کر اس کا اعتبار کیا جاتا ہے تو تقریبا ساڑھے چار ہزار نقد روپے یا اس کے بقدر مال تجارت ہونے پر زکوۃ واجب ہو جائے گی، پس چاندی کے نصاب کو اصل قرار دینے میں زکوۃ جلد واجب ہوتی ہے، اور سونے کے نصاب کو اصل قرار دینے میں زکوۃ دیر سے واجب ہوتی ہے، ایسی صورت میں نصاب نقدین میں سے اس سے بنایا جائے گا، جو فقیروں کیلئے انفع ہو۔

رہی بات اس کی کہ نقدین میں سے کون سا نصاب اصل ہے تو دونوں نصاب اصل ہیں مگر اس زمانہ میں اعتبار چاندی کے نصاب کا کیا جائے گا، ہاں اگر پھر وہی زمانہ لوٹ آئے کہ بیس مثقال سونے کی قیمت وہی ہو جائے جو دوسو درہم کی قیمت ہے، تو اختیار رہے گا چاہے جس کو نصاب بنا لیا جائے گا۔

اگر نصاب دونوں سے بن جاتا ہے مگر ایک کے ساتھ تقویم سے نصاب اور خمس نصاب بن جاتا ہے، اور دوسرے سے صرف نصاب یا نصاب اور خمس نصاب سے کم بنتا ہے جس نقد کے ساتھ تقویم سے نصاب اور خمس نصاب بنتا ہو اسی سے قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی۔(ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمساً) کے تحت شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔

"بيانه ما في النهر عن السراج لو كان بحيث لقومها بالدراهم مائتين وأربعين والدنانير بالدنانير ثلاثا وعشرين قومها بالدراهم لوجوب ستة فيها بخلاف الدنانير فإنه يجب فيها نصف دينار وقيمته خمسه ولو بلغت بالدنانير أربعة وعشرين وبالدراهم ستة وثلاثين قومها بالدنانير"

معلوم ہوا انفع للفقیر کی رعایت بہر صورت کی جائے گی، پس چاندی اور سونے کے نرخ میں تفاوت چاہے جتنا ہو جائے دونوں نصاب اپنی جگہ پر اصل کی حیثیت رکھتے ہیں مگر فی زماننا اموال کے اندر چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔

"مقوما بأحدهما" کے تحت علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے کہ اموال کی قیمت

Marfat.com

لگانے کا اختیار اس وقت ہے جب کہ سونا چاندی دونوں برابر ہوں (یعنی نصف دینار برابر پانچ درہم کے ہو) لیکن اگر دونوں کے نرخ میں تفاوت ہے تو پھر اعتبار انفع کا ہوگا۔

”قال: و کل التخيير إذا استويا فقط وأما إذا اختلفا قوم بالأنفع“

بہر حال اصل مذہب تخییر کا ہے، یعنی نصاب چاہے چاندی کو قرار دے کر اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے چاہے تو سونے کے نصاب کو مان کر زکوۃ ادا کرے، لیکن یہ اختیار اس وقت تک ہے جب کہ نصاب دونوں نقدوں سے بن جاتا ہو، اور اگر نصاب کسی ایک سے بنتا ہے اور دوسرے سے نہیں بنتا تو تقویم ذی نصاب سے متعین ہو جائے گی، جیسا کہ اس کی تصریح درمختار کی عبارت سے آچکی ہے۔

”انفع“ کی تفسیر سے متعلق ایک جزئیہ درمختار کا بھی گزرا ہے کہ اگر نقدین میں ایک کے ساتھ تقویم سے مال نصاب تک پہنچتا ہے اور دوسرے سے نصاب اور خمس تک پہنچتا ہے تو ایسی صورت میں انفع یہ دوسری صورت ہوگی، کیونکہ خمس نصاب سے کم میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں ہوتی، لیکن جب خمس نصاب بعد تکمیل نصاب ہو جائے تو اس پر زکوۃ اسی اعتبار سے واجب ہوگی، پس ظاہر ہے اس نقد کے ساتھ تقویم میں دوسرے کے مقابلہ میں زکوۃ زیادہ نکلے گی، جو فقیروں کیلئے زیادہ نفع بخش ہے، بہر حال اس جزئیہ سے یہ بات صراحۃً جانی اور سمجھی جاتی ہے کہ انفع کا اعتبار بعد تکمیل نصاب بھی کیا جائے گا تو نصاب بناتے وقت کیوں اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، ضرور کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص (جو کہ دونوں نصابوں کا مالک ہے) ایک نصاب کو دوسرے نصاب کے ساتھ ملا کر کل زکوۃ سونے سے یا چاندی سے ادا کرنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ اس کا لحاظ ضرور کرنا ہوگا کہ جس کے ساتھ ملانے سے فقیروں کا زیادہ نفع ہو اس کے ساتھ ملایا جائے گا، پس جس کے ساتھ ملانے سے زکوۃ نکلتی ہو، اسی کے ساتھ ملا کر دونوں کی

Marfat.com

زکوۃ ادا کرے۔

"ولو ضم أحد النصابين إلى الآخر حتى يؤدى كله من الذهب أو من الفضة لا بأس به، لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا ورواجا وإلا فيؤدى من كل واحد ربع عشره كذا في محيط السرخسي" (عالمگیری ۱۷۹/۱)۔

خلاصہ بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سونے چاندی کے نرخ میں چاہے جتنا تفاوت ہو جائے دونوں نصاب اپنی جگہ پر اصل ہیں، مصرحہ جزئیات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اموال کی تقویم میں تخییر اس وقت ہے جب کہ دونوں قیمت میں برابر ہوں (یعنی نصف مثقال برابر پانچ درہم کے ہو جیسا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا) پس اگر تفاوت نرخ کی وجہ سے ایک سا تھ تقویم میں نصاب تک نہیں پہنچتا اور دوسرے سے پہنچ جاتا ہے تو دوسرے ہی سے قیمت لگائی جانی ضروری ہوگی۔

لہذا نصاب حرمت زکوۃ اسی طرح نصاب موجب زکوۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے گی۔

Marfat.com

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

جدید فقہی تحقیقات

Marfat.com